جنات اور کالے علم کے ساحروں کا خوفناک ٹکراؤ

جنّ زاد

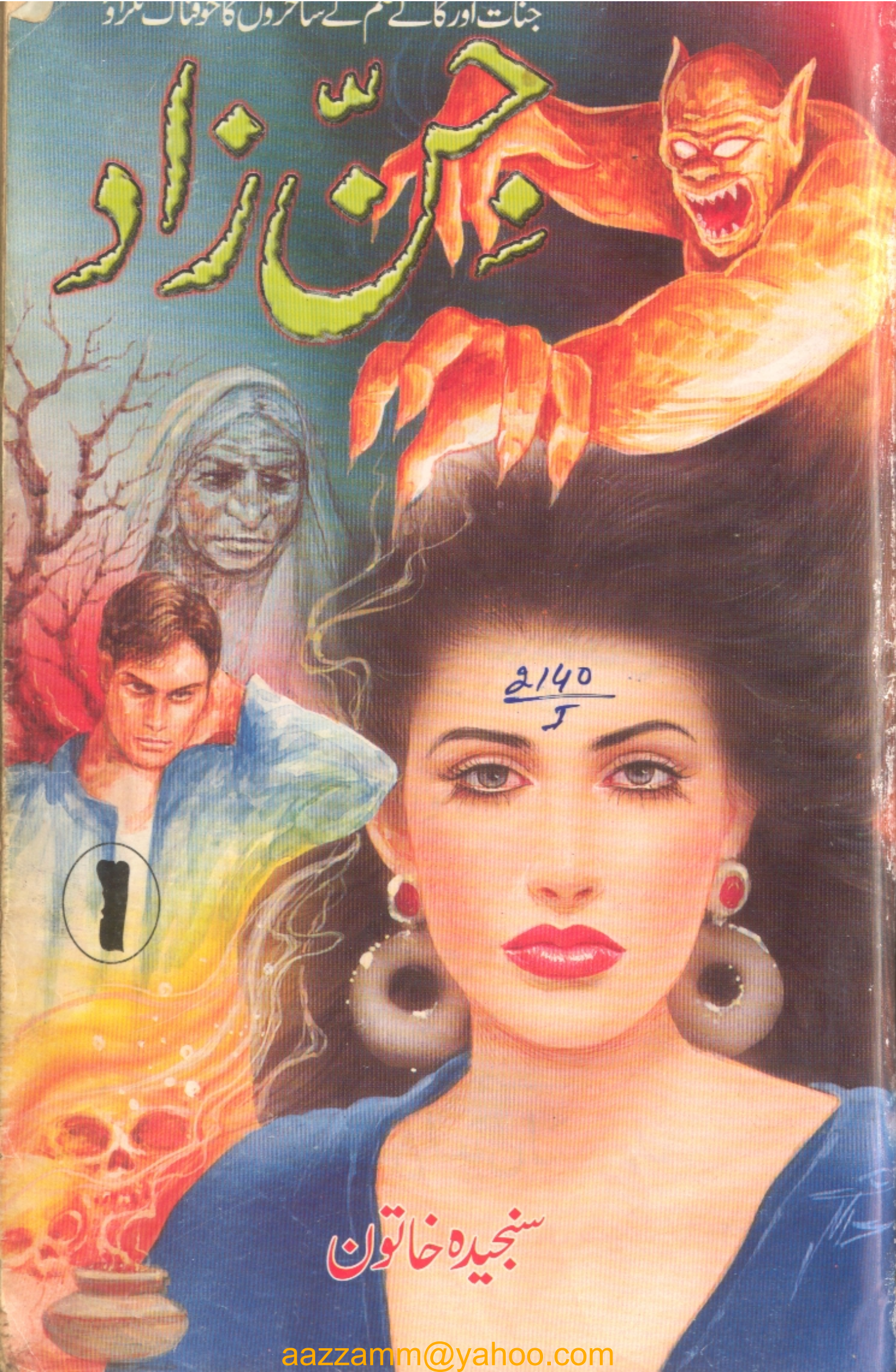

سنجیدہ خاتون

2140
J

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اپنے انداز کی ایک حیرت انگیز خود نوشت، کبھی شعلہ کبھی شبنم، ایک نٹ کھٹ جنّ کی انوکھی داستان

- آدم زادوں کے درمیان ایک جنّ زاد پر کیا گزری؟
- جدید علوم، سائنسی ترقی اور عقل سے ماورا پُراسرار سرگزشت۔
- آدم زادوں کا قصہ جو اپنے علم کی بدولت جنات سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔
- پیر منگھو کی پُراسرار مائی کون تھی؟
- ایک جنّ کی محبت کا قصہ۔ جو ایک حسین لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا۔
- جنات اور کالے علم کے ساحروں کا خوفناک ٹکراؤ۔
- سیّد بادشاہ کی چوکھٹ کا راز کیا تھا؟
- عالم جنات کے، عقل کو خبط کر دینے والے واقعات۔

Rs.60/-

ISBN 969-517-179-6

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ایک جن کی محبت کا قصہ، اپنے انداز کی حیرت انگیز داستان

جن زاد

پہلا حصہ

2140
I

خزانہ لائبریری، وڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر
محمد چک ساہیوال

سنجیدہ خاتون

کتاب پر مت لکھیں
اور نہ قیمت دیجیے

ناشر
علی میاں پبلی کیشنز
۲۰-عزیز مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون ۷۲۴۷۴۱۴

Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کتاب پر مہر لگیں
کتاب پر مہر لگیں

فرزانہ لائبریری، وڈیو اینڈ ریکارڈنگ سنٹر
ٹیلی ریکارڈنگ سنٹر

سنجیدہ خاتون کا تعارف

پچیس برس سے زیادہ ہو گئے کہ سنجیدہ خاتون کی تحریریں مختلف جرائد و روزناموں نیز ہفتہ وار پرچوں میں شائع ہو رہی ہیں۔ اُن کا نام پڑھنے والوں کے لئے جانا پہچانا ہے۔ وہ دہلی کے ایک معزز اور تعلیم یافتہ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُن کی والدہ مرحومہ کے سگے ماموں مولانا عثمان فارقلیط تھے جن کے نام سے ایک دنیا آشنا ہے۔ وہ دہلی سے شائع ہونے والے "الجمعیت" اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ مولانا مرحوم پہلے انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرتے رہے اور انہوں نے عیسائی پادریوں سے مناظرے بھی کئے۔ برصغیر کو جب آزادی ملی تو کانگریس کے منافقانہ رویے کے خلاف مولانا نے آواز اٹھائی۔ حکومت ہند نے انہیں صحافت کے شعبے میں خدمات انجام دینے پر "پدم شری" کا ایوارڈ دیا مگر مولانا بہ دستور اپنے مؤقف پر قائم رہے۔

سنجیدہ خاتون ہی کے عزیزوں میں مولانا سلیمان صابر تھے جو دہلی سے شائع ہونے والے ایک کثیرالاشاعت اخبار "قومی آواز" کے ایڈیٹر رہے۔ مولانا سلیمان صابر رشتے میں سنجیدہ خاتون کے نانا تھے۔

سنجیدہ خاتون نے طبع زاد تحریریں بھی لکھی ہیں اور دوسری زبانوں سے ترجمے کر کے بھی اردو کے دامن کو مالا مال کیا ہے۔ ایک گھریلو خاتون ہونے کے باوجود وہ لکھنے پڑھنے کے لئے بھی وقت نکال لیتی ہیں۔ اُن کا کچھ علمی و تحقیقی کام بھی سامنے آ چکا ہے۔

آخر میں ہم "چپکے سے" اپنے قارئین کو ایک بات بتا دیں کہ سنجیدہ خاتون ہمیں دل و جان سے زیادہ عزیز ہیں اس لئے کہ وہ ہمارے بچوں کی ماں ہیں۔ اسی بنا پر ہم نے انہیں یہ اختیار بھی دے رکھا ہے کہ بہ وقتِ ضرورت ہم سے "بیگار" بھی لیتی رہیں۔ وہ موقع کی تلاش میں رہتی ہیں۔ اِدھر ہمیں خالی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اول ——— ۲۰۰۴ء
مطبع ——— یو اینڈ ی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— الحرم کمپوزنگ سنٹر، لاہور
قیمت ——— ۶۰ روپے

Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال لاہور

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

بیٹھے دیکھا' اُدھر کوئی کام تھما دیا' لکھنے پڑھنے کا کام کہ اِس کے سوا ہمیں کوئی اور "ہنر" نہیں آتا۔

یہ ناول "جن زاد" سنجیدہ خاتون ہی کی محنت و کاوش کا ثمر ہے اور انہی کے نام سے کراچی کے ایک ماہنامے میں چھپ چکا ہے۔ ہماری خواہش تھی کہ گھر کی بات گھر ہی میں رہے اور کسی کو پتا نہ چلے کہ ہم سنجیدہ خاتون کی دھونس میں رہتے ہیں مگر اس کتاب کے پبلشر برادرم عبدالغفار کا اصرار تھا کہ کسی نہ کسی طرح ہمیں بھی اس معاملے میں "ملوث" کرلیں۔ سو یوں اس تعارف کی ضرورت پڑ گئی۔

بہرحال سنجیدہ خاتون کا یہ ناول اپنے موضوع اور نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہی کہا جائے گا۔ ہم تو یہی کہیں گے' آپ مانیں کہ نہ مانیں!

کتابی صورت میں سنجیدہ خاتون کا کام ابھی کم چھپا ہے' مگر اب اس کی ابتدا ہو گئی ہے۔ توقع ہے کہ یہ سلسلہ وار پُراسرار ناول جو حقائق پر مبنی ہے' پڑھنے والوں کو یقیناً پسند آئے گا۔

اگر زندگی کی تلخیوں میں کچھ دیر کو یہ ناول پڑھ کر کسی قدر کمی محسوس ہو تو نہ صرف سنجیدہ خاتون بلکہ ہمارے حق میں بھی دعائے خیر کیجئے گا۔

آپ کی محبتوں کا اسیر' فقیر

شمیم نوید

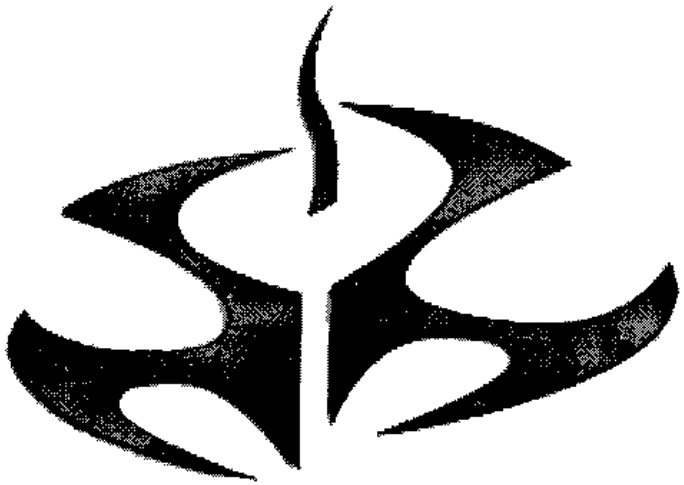

Azam & Ali

جن زاد

آپ نے انسانوں کی بے شمار آپ بیتیاں، جگ بیتیاں اور حیرت انگیز کہانیاں پڑھی ہوں گی لیکن ایسی حیرت انگیز داستان اس سے پہلے نہیں پڑھی ہوگی۔ یہ ایک جن کی آپ بیتی ہے جو آدم زادوں کے درمیان زندگی گزارنے کا خواہشمند تھا۔

آیئے، دیکھیں، ایک جن پر آدم زادوں کے درمیان کیا گزری۔

اپنے انداز کی ایک نرالی داستان

اچانک مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا اور میں نے گھبرا کر اس نرگسی آنکھوں والی کی طرف دیکھا جس نے میرے ہوش و حواس اڑا رکھے تھے۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے اس کے ہونٹ حرکت میں تھے۔ یقیناً وہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہی تھی۔ معلوم نہیں اسے کیسے اپنے قریب میری موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔ راہِ فرار اختیار کرنے کے سوا اب میرے لئے کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ حویلی کی چھت پر تھی اور میں اب اس کے قریب سے ہٹ کر دیوار سے جا لگا تھا۔ میں اس سے جتنا دور ہوتا جا رہا تھا' میری حالت سنبھلتی جا رہی تھی۔ وہ جو کچھ بھی پڑھ رہی تھی' مجھ سے محفوظ رہنے کے لئے ہی تھا۔ پھر اس نے جیسے ہی پڑھ کر چاروں طرف دم کیا' مجھے یوں لگا کہ بھڑکتے ہوئے شعلے میری طرف لپک رہے ہیں۔ میں ان شعلوں کی تپش واضح طور پر محسوس کر رہا تھا۔ اب وہاں ایک لمحہ بھی مزید رکنا میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے اسی سبب وہاں سے فرار ہونے میں دیر نہیں کی۔ میرا قیام شہر سے باہر جہانگیر کے مقبرے میں تھا۔ اب میں اسی طرف جا رہا تھا۔ مجھے وہاں رہتے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا۔

انسان اور شیطان دونوں ہی سے ہم' اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ہماری دنیا میں شیطان سے بھی زیادہ خطرناک انسان کو سمجھا جاتا ہے۔ بچپن ہی سے ہمیں انسانوں سے دور رہنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود میری ہی طرح اکثر جنات اس تاکید کی پرواہ نہیں کرتے۔ آدم زادیوں کے حُسن کی کشش ہمیں اکثر ویرانوں سے آبادیوں کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا حالانکہ میں نے بہت سے ایسے عبرتناک واقعات سن رکھے تھے کہ متعدد جنات' انسانوں کے ہاتھوں مارے گئے یا انہیں غلام بنا لیا گیا۔

میں ایک شام اپنے ہم عمر یاسف کے ساتھ شہر کی طرف نکل گیا تھا۔ انسانوں کے ساتھ چھوٹی موٹی شرارتیں کر کے ہمیں بڑا مزہ آتا تھا۔ ہمیں اس خیال سے عجیب سی خوشی محسوس ہوتی تھی کہ انسان

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔ شاہی قلعے کے قریب ایک انگریز سر پر ہیٹ لگائے اور ہونٹوں میں موٹا سا سگار دبائے' گردن ٹیڑھی کئے چلا جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے آگے ساری دنیا کو حقیر و فقیر سمجھ رہا ہو۔ اسے یوں کسی چمار کی طرح اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھ کر مجھے شرارت سوجھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے ہونٹوں میں دبا ہوا سگار نکال لیا۔ اس نے دھواں چھوڑنا بند کر دیا اور اچھل پڑا۔ اسی وقت یاسف نے پیچھے سے بڑھ کر اس کا ہیٹ اتار لیا۔ چند قدم کے فاصلے سے ایک "دھوتی بند" چلا آ رہا تھا۔ یاسف نے وہ ہیٹ اس کے سر پر رکھ دیا۔ کسی فٹ بال کی طرح گول مٹول وہ دھوتی بند ہندو اچھلا اور اسی لمحے انگریز نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اپنا ہیٹ اس ہندو کے سر پر دیکھ کر انگریز کا چقندر چہرہ مزید چقندر نظر آنے لگا۔ میں نے اس دوران میں ایک اور کارروائی کی کہ بوکھلائے ہوئے ہندو کے ہاتھ میں سگار بھی تھما دیا۔

انگریز اس ہندو پر برس پڑا۔ "ٹم کالا آڈمی امارے ساتھ بوڈماسی کورتا۔"

"ہے رام ..... ہے رام" کہتے ہوئے ہندو نے اپنے سر سے ہیٹ اتار لیا۔ گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ سے سگار گر گیا اور وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر انگریز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

معلوم نہیں اس ہندو کی جان انگریز سے کیسے چھوٹی' ہم تو ایک باریش بوڑھے آدمی کو ادھر آتے دیکھ کر بھاگ لئے تھے۔ اس بوڑھے کی پیشانی پر سجدوں کا نشان بھی نظر آ رہا تھا۔ ہمیں علم تھا کہ عام آدمیوں کے مقابلے میں اس وضع قطع کے آدمی ہمارے لئے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ وہاں سے ہمارے بھاگنے کی وجہ یہی تھی ورنہ ہم مزید کچھ دیر اسی جگہ رک کر لطف اندوز ہوتے۔ وہاں سے ہم اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے بھائی دروازے کی طرف نکل گئے۔

یہ واقعہ اسی روز کا ہے کہ میں نے پہلی مرتبہ اس غارت گر ہوش کو دیکھا۔ اس کی طرف مجھے یاسف نے متوجہ کیا تھا۔

"وہ دیکھ ..... ادھر علیالیش!" یاسف نے کہا تھا۔

میں نے اسے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ وہ سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے بڑے سے صحن کی طرف آ رہی تھی۔ سرو قد' نرگسی آنکھیں' گوری رنگت' متناسب جسم' سر کے بال گھٹاؤں کی طرح شانوں پر بکھرے ہوئے' ہلکے نیلے رنگ کا شرارا سوٹ اس کے جسم پر تھا اور دوپٹہ گلے میں پڑا ہوا تھا۔

صحن میں دو پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک پلنگ پر کوئی بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی تھی جو پاندان بند کر رہی تھی۔

"نرگس بیٹی! میں نے تم سے کتنی دفعہ منع کیا ہے کہ جب دونوں وقت مل رہے ہوں تو چھت پر نہ جایا کرو۔" بوڑھی عورت نے اس "قیامت" کو مخاطب کیا۔ "مولوی صاحب نے دیکھ لیا کسی دن تو تیرے ساتھ مجھے بھی دس باتیں سنائیں گے۔ ارے جب دونوں وقت ملتے ہیں تو جانے کیا کیا الائیں بلائیں آسمان سے اترتی ہیں' بہترے دریا تک تو اس وقت رک جاتے ہیں' مگر تو میری بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی ہے۔"

"امی! میں تو نما کر بس بال سکھانے اوپر چھت پر گئی تھی۔" وہ سیڑھیوں سے اتر کر صحن میں آ گئی۔

اسی وقت مغرب کی اذان ہو گئی۔ بڑی بی نے کہا۔ "اچھا چل' وضو کر کے نماز پڑھ لے۔"

"وضو ہے میرا۔" اس نے جواب دیا اور صحن سے دالان کی طرف بڑھ گئی۔

"اے علیالیش! تجھے کیا ہوا؟" یاسف نے مجھے ٹوکا۔

"کچھ ..... کچھ نہیں۔" میں چونک کر بولا۔

"تو پھر چل نا' یہیں کیوں رک گیا؟" یاسف نے کہا۔ "کہیں تجھ پر اس آدم زادی کا جادو تو نہیں چل گیا؟"

جادو تو خیر مجھ پر چل گیا تھا مگر میں نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔ اس خیال سے کہ یاسف کو کوئی شک نہ ہو میں فوراً ہی اس کے ساتھ چل دیا۔ اس وقت تک نرگس نماز پڑھنے کے لئے کھڑی ہو چکی تھی۔ چلتے چلتے میں نے اس پر نگاہ ڈالی اور پھر وہاں سے نکل آیا۔ میں نے واپسی میں اس حویلی کے محلِ وقوع کو یاد رکھا تھا۔ رات کے وقت پھر میرا ارادہ وہاں آنے کا تھا۔ اس آدم زادی نے اپنی پہلی ہی جھلک میں مجھے دیوانہ بنا دیا تھا۔

نصف شب کے قریب میں جہانگیر کے مقبرے سے بھائی دروازے کے لئے روانہ ہوا اور جلدی ہی وہاں پہنچ گیا۔ میری آنکھوں میں نرگس کا حسین چہرہ گھوم رہا تھا۔

مطلوبہ حویلی میں داخل ہو کر میں آگے بڑھتے بڑھتے ایک دم ٹھٹک کر رک گیا۔ میرے رکنے کی وجہ یہ تھی کہ میں نے وہاں اپنے سوا کسی اور غیرانسانی وجود کی موجودگی کو بھی محسوس کر لیا تھا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کون ہو سکتا ہے' میری سماعت سے ایک غیرانسانی آواز ٹکرائی۔ "چلا جا یہاں سے اور آئندہ کبھی ادھر آنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"کون ہے تُو؟ سامنے آ۔" میں نے اسے للکارا۔ "بزدلوں کی طرح چھپا ہوا کیوں ہے؟"

"میں اس لئے چھپا ہوا ہوں کہ تُو مجھے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے گا۔ میرا نام صخرہ ہے اور میں عفاریت میں سے ہوں۔" غیرانسانی آواز پھر اندھیرے سے ابھری۔

جنات کی دس قسمیں ہیں' انہی میں سے ایک قسم عفاریت کی ہے جو عفریت کی جمع ہے۔ عفریت کو دیو بھی کہتے ہیں۔ یہ بڑے سرکش' لڑاکا اور زور آور ہوتے ہیں۔

یہ جاننے کے باوجود کہ وہ عفریت ہے میں اس سے نہیں ڈرا اور کڑک کر بولا۔ "تُو مجھے روکنے والا کون ہوتا ہے' تجھے یہ حق کس نے دیا؟"

"اس حویلی کے مالک مولوی کفایت اللہ نے۔" میرے سوال کا جواب ملا۔ "میں اس حویلی کا محافظ ہوں۔ مجھے اس کام پر حویلی کے مالک ہی نے متعین کیا ہے۔"

"مگر تُو قوم جنات میں سے ہو کر ایک آدم زاد کی خدمت بجا لانے پر کیوں مجبور ہو گیا؟" میں نے سوال کیا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"اس لئے کہ میں' مولوی کے کسی بھی حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔ مجھے اس نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔"

"سن' نہ تُو عفاریت میں سے ہے اور نہ تیرا نام صخرہ ہے۔ آواز بدل کر بولنا چھوڑ دے اے یاسف! مَیں نے تجھے تیری خوشبو سے پہچان لیا ہے۔" میں نے کہا۔

جس طرح انسانوں کے چہرے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح ان کے جسموں کی بو بھی جدا جدا ہوتی ہے۔ ایسا ہی جنات کے ساتھ بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عام انسان مختلف جسموں کی بو کو الگ الگ شناخت نہیں کر سکتے لیکن جنات ایک دوسرے کے وجود کی بو باآسانی پہچان سکتے ہیں۔ مَیں نے اسی سبب یاسف کو پہچان لیا تھا۔ ہاں اس میں کچھ دیر ضرور لگی تھی کیونکہ میرے اور اس کے درمیان فاصلہ تھا۔

میری بات سن کر اور راز افشا ہو جانے پر اس نے اندھیرے کی چادر اپنے اوپر سے ہٹا دی اور ظاہر ہو گیا۔ وہ یاسف ہی تھا۔

"مجھے یقین تھا اے علیالیش کہ تُو آج رات یہاں ضرور آئے گا۔" یاسف نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میں تیرا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"تاکہ مجھے یہاں سے ڈرا کر بھگا دے اور پھر اس آدم زادی کو یہاں سے اٹھا کر لے جائے یا یہیں اسی حویلی میں اس سے قرب کی آرزو پوری کرلے۔" میں نے طنز کیا۔

"تُو مجھے غلط نہ سمجھ اے علیالیش! مت بھول کہ میں بھی تیری طرح ایک جن زاد ہوں اور تیرا دوست بھی ہوں۔ اسی دوستی کے رشتے نے مجھے یہاں رکنے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ میں تجھے مشکل میں گرفتار ہونے کے لئے چھوڑ کر چلا گیا ہوتا۔ پھر جو مجھ پر گزر چکی ہے' تجھ پر بھی گزرتی۔"

"کیسی مشکل اور تجھ پر کیا گزری؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"میں تو تجھے یونہی چھیڑنے کے لئے صخرہ بن گیا تھا ورنہ تو مجھے بھی معلوم تھا کہ تُو میرے جسم کی مخصوص خوشبو پہچان لے گا۔ میرا اصل مقصد تو محض یہ تھا کہ تُو خطرے کی حدود میں داخل نہ ہو اور مزید آگے بڑھنے سے رک جائے۔" یاسف بتانے لگا۔ "بات یہ ہے کہ....."

"مگر کیوں؟" یاسف کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی میں بول اٹھا۔ مجھے اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ "تُو کس لئے درمیان میں آ کودا؟"

"تجھے مجھ پر جو شک ہو رہا ہے' غلط نہیں۔" یاسف نے جواب دیا۔ "میں تیرا دوست ہوں اس لئے تجھ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میرا ارادہ اس آدم زادی کو اٹھا کر لے جانے ہی کا تھا۔ تیرا قیاس درست تھا۔ وہ مجھے آج ہی شام کو پسند آ گئی تھی۔" یاسف نے اعتراف کر لیا۔

"مگر تُو نے تو شام کو مجھے یہ بات نہیں بتائی تھی۔" میں نے شکوہ کیا۔ "اس پر تجھے دوستی کا دعویٰ ہے۔"

"اور اے علیالیش! تُو نے بھی مجھے کب کچھ بتایا تھا کہ تیرا کیا ارادہ ہے۔ اس کے باوجود میں نے

خود ہی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ تجھ پر اس آدم زادی کا جادو چل گیا ہے۔ میں نے اسی سبب تیرے یہاں پہنچنے سے پہلے اسے اڑا لے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ یاد کر کہ تُو نے بھی تو ایک مرتبہ ایسا ہی کیا تھا۔ میں آج اسی کا بدلہ چکانے والا تھا۔ جس طرح بعد میں تُو نے مجھے تفصیل کے ساتھ سب کچھ بتا دیا تھا' میں بھی تجھ سے کوئی بات راز نہ رکھتا۔"

یاسف غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ اس واقعے کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ یہ گزشتہ سال ہی کا واقعہ تھا۔ وہ ایک سکھ لڑکی کلونت کور تھی' بڑی بڑی ہرنی جیسی آنکھوں والی کلونت کور۔ بوٹا سے قد والی کلونت پے در پے میری اور یاسف کی وحشتوں کا شکار ہو گئی تھی۔ کچھ ہی دن میں اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا کیونکہ وہ ہم دونوں میں کسی ایک کو بھی دیکھنے سے قاصر تھی۔ وہ ہمیں صرف محسوس کر سکتی تھی۔ ایک کنویں میں چھلانگ لگا کر اس نے جان دے دی تھی۔ یہ واقعہ میرے ذہن میں تازہ ہو گیا تو پھر میں نے یاسف سے گلہ نہیں کیا۔ نرگس کے معاملے میں جو اندازہ یاسف نے لگایا تھا' وہی قیاس کلونت کور کے بارے میں میرا تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ یاسف اس آدم زادی پر مرمٹا ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ یاسف کو میرے ارادے کا علم ہو جاتا' میں کلونت کور کو اٹھا کر لے گیا تھا۔

"خیر پچھلے قصوں کو چھوڑ اے یاسف!" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "یہ بتا کہ تُو کس خطرے کا ذکر کر رہا تھا؟"

"اس آدم زادی نرگس کا باپ مولوی کفایت اللہ بڑا کائیاں نکلا۔" یاسف بتانے لگا۔ "اس خبیث نے نرگس کی چارپائی کے گرد حصار کھینچ رکھا ہے جس کے اندر داخل ہونا کسی طرح ممکن نہیں۔ وہ حصار کیونکہ نادیدہ تھا اس لئے میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ پھر جیسے ہی میں حصار کی حدود میں داخل ہوا میرے وجود کو جھٹکا لگا۔ میں پیچھے جا گرا۔" یاسف تفصیل کے ساتھ مجھے خطرے کی نوعیت سے آگاہ کر رہا تھا۔ "جھٹکا لگنے کے بعد ہی مجھے معلوم ہوا کہ وہاں نادیدہ حصار کھینچا گیا ہے۔ شک تو مجھے پہلے ہی ہو گیا تھا جب میں تجھے جہانگیر کے مقبرے میں چھوڑ کر یہاں واپس آیا تھا۔ نرگس کا باپ اس وقت نماز پڑھ کر واپس آ چکا تھا۔ حویلی میں کئی مرد اور عورتیں' مولوی کا انتظار کر رہی تھیں۔ کسی کو وہ پانی دم کر کے دے رہا تھا' کسی کو تعویذ۔ پھر میں نے اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں تو ذرا ڈرا۔ پتا لگا کہ جن عورتوں یا مردوں پر جنات کا' یعنی ہمارا اثر ہو جاتا ہے' مولوی ان کا علاج کرتا ہے۔ کسی سے بھی وہ اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتا بلکہ فی سبیل اللہ علاج کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے میرا کہ وہ کوئی پیشہ ور مولوی نہیں۔ بطور تحفہ بھی کوئی اسے کچھ دینا چاہتا ہے تو قبول نہیں کرتا۔ انارکلی بازار میں اس کی دکان ہے' کپڑے کی بڑی دکان۔ بہرحال میں یہاں اس لئے رکا رہا اے علیالیش! کہ کہیں نرگس تک پہنچنے کے لئے تُو بھی میری ہی طرح نادانستگی میں اس نادیدہ حصار سے نہ ٹکرا جائے۔ اس زبردست جھٹکے کا اثر اب تک مجھ پر ہے۔" یاسف یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

یاسف نے جو معلومات حاصل کی تھیں ان کے مطابق نرگس کا باپ مولوی کفایت اللہ واقعی خطرناک آدمی تھا۔ ہمیں نرگس اور مولوی دونوں ہی سے دور رہنا چاہئے تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ میں کچھ

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اور بھی سوچ رہا تھا۔ کہیں یاسف نے مجھے نرگس سے دور رکھنے کے لئے تو یہ ساری کہانی نہیں سنائی؟ یہ بات بہرحال خارج از امکان نہیں تھی۔ پہلے اس نے صخرہ بن کر مجھے وہاں سے بھگانا چاہا' پھر راز کھل گیا تو نادیدہ حصار کا قصہ سنا دیا۔

"میں خود یہ دیکھتا ہوں اے یاسف کہ اس مولوی نے اپنی بیٹی کی چارپائی کے گرد کیسا نادیدہ حصار کھینچ رکھا ہے؟" میں کچھ دیر بعد بولا۔

"تجھے شاید میری بات پر یقین نہیں آیا۔ میں نے جھوٹ نہیں بولا اے علیالیش! تُو خود کو خطرے میں نہ ڈال۔"

یاسف کے سمجھانے اور یقین دلانے کے باوجود میں نہیں مانا۔

"اگر تُو بضد ہے تو پھر ٹھیک ہے' خود چل کر دیکھ لے۔" یاسف نے کہا۔

"چل میرے ساتھ۔" میں آگے بڑھا۔

یاسف میرے ساتھ ہو لیا۔ یاسف کی رہنمائی میں مَیں اس کمرے کے اندر داخل ہو گیا جہاں نرگس محو خواب تھی۔ کمرے میں وہ اکیلی نہیں تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر اس کی ماں دوسری چارپائی پر سو رہی تھی۔ میں اسے شام کو دیکھ چکا تھا۔ کمرے میں لالٹین کی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

میں' نرگس کی چارپائی کی طرف بڑھنے لگا تو یاسف نے مجھے احتیاط برتنے اور زیادہ آگے نہ بڑھنے کو کہا۔

"تُو فکر نہ کر' میں احتیاط ہی سے کام لوں گا۔" میں نے جواب میں کہا اور رکا نہیں۔

نرگس کی چارپائی سے کچھ فاصلے پر میں رک گیا۔ وہ اسی طرف کروٹ لئے سو رہی تھی جدھر میں کھڑا تھا۔ اس کے بالوں کی ایک لٹ پیشانی پر لٹک رہی تھی اور ایک ہاتھ رخسار کے نیچے تھا۔ آدھے جسم پر اس نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ سانس لینے کی وجہ سے اس کے جسم میں جو خفیف سی حرکت ہو رہی تھی میرے لئے بڑی قیامت خیز تھی۔ سوتے ہوئے تو وہ اور بھی حسین نظر آ رہی تھی۔ میں ایک عالم وارفتگی میں اس کی طرف بڑھتا چلا گیا جیسے کوئی قوت مجھے کھینچے لئے جا رہی ہو۔ اس وقت نہ تو مجھے کسی خطرے کا احساس تھا نہ کوئی احتیاط مدنظر تھی۔ پھر اگر یاسف بروقت مجھے مزید آگے بڑھنے سے نہ روک دیتا تو نہ جانے میرا کیا حشر ہوتا۔ اس نادیدہ حصار سے ٹکرا کر مجھے معمولی سا جھٹکا ہی لگا تھا لیکن اس سے حقیقت کا علم ضرور ہو گیا تھا۔ یاسف نے واقعی سچ بولا تھا۔ اسی کے ساتھ مجھے نرگس کے باپ مولوی کفایت اللہ پر شدید غصہ آیا جس نے گویا حُسن کے خزانے پر پہرے بٹھا رکھے تھے۔ یہ غصہ اپنی ناکامی پر جھنجلاہٹ کا نتیجہ تھا۔

"آ اے یاسف! اس مولوی کی خبر لیتے ہیں۔" میں نے غصے میں کہا۔ "ظاہر ہے وہ بھی یہیں کہیں کسی کمرے میں سو رہا ہو گا۔" یاسف کے ساتھ میں' نرگس کے کمرے سے نکل آیا۔

"میرا مشورہ تو یہ ہے اے علیالیش کہ یہاں سے چلا ہی چل' مولوی کو چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔ وہ خطرناک آدمی لگتا ہے۔" یاسف نے مجھے سمجھایا۔

"تُو اس سے ڈر رہا ہے تو چلا جا' میں تجھے نہیں روکوں گا۔ مولوی کے لئے میں اکیلا کافی ہوں۔" مجھے اور بھی غصہ آ گیا۔

"لیکن یہ بھی تو معلوم ہو کہ تُو چاہتا کیا ہے؟" یاسف کہنے لگا۔

"چاہنا کیا ہے' چل کر اسے ختم کئے دیتے ہیں۔ جب وہ خبیث ہی زندہ نہیں رہے گا تو پھر اس کا کھینچا ہوا نادیدہ حصار بھی ختم ہو جائے گا۔" میں نے بلا جھجک کہہ دیا۔

"ہاں یہ ممکن تو ہے۔" یاسف بڑبڑایا۔ "لیکن شاید..... شاید اسے ختم کرنا آسان نہ ہو۔"

"کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"خود وہ بھی تو کسی حفاظتی حصار میں ہو سکتا ہے۔" یاسف نے خدشے کا اظہار کیا۔

"اب جو بھی ہو۔" میں اپنی بات پر اڑ گیا۔ "نرگس کو حاصل کرنے کے لئے اس مولوی سے ٹکر تو لینا ہی پڑے گی۔"

مجبوراً یاسف کو میرا ساتھ دینا پڑا۔ اس کے لئے میں نے یاسف کو یہ لالچ بھی دیا تھا کہ جس طرح سکھ لڑکی کلونت کور کو بعد میں یاسف کے حوالے کر دیا تھا' نرگس کو بھی اس کے لئے چھوڑ دوں گا۔ معاملہ کیونکہ ایک خطرناک آدمی سے نمٹنے کا تھا اس لئے میں نے یاسف کو بھی اپنے ساتھ رکھنا ضروری سمجھا تھا۔

مولوی کفایت اللہ ہمیں اسی حویلی کے ایک کمرے میں بے خبر سوتا ہوا مل گیا۔ معلوم نہیں اس وقت غصے کے زیر اثر مجھے کیا سوجھی کہ تیزی سے آگے بڑھ کر وہ چارپائی الٹ دی جس پر مولوی سویا ہوا تھا۔ یقیناً اس چارپائی کے گرد کوئی نادیدہ حصار قائم نہیں تھا ورنہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتا۔

فرش پر گرتے ہی مولوی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ میں مولوی پر حملہ کر پاتا' خلاف توقع وہ ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بلند آواز میں "یااللہ" کہا اور کچھ پڑھ کر تیزی کے ساتھ اپنے دائیں ہاتھ کو ایک بڑے دائرے کی صورت میں حرکت دی۔ ایسا کرتے ہوئے اس کی تین انگلیاں بند تھیں اور شہادت کی انگلی سیدھی ہماری طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹ ابھی تک حرکت میں تھے۔

مجھے خطرہ محسوس ہوا تو مولوی کی طرف جھپٹتے جھپٹتے رک گیا۔ یاسف کو بھی یقیناً کسی خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے ہٹنے سے میں نے یہ اندازہ لگایا۔ پھر میں اور یاسف ایک ساتھ مڑ کر دروازے کی طرف بھاگے تھے' مگر ہمیں دیر ہو چکی تھی۔

معاً مجھے یوں لگا جیسے کسی ٹھوس شے سے ٹکرا گیا ہوں۔ اسی کے ساتھ مجھے انتہائی سردی محسوس ہوئی' اتنی کہ میں کانپنے لگا۔ بالکل یہی حال یاسف کا بھی تھا۔ ہم دونوں ہی ایک سرخ حصار میں قید ہو چکے تھے۔ حصار کے اندر بلا کی ٹھنڈک تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا وجود جم کر رہ جائے گا۔

"کون ہو تم؟" ایک سخت آواز کمرے میں گونجی۔ "جواب دو کہ تم کس ارادے سے میری حویلی میں داخل ہوئے تھے؟"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

میں کانپتے ہوئے پلٹا۔ سامنے ہی کچھ فاصلے پر مولوی کفایت اللہ کھڑا تھا۔ شعلے برساتی ہوئی اس کی سرخ آنکھیں ہمی پر جمی ہوئی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہمارے وجود اس کے لئے نادیدہ نہ رہے ہوں' وہ ہمیں دیکھ رہا ہو۔ مجھے یاسف کا مشورہ یاد آ رہا تھا کہ مولوی کو چھیڑنا مناسب نہیں ہے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا' تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔

"بولو۔" مولوی نے ہمیں پھر مخاطب کیا۔ "اگر تم نے میرے سوالوں کے جواب نہیں دیئے تو تمہیں اسی حصار میں برف کی طرح جما دوں گا۔" پھر جب چند لمحے خاموش رہ کر دوبارہ بولا تو اس کی آواز میں قدرے نرمی آ چکی تھی۔ "اگر تم نے سچ بولا اور آئندہ کے لئے کوئی شرارت نہ کرنے کا وعدہ کر لیا تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔"

میں سردی کی اذیت برداشت کرنے کے باوجود سچ بولنے پر آمادہ نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا' اگر مولوی کو پتا چل گیا کہ ہم اس کی بیٹی کے چکر میں وہاں آئے تھے تو وہ ہمیں کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں نے اسی وجہ سے جھوٹ کا سہارا لیا۔

"مولانا! دراصل ہمارے پیچھے ایک خطرناک عفریت لگ گیا تھا۔ اسی سے چھپنے کے لئے ہم اس حویلی میں آ گئے کہ وہ ٹل جائے تو ہم بھی یہاں سے چلے جائیں۔" میں نے لجاجت کے ساتھ کہا۔

"اور تم نے اسی لئے حویلی میں گھس کر میری چارپائی الٹ دی۔" مولوی کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔ "تم اس طرح نہیں مانو گے۔" اس نے پھر کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی سردی میں اور شدت آ گئی۔

"نہیں مولانا!" اچانک یاسف چیخ اٹھا۔ "میرا کوئی قصور نہیں۔" وہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی خاطر کہنے لگا۔ "یقین کریں کہ میں تو صرف علیالیش کے ساتھ تھا۔ میں نے تو اس سے منع بھی کیا تھا کہ آپ کو چھیڑنا اچھا نہیں۔ آپ اس سے بھی پوچھ سکتے ہیں' میں نے یہ کہا تھا کہ نہیں۔"

"تو تیرے ساتھی کا نام علیالیش ہے اور تیرا نام کیا ہے؟" مولوی نے دریافت کیا۔

"یاسف۔" اس نے مردہ سی آواز میں بتایا۔

"تم دونوں ہی مجھے اہل ایمان میں سے لگتے ہو۔" مولوی کا انداز تصدیق طلب تھا۔

"جی ہاں' ہم مسلمان ہیں۔" یاسف ہی نے جواب دیا۔

"مگر شاید تم جنات کے اس گروہ سے ہو جو اب منافق و فاسق ہو چکا ہے۔ کس قبیلے سے تعلق ہے تمہارا؟"

"قبیلہ وہموش سے۔"

"تو اے قبیلہ وہموش کے گمراہ جنو! بتاؤ کہ کس نیت سے اس حویلی میں داخل ہوئے تھے؟ تم چاہے بظاہر ہی مسلمان سہی مگر یقین رکھو کہ اس محترم رشتے کے سبب میں تمہارے ساتھ رعایت کروں گا۔ میں تمہارا پہلا قصور معاف کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔" مولوی نے فراخ دلی کا ثبوت دیا۔

مولوی کی فراخ دلی کا مجھ پر تو کوئی اثر نہیں ہوا لیکن یاسف نے اپنی جان بچانے کی غرض سے زبان

کھول دی۔ اس کے سوا کہ وہ خود بھی اس معاملے میں بے قصور نہیں تھا' یاسف نے سب کچھ سچ سچ بیان کر دیا' یہ بھی کہ میرا ارادہ اس کی بیٹی کو اٹھا کر لے جانے کا تھا۔ اس نے سارا الزام مجھ پر ڈال دیا تھا۔ یاسف نے مولوی کو یہ تک بتا دیا تھا کہ پہلے بھی کئی آدم زادیاں میرے تصرف میں رہ چکی ہیں۔ خود وہ مولوی کے سامنے بھولا اور نیک بن گیا تھا۔ میرا جی چاہا کہ اس موقع پر یاسف کا بھانڈا بھی پھوڑ دوں لیکن مجھے یہ بات لاحاصل معلوم ہوئی۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ مولوی ہم دونوں ہی کو بدکار سمجھ لیتا' میں تو پھر بھی بے گناہ ثابت نہ ہوتا۔

"اے بدبخت و بدکردار علیالیش! کاش میں نے تیرا پہلا قصور معاف کرنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا۔" مولوی کفایت اللہ کے لہجے میں اظہار تاسف ہو رہا تھا۔ یاسف سے اس نے جو کچھ سنا تھا' ظاہر ہے اسے سن کر تلملا کر رہ گیا ہو گا۔ "تُو نے میری معصوم اور پھول سی بچی پر نیت خراب کی۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ زنا کی سزا کیا ہے؟"

"مولانا! میں سخت شرمندہ ہوں' خدا کے لئے مجھے معاف کر دیجئے۔" میں نے مصلحت کے تحت عاجزی سے کام لیا کہ وہ کسی بہانے اپنے وعدے سے نہ پھر جائے۔ اس کا غصہ صرف مجھ پر تھا۔ میں ہی اس کا ہدف بنا ہوا تھا۔ یہ سوچ کر میں نے یاسف کو بھی نہیں بخشا اور بولا۔ "مولانا! میرا ساتھی بھی اتنا ہی قصوروار ہے جتنا میں ہوں۔ خود کو آپ کی نظر میں نیک ظاہر کرنے کے لئے یہ دروغ گوئی سے کام لے رہا ہے۔ میں جب یہاں آیا تو یہ پہلے موجود تھا۔ اس سے آپ قسم لے کر پوچھ لیجئے۔"

"تم دونوں ہی مجھے لعنتی لگتے ہو۔ یاد رکھو کہ اب اگر تم دونوں میں سے کسی نے ادھر کا رخ کیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" مولوی نے سخت غصے کے عالم میں کہا۔ "جاؤ بدبختو' میں اپنے وعدے کے مطابق تمہیں آزاد کرتا ہوں کہ وعدہ خلافی اللہ کو پسند نہیں۔" یہ کہتے ہی مولوی نے کچھ پڑھ کر اپنے دائیں ہاتھ کو الٹی گردش دی۔ اسی کے ساتھ وہ سرخ حصار غائب ہو گیا جس میں اس نے مجھے اور یاسف کو قید کر رکھا تھا۔

اب وہاں مزید ایک لمحے بھی رکنا خطرناک تھا کہ کیا خبر مولوی کا ارادہ کب بدل جاتا۔ میں اور یاسف' مولوی کی حویلی سے اس طرح بھاگے جیسے موت کا فرشتہ ہمارے تعاقب میں ہو۔ اس کے بعد جہانگیر کے مقبرے پہنچ کر ہی ہم نے دم لیا۔ وہاں سے بچ کر نکل آنے کے باوجود مجھ پر ابھی تک خوف طاری تھا۔ یہ آدمی بھی کتنی خطرناک شے ہے۔ میرے خیال میں یہ اچھا نہیں ہوا تھا کہ مولوی کو میرے نام کا پتا چل گیا تھا۔ مجھے نقصان پہنچانے یا اپنا غلام بنانے کے لئے وہ کوئی عمل کر سکتا تھا۔ پھر چند روز خیریت سے گزر گئے تو میرا خوف ختم ہو گیا۔

کچھ دنوں یاسف اور میں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے رہے' مگر پھر ایک ہو گئے۔ عموماً ہمارا موضوع گفتگو نرگس ہی ہوتی تھی۔ ہم دونوں ہی اس سراپا قیامت کو نہیں بھول سکے تھے۔ وہ ایسی تھی بھی نہیں کہ اسے آسانی سے بھلا دیا جاتا۔ ہرچند کہ اس کی وجہ سے ہم دونوں موت کے منہ میں جاتے جاتے بچے تھے پھر بھی ہم نے اس کی یاد کو سرمایہ جاں بنا رکھا تھا۔ اس معاملے میں یاسف میرا رقیب تھا

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

لیکن یہ رقابت رفتہ رفتہ یگانگت میں بدل گئی تھی۔ اس کا اور میرا دکھ بھی تو ایک ہی تھا۔ مولوی کفایت اللہ سے انتقام لینے کا خیال بھی بار بار آتا تھا اس لئے کہ پہلے کبھی کسی آدم زاد کے ہاتھوں میری ایسی تذلیل نہیں ہوئی تھی۔ ایک روز اپنے اسی خیال کا اظہار میں نے یاسف سے بھی کر دیا۔

"اے علیالیش! کیا تجھے اپنی زندگی عزیز نہیں جو ایسی بات سوچتا ہے؟" یاسف خوفزدہ آواز میں بولا۔ "کیا تُو بھول گیا کہ وہ کتنا خطرناک آدمی ہے؟"

"ہاں معلوم ہے مجھے۔" میں نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"اگر معلوم ہے تو پھر انتقام کو بھول جا۔"

"یہ ممکن ہوتا تو میں تجھ سے اس کا ذکر ہی کیوں چھیڑتا اور کچھ نہیں تو ہم اسے مالی نقصان ضرور پہنچا سکتے ہیں۔" میں کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"وہ کیسے؟" یاسف نے پوچھا۔

"اس کی دکان میں آگ لگا کر۔" میں نے پہلے سے سوچا ہوا جواب دیا۔ "اسے کیا پتا چلے گا کہ آگ کس نے لگائی۔"

"اور اگر اسے کسی طرح معلوم ہو گیا تو؟" یاسف اب بھی ڈرا ہوا تھا۔

"اوّل تو اسے کچھ خبر ہی نہ ہو گی' فرض کرو اسے خبر ہو بھی گئی تو ہم کچھ عرصے کے لئے یہ شہر ہی چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔ پھر وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ہم اس کے ساتھ ہی نہیں آئیں گے اور نہ ادھر جائیں گے۔" میں' یاسف کو ہموار کرنے کی خاطر کہنے لگا۔ "پھر موقع دیکھ کر ہم نرگس کا دیدار بھی کر سکتے ہیں' مولوی تو دکان کے چکر میں پھنسا ہو گا۔"

"میں تو ہرگز اب مولوی کی حویلی میں نہیں جاؤں گا۔" یاسف نے صاف انکار کر دیا۔ "پھر یہ بتا کہ اس کی دکان جلانے سے ہمیں کیا فائدہ؟"

"فائدہ تو ہے۔ اس کی دکان کو آگ لگا کر ہمارے جذبہ انتقام کو سکون مل جائے گا۔" میں بولا۔

"اور بہت دن سے اس ظالم کو بھی نہیں دیکھا۔ کیا کہتا ہے چلیں آج ہی؟"

"قطعی نہیں۔ تُو شاید بھول گیا کہ مولوی نے کیا کہا تھا؟"

"سب یاد ہے۔ میں نے اس کی ایک تدبیر سوچ لی ہے۔ ہم ایسے وقت چلیں گے جب مولوی حویلی میں نہ ہو۔" یہ کہتے ہوئے مجھے ایک اور خیال آیا۔ "سن' وہ حفاظتی نادیدہ حصار تو مولوی رات کے وقت کھینچتا ہو گا جب نرگس سو جاتی ہو گی۔ سونے سے پہلے تو نرگس کے گرد حصار کھنچا نہیں رہتا ہو گا۔"

"تو پھر آخر تُو کیا کہنا چاہتا ہے؟" یاسف نے معلوم کیا۔

"دیکھ اے یاسف! ہم اگر ذرا سی ہمت سے کام لیں تو نرگس کو اٹھا کر لا سکتے ہیں۔" میں نے پُرجوش آواز میں کہا۔

"لگتا ہے اے علیالیش! کہ نرگس کے عشق اور اس کے قرب کی آرزو نے تجھے پاگل کر دیا ہے۔ میرے دوست! مولوی کفایت اللہ کی حویلی میں داخل ہونے کا مطلب یقینی موت ہے اور میں ابھی مرنا

نہیں چاہتا' نہ تجھے مرنے کے لئے وہاں جانے دوں گا۔" یاسف میری بات سن کر بولا۔

"تُو میری بات سمجھ ہی نہیں رہا اے یاسف! خطرہ تو اس وقت ہو گا جب مولوی کفایت اللہ حویلی میں موجود ہو۔" میں نے بحث کی اور اسے سمجھانے لگا۔ "ہر وقت تو وہ حویلی میں نہیں رہتا' دکان پر بھی تو جاتا ہے۔ اس سے قطع نظر ایک وقت تو مجھے ایسا معلوم ہے کہ جب وہ یقینی طور پر حویلی سے باہر ہوتا ہے۔ مغرب کی نماز وہ بادشاہی مسجد میں پڑھتا ہے۔ بھائی دروازے سے بادشاہی مسجد جانے' نماز پڑھنے اور پھر واپس آنے میں ظاہر ہے اسے خاصا وقت لگتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ اس دوران میں کام دکھایا جا سکتا ہے۔" یاسف کا لہجہ اب امید افزا تھا۔

"ہاں اور کیا' بالکل۔" میں جلدی سے بول اٹھا۔

یاسف کی سمجھ میں آخر میری بات آ ہی گئی۔ وہ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا' مگر اس کے باوجود کہنے لگا۔ "میں تیرے ساتھ حویلی کے اندر نہیں جاؤں گا۔ میں باہر ہی رہوں گا۔ حویلی میں تُو اکیلا ہی جائے گا۔ میں اسی شرط پر تیرے ساتھ چل سکتا ہوں۔ پھر یہ کہ باہر رہ کر میں تجھے کسی ممکنہ خطرے سے بھی آگاہ کر سکتا ہوں۔"

"اچھا' تُو چل تو سہی۔" میں خوش ہو گیا۔

مغرب کا وقت ہونے ہی والا تھا جب میں اور یاسف' بھائی دروازے پہنچ گئے۔ دور ہی سے میں نے مولوی کفایت اللہ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ حویلی سے باہر نکل رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت اپنے معمول کے مطابق بادشاہی مسجد ہی جا سکتا تھا۔ میدان صاف ہوتے ہی ہم دونوں تیزی سے حویلی کی طرف بڑھے۔ پھر یاسف تو باہر ہی رک گیا اور میں اندر داخل ہو گیا۔

نرگس آج بھی حویلی کی چھت پر تھی۔ پڑوس کے مکان کی چھت' حویلی کی چھت سے ملی ہوئی تھی۔ اس طرف جو دیوار تھی' وہ زیادہ اونچی نہیں تھی۔ نرگس اسی دیوار کے قریب کھڑی ہوئی اپنی ہی عمر کی ایک لڑکی سے بات کر رہی تھی۔ وہ لڑکی بس واجبی شکل و صورت کی تھی۔

"اقبال بھائی نے کہلوایا ہے کہ انہیں جلد نوکری ملنے والی ہے۔" لڑکی' نرگس سے کہہ رہی تھی۔ "انہوں نے میرے ذریعے تم سے معلوم کرایا ہے کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو وہ امی کو رشتہ لے کر تمہارے گھر بھیج دیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے تمہارا جواب منگوایا ہے۔"

لڑکی کی بات سن کر نرگس کے چہرے پر حیا کی سرخی پھیل گئی۔ اس لمحے مجھ پر ایک قیامت گزر گئی۔ میں نے سوچا' تو میری محبت کسی اور کی ہونے والی ہے؟ میں تو اب تک نرگس کے معاملے میں یاسف ہی کو اپنا رقیب سمجھتا آیا تھا' یہ معلوم نہیں تھا کہ اصل رقیب کوئی اور تھا' ایک آدم زاد۔ اس ذکر پر نرگس کے شرما جانے کا مطلب بھی میرے لئے سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ وہ بھی یقیناً اقبال کو چاہتی ہو گی۔ میرے لئے یہ بات اور بھی رنج میں مبتلا کر دینے والی تھی کہ میری محبوبہ کا منظورِ نظر کوئی اور تھا۔

نرگس کو خاموش دیکھ کر وہ لڑکی پھر بولی۔ "تو پھر میں تمہاری طرف سے ہاں سمجھوں؟"

کچھ کہے بغیر نرگس نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"سنو' اقبال بھائی نے یہ بھی کہلوایا ہے کہ آج رات کو جب سب سو جائیں تو تم چھت پر آ جانا۔ وہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔" لڑکی نے مزید کہا۔

"مم ..... مگر کسی ..... کسی نے دیکھ ..... دیکھ لیا تو ..... تو غضب ہو جائے گا۔"

نرگس اس بات پر کچھ گھبرا سی گئی۔ "ان ..... ان سے کہنا کہ ..... کہ ایک دن اور ..... صبر کر لیں۔ کل امی اور ابو ایک عزیز کی شادی میں جائیں گے۔ میں ..... میں طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کر کے رک جاؤں گی۔"

"لیکن وہ ..... وہ تمہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں؟" لڑکی حیرت سے بولی۔

"کبھی جب ایسا ہوتا ہے تو وہ وحیدن بوا کو میرے پاس چھوڑ جاتے ہیں۔" نرگس نے بتایا۔ "وہی وحیدن بوا جو بیوہ ہو گئی ہیں۔ دو گھر چھوڑ کر ہی تو وہ رہتی ہیں۔ تم نے انہیں دیکھا ہو گا۔ نیند کی بڑی کچی ہیں وہ۔ ادھر انہوں نے عشاء کی نماز پڑھی ادھر جھونکے لینا شروع کر دیئے۔ کبھی کبھی تو اللہ کی بندی نماز پڑھتے ہوئے سجدے ہی میں سو جاتی ہیں۔"

"ہاں میں جانتی ہوں' وحیدن بوا کو۔ میری امی بھی ان کی مدد کرتی رہتی ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں اقبال بھائی سے کل کے لئے کہہ دوں گی۔" وہ لڑکی جانے کے لئے مڑ گئی۔

اس لڑکی کے جاتے ہی میں تیزی سے نرگس کی طرف بڑھا۔ نرگس نے تیز تیز اور جلدی جلدی سانس لے کر اِدھر اُدھر دیکھا جیسے کچھ سونگھنے اور دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ زیر لب کچھ پڑھنے لگی۔ ابھی میں اس کے قریب نہیں پہنچ سکا تھا کہ مجھے جھٹکا سا لگا اور میرا دم گھٹنے لگا۔ نرگس کے ابھرے ابھرے خوبصورت ہونٹ تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ نرگس کو کسی طرح وہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا ہے۔ مجبوراً مجھے ناکام لوٹنا پڑا۔

واپسی میں یاسف نے مجھ سے ناکام لوٹنے کی وجہ پوچھی تو میں نے کہا۔ "اس کمبخت مولوی نے یقیناً اپنی بیٹی کو کچھ ایسی نشانیاں بتا رکھی ہیں کہ اسے اپنے قریب جنات کی موجودگی کا علم ہو جائے' اسی کے ساتھ کوئی ایسا وظیفہ بھی لازماً بتایا ہے جس کے پڑھنے سے جنات قریب نہ آ سکیں۔" اس کے بعد یاسف کو میں نے آگاہ کر دیا کہ نرگس نے جو وظیفہ پڑھا تھا' اس سے میری کیا حالت ہو گئی تھی۔ اپنی بات پوری کر کے میں مزید بولا۔ "یہ مولوی تو جان کا عذاب ہو گیا ہے' ظالم ہمارا کوئی وار کارگر ہی نہیں ہونے دیتا۔ اب اسے سبق دینا بہت ضروری ہو گیا ہے۔" میری آواز میں مولوی کفایت اللہ کے لئے غصہ بھی تھا اور شدید نفرت بھی۔ میرے اور نرگس کے درمیان وہ ایک ایسی دیوار بن گیا تھا جسے گرانا مشکل ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے کبھی کسی آدم زادی کے حصول میں مجھے اتنی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

میں اسی رات کو یاسف کے ساتھ انارکلی بازار پہنچا۔ بازار بند ہو چکا تھا۔ یاسف نے مجھے بہت سمجھایا' بڑی کوشش کی کہ میں' مولوی کفایت اللہ جیسے خطرناک آدمی کے خلاف انتقامی کارروائی سے گریز کروں' مگر میں بے انتہا جلا ہوا تھا۔ میں نے اسی لئے یاسف کی بات نہیں مانی اور مولوی کفایت اللہ کی دکان میں آگ لگا دی۔ آگ اتنی زبردست لگی کہ آس پاس موجود دکانوں کے جلنے کا خطرہ بھی پیدا ہو گیا۔

یاسف نے مجھے اس خطرے سے آگاہ کیا۔ ظاہر ہے دوسرے دکان داروں سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی اس لئے میں نے آگ کو پھیلنے سے روک دیا۔ مولوی کفایت اللہ کی دکان میں جتنا بھی کپڑا تھا' جل کر خاک ہو گیا۔ اس سے میرے جذبہ انتقام کو بڑی تسکین ملی۔ کسی بھی طرح سہی میں' مولوی کفایت اللہ کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مالی نقصان بھی بہرحال آدمی کو صدمے ہی سے دوچار کرتا ہے۔

دوسرے دن صبح ان تماشائیوں میں خود میں بھی شامل تھا جو مولوی کفایت اللہ کی جلی ہوئی دکان کے سامنے جمع ہو گئے تھے۔ توقع کے مطابق مولوی کے چہرے سے انتہائی رنج و ملال کا اظہار ہو رہا تھا۔ دکان کے ملازمین اندر گھس کر اس ملبے میں بغیر جلا کپڑے کا کوئی تھان تلاش کر رہے تھے' مگر انہیں ناکامی ہوئی۔

ہر زبان پر بس ایک ہی سوال تھا کہ دکان میں آگ کیسے لگی؟ پھر کسی کو یہ خیال بھی آ گیا کہ اتنی زبردست آگ لگنے کے باوجود کہ ساری دکان جل کر راکھ ہو گئی' آس پاس کی دکانیں کس طرح محفوظ رہ گئیں؟ یہ خیال مولوی کفایت اللہ کے کسی ہمدرد کے ذہن میں آیا تھا اور اس نے اپنے خیال کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ حیرت مجھے اس پر تھی کہ مولوی کا وہ حمایتی ایک ہندو تھا۔ اس کے لباس سے یہ بات عیاں تھی۔ اس کی دکان بھی وہیں قریب ہی تھی۔

"اس سوال سے آپ کا کیا مطلب ہے پنڈت جی!" سوال کرنے والے ہندو سے ایک پستہ قد شخص مخاطب ہوا۔

"مطلب صاف ہے۔ مولوی صاحب ہی کی دکان کیوں جلی' تمہاری دکان جلنے سے کیسے بچ گئی؟ گیان چند!"

"تو کیا آپ مولوی صاحب کی دکان جلنے کا الزام مجھ پر لگا رہے ہیں؟ مولوی صاحب کی دکان کے برابر دوسری طرف رحمان بھائی کی دکان بھی تو ہے' وہ بھی تو نہیں جلی۔"

"دیکھو بھئی! تم لوگ مجھے اس جھگڑے میں نہ گھسیٹنا!" گٹھے ہوئے جسم کا ایک اور باریش آدمی بول اٹھا۔ اسی کا نام رحمان تھا۔ "مولانا سے میرے برسوں پرانے مراسم ہیں۔"

"کیا ہم سے دشمنی ہے مولوی صاحب کی؟" پستہ قد گیان چند کہنے لگا۔

لوگوں کے درمیان "تیز تازی" ہوتی رہی۔ لوگ بہرحال رحمان اور گیان چند ہی پر شک کر رہے تھے۔ مولوی کفایت اللہ کچھ نہ بولا۔ اس کی حالت قابل دید تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی رو دے گا۔ لوگوں کو کیا خبر تھی کہ اس مولوی نے ایک جن سے دشمنی مول لی تھی اور یہ دشمنی اسے مہنگی پڑی تھی۔ پھر میں وہاں زیادہ دیر نہیں رکا اور چلا آیا۔ میں نے یہ بات یاسف کو نہیں بتائی تھی کہ کسی نوجوان آدم زادے سے نرگس کا رشتہ طے ہونے والا ہے۔ گزشتہ رات ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ نرگس کا قرب حاصل کرنے کے لئے اب مجھے کیا کرنا ہے۔ یہ ایک خطرناک قدم تھا' مگر نرگس تک پہنچنے کا اب اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ میں ہر قیمت پر نرگس کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔

جنات کی مختلف صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ حسب منشا فرشتوں کی طرح ہر

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی بھی انسان یا حیوان کے قالب میں داخل ہونا بھی جنات کے لئے مشکل نہیں' یعنی جنات کسی بھی انسان یا حیوان کا روپ دھار سکتے ہیں۔ ایک جن زاد ہونے کے باوجود کبھی خود میں نے اس کا تجربہ نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے اپنے بزرگوں سے جو باتیں اس سلسلے میں سنی تھیں' ان کی روشنی میں ایسا کرنا کبھی کبھی انتہائی خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ نادیدہ ہونے پر بھی اگر جن کسی قالب (جسم) میں ہو تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے' خواہ وہ قالب انسانی ہو یا حیوانی۔ بزرگ جنات اسی لئے یہ تاکید کرتے رہتے ہیں کہ جنات کو کسی انسان یا حیوان کے جسم میں داخل ہونے سے گریز کرنا چاہئے۔ اس میں ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ کسی جسم میں داخل ہونے کے بعد جنات پر اس جسم کی صفات غالب آ جاتی ہیں۔ پھر جب تک جن اس جسم کے اندر رہتا ہے' اس کی اپنی صفات اور قوتیں تقریباً سلب ہو جاتی ہیں۔ جناتی صفات اسے اس وقت واپس ملتی ہیں جب وہ انسانی یا حیوانی جسم سے باہر آ جاتا ہے۔

میں نے سوچا تھا کہ اگر میں' نرگس کے محبوب اقبال کے جسم میں داخل ہو جاؤں تو اس کا قرب حاصل کرنا میرے لئے مشکل نہیں رہے گا۔ نرگس کے حصول کی خاطر میں یہ خطرہ مول لینے پر تیار ہو گیا تھا۔ نرگس آج ہی رات اقبال سے ملنے والی تھی۔ اقبال سے ملتے ہوئے یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ آتی کہ وہ اپنے محبوب سے نہیں' کسی غیر انسانی وجود سے مل رہی ہے۔ نرگس کے رویے سے میں نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ وہ اقبال سے محبت کرتی ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ بحیثیت اقبال' نرگس سے پہلی ہی ملاقات میں اس کا قرب حاصل کر لوں گا۔

اقبال کا جسم اپنانے سے پہلے میں نے اسی روز اس کے بارے میں تمام ضروری معلومات حاصل کر لیں۔

اقبال خوبصورت' وجیہہ اور پرکشش نوجوان تھا۔ صنف نازک کے لئے اس میں بلا کی کشش تھی۔ وہ تعلیم یافتہ بھی تھا۔ حال ہی میں اس نے ایف اے کیا تھا۔ اس کا باپ اسے مزید پڑھانے کی بجائے کہیں نوکر کرانا چاہتا تھا۔ تمام تر خوبیوں کے باوجود اقبال میں میرے حساب سے ایک بڑی خرابی اس کا مضبوط کردار تھا۔ اس کے دامن پر اب تک کوئی داغ نہیں تھا۔ مواقع ملنے کے باوجود اقبال حدود سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ جسے وہ اپنی شرافت نفس سمجھتا تھا' میری نظر میں کمزوری تھی۔ یہ بات مجھے کچھ ناگوار سی محسوس ہوئی۔ اس کی پارسائی میرے لئے مشکلات پیدا کر سکتی تھی لیکن نرگس کی آرزو نے مجھے اقبال کی یہ "حماقت" قبول کرنے پر بھی آمادہ کر لیا۔ میں نے سوچا' اس کا جسم تو میرے قابو میں ہو گا' اسے اپنے حکم پر چلاؤں گا۔ جس لڑکی کو میں نے نرگس سے بات کرتے دیکھا تھا' وہ اقبال کی چھوٹی بہن شہناز تھی۔ وہ بس معمولی سی شکل وصورت کی لڑکی تھی' ایسی ہرگز نہیں کہ اس کے حصول کی خواہش پیدا ہو۔ شہناز کو قبول صورت بھی کہنا مشکل تھا۔ اقبال سے بڑے دو بھائی اور تھے' شہناز اس سے چھوٹی تھی۔

اس روز اقبال کے متعلق تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد میں اس کے جسم میں داخل ہو گیا۔ یہ تجربہ میرے لئے نیا ہونے کے باوجود بے حد سنسنی خیز تھا۔ ابتدا میں کچھ دیر مجھے گھٹن کا سا احساس ہوا

جیسے کہیں قید کر دیا گیا ہوں۔ حالانکہ یہ قید خود اختیاری تھی پھر بھی میں گھبرا گیا۔ میں سوچنے لگا کہ اقبال کے جسم سے باہر نکل آؤں لیکن نرگس کے تصور نے مجھے ایسا نہ کرنے دیا۔ وہی جسم تو نرگس کے حصول کا ذریعہ بننے والا تھا۔ تقریباً گھنٹے بھر مجھے یہ اذیت برداشت کرنا پڑی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس تنگ جگہ میں رہنا میرے لئے ممکن نہیں ہو گا۔ اگر نرگس کا خیال نہ ہوتا تو میں اس دوران اقبال کے جسم سے باہر آ جاتا۔ پھر یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مجھے اس جسم میں قرار آنے لگا اور میری بے چینی ختم ہوتی گئی۔ میں نے اس سلسلے میں انتہائی رازداری سے کام لیا تھا اور کسی کو بھی اپنے ارادے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ میرا قریبی دوست یاسف بھی اس معاملے میں بے خبر تھا۔

اقبال تو نرگس کو اپنانے کے خواب دیکھ رہا تھا مگر اس کا باپ افضل کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ یہ بات مجھے اسی روز معلوم ہوئی۔ بعد مغرب کے ایک بوڑھا شخص گھر میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر چھوٹی سی داڑھی تھی۔ یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ اس بوڑھے کی ہر چیز ہی چھوٹی تھی۔ چھوٹی آنکھیں' چھوٹا ماتھا' چھوٹی ناک' چھوٹا قد اور چھوٹا سا جسم۔ اس پر نام بھی چھوٹے خان تھا۔ وہ شخص' اقبال کی ذات برادری ہی کا تھا۔ کسی دور کے رشتے سے افضل کا ماموں زاد یا پھر خالہ زاد ہوتا تھا۔ اقبال اسے چھوٹے چچا کہتا تھا۔ اس رشتے سے وہ مختصر سا وجود گویا میرا بھی چچا بن گیا تھا۔ اب اقبال کا جسم اپنانے کے بعد اقبال کے سارے رشتے دار میرے ہی رشتے دار تھے۔

چھوٹے خان ایک سرکاری دفتر میں انگریز افسر کا چپڑاسی تھا۔ اسی کی سفارش پر اقبال کو نوکری ملنے والی تھی۔ اس کے عوض چھوٹے خان اپنی بیٹی پروین کی شادی اقبال سے کرنے کا آرزومند تھا یعنی اس ہاتھ لے' اس ہاتھ دے۔ اقبال کے باپ افضل نے اس شرط پر یہ بات مان لی تھی کہ جب دونوں بڑے بیٹوں کی شادیاں ہو جائیں گی تو یہ بیل منڈھے چڑھے گی۔ چھوٹے خان نے شرط قبول کر لی اور یوں اس کی بیٹی کے لئے "ایڈوانس بکنگ" ہو گئی۔ کنبے اور قریبی خاندانوں کی لڑکیاں دیکھی بھالی ہوتی ہیں۔ چھوٹے خان کی بیٹی پروین کو بھی اقبال کے والدین نے دیکھا تھا۔ اس لئے لڑکی دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ یوں بھی لڑکی لڑکے کو دیکھنے سے زیادہ خاندان دیکھے جاتے تھے۔

چھوٹے خان لوہاری دروازے میں رہتا تھا۔ اس وقت وہ یہ بتانے آیا تھا کہ اپنے انگریز افسر سے بات کر لی ہے' کل صبح اقبال کو اس کے ساتھ جانا تھا۔

یوں بھی افضل کے لئے یہ رشتہ چپڑی اور دو دو والی بات تھی' رشتہ بھی مل رہا تھا اور نوکری بھی۔ پھر وہ کیسے انکار کر دیتا۔ گویا اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں تھا۔ رہا میرا معاملہ تو اقبال کی ہر الا بلا اب مجھی کو بھگتنا تھی۔

انسانوں کے درمیان ایک انسانی جسم میں رہنے کا میرا یہ پہلا تجربہ تھا جو ابتدا ہی میں بڑا سنسنی خیز ثابت ہو رہا تھا۔ مجھ سے پہلے شاید ہی جنات میں سے کوئی سرکاری محکمے میں رہا ہو۔ مجھے یہ سب کچھ عجیب لگنے کے ساتھ ساتھ بہت دلچسپ اور اچھا لگ رہا تھا' ایک جن اور سرکاری نوکر۔

اس رات جب گھر میں ہر طرف "چھم چھام" ہو گئی تو میں خاموشی کے ساتھ اٹھ کر چھت پر پہنچ

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

گیا۔ اوپر پہنچتے ہی میں نے برابر والی چھت کا جھک کر جائزہ لیا تو وہ ابھی خالی تھی۔ نرگس ابھی چھت پر نہیں آئی تھی۔ میں بے چینی سے اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ طویل عرصے صبر کرنے کے بعد آج رات میرے ارمان پورے ہونے والے تھے۔ آنے والے حسین لمحات کے تصور ہی سے میرے وجود میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ قرب کے زاویے ابھی سے میرے تصور میں رنگ بھر رہے تھے۔

خاصی دیر انتظار کرنے کے بعد برابر والی چھت پر میں نے قدموں کی چاپ سنی تو چونک اٹھا۔ وہ سراپا ناز و ادا چھت پر آ گئی تھی۔

"تمہیں جو کچھ کہنا ہے' جلدی سے کہہ دو۔" وہ تیزی سے دیوار کے قریب آ کر بولی۔

"آخر ایسی بھی کیا جلدی ہے؟" میں نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"مجھے فوراً واپس جانا ہے۔" اس نے پہلے ہی کی طرح جلدی سے بتایا۔ معلوم نہیں کیوں وہ گھبرائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"لیکن جلدی کیوں جانا ہے؟" میں نے معلوم کیا۔ "آج تو اتنے دن بعد تم سے ملنے کا موقع ملا ہے۔"

"وحیدن بوا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' انہیں بار بار کھانسی اٹھ رہی ہے۔ اگر ان کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے میری چارپائی خالی دیکھی تو غضب ہو جائے گا۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔" نرگس نے جلدی واپس جانے کی وجہ بتائی۔

مجھے اس بیوہ بڑھیا پر بہت غصہ آیا۔ میرے اور نرگس کے درمیان آج کوئی رکاوٹ نہیں تھی تو وہ بڑھیا دیوار بن گئی تھی۔ خدا غارت کرے اس ملعون بڑھیا کو۔ میں نے دل ہی دل میں کہا' پھر غصہ پی کر نرگس کو مخاطب کیا۔ "تم خواہ مخواہ ڈر رہی ہو' کوئی غضب نہیں ہو گا۔ آج نہیں تو کل تمہیں ہمیشہ کے لئے میرا ہی ہونا ہے۔ پھر کیا ڈرنا؟"

"مرد ذات کا کچھ نہیں جاتا لیکن عورت ایک دفعہ بدنام ہو جائے تو پھر کہیں کی نہیں رہتی۔" نرگس اداس لہجے میں کہنے لگی۔

میں نے سوچا کہ یہ قیمتی وقت باتوں میں ضائع کرنے کے لئے نہیں ہے۔ میرے اور نرگس کے درمیان ہجر کی جو دیوار حائل تھی' میں اسے گرا کر آج ہی دیارِ وصل میں پہلا قدم رکھ دینا چاہتا تھا۔ پھر تو آئندہ کے لئے بھی راستہ کھل جاتا۔ نرگس تو ایک ایسی گھٹا تھی کہ میرے وجود کے صحرا پر ہزار بار برستی رہتی پھر بھی تشنگی شاید کم نہ ہوتی۔ اس لمحے مجھے پہلی مرتبہ ایک عجیب سا تجربہ ہوا۔ مجھ پر اقبال کی فطری پارسائی غالب آنے لگی۔ میرے ذہن میں نہ جانے کہاں سے یہ خیال آ گیا کہ ایسا کرنا سخت گناہ ہے اور اس گناہ کی بڑی سزا ہے۔ پھر یہ کہ میں اس حالت میں پکڑا گیا تو بڑی رسوائی ہو گی۔ طرح طرح کے وسوسوں اور اندیشوں نے مجھے گھیر لیا۔ بمشکل میں نے اپنے ذہن سے ان خیالات کو جھٹکا۔ خود پر قابو پاتے ہی میں دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا۔

"ارے ارے۔" نرگس بوکھلا گئی۔ اسے یقیناً مجھ سے ایسی "غیر اخلاقی" حرکت کی توقع نہیں رہی

ہو گی۔ "شریف شرفا" قسم کے نوجوان کسی ماہ رو کی خاطر یوں دیواریں نہیں پھاندتے اور نہ دوسروں کے گھروں میں کودتے ہیں۔ اقبال نے شاید کبھی ایسا نہیں کیا ہو گا۔ نرگس خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"تم ..... تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ تیزی سے آگے بڑھ کر میں نے نرگس کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

وہ کسمسانے لگی اور پھر مچلتے ہوئے بولی۔ "چھوڑ دو مجھے ..... چھوڑ دو....."

"نن ..... نہیں اقبال! یہ ..... شادی سے پہلے ..... نہیں ..... یہ گناہ ہے۔" نرگس رک رک کر بولی۔

عین اسی وقت نیچے صحن سے ایک نسوانی آواز بلند ہوئی۔ "نرگس بٹی! اے نرگس بٹی! ارے کہاں ہو تم؟"

"یہ ..... یہ وحیدن بوا کی آواز ہے۔ وہ جاگ گئیں۔" یہ کہتے ہی نرگس تڑپ کر میری آغوش سے نکل گئی۔ معلوم نہیں اس وقت نرگس کے جسم میں کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی۔ شاید ممکنہ ذلت و رسوائی کے خیال نے اس کے جسم میں اتنی طاقت بھر دی تھی۔ پھر وہ بلند آواز میں بولی۔ "آئی وحیدن بوا!"

پھر میں نے دیکھا' نرگس اپنا بے ترتیب لباس درست کرتی ہوئی نیچے جانے والے زینے کی طرف بھاگی۔ خواہش کے باوجود میں اسے روک نہیں سکا۔

اس بڑھیا وحیدن کو میں کوسنے لگا جس نے عین وقت پر بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا تھا۔ جی چاہ رہا تھا' ابھی نیچے جا کر اس کمبخت کی گردن دبا دوں۔

کچھ ہی دیر کے بعد نیچے سے بڑھیا کی حیرت زدہ آواز آئی۔ "ارے بٹی! اس وقت چھت پر....."

"وہ بوا! میرا ایک بُندا گر گیا تھا' اسے دیکھنے گئی تھی چھت پر' بُندا مل گیا۔" نرگس نے بات بنائی۔ بڑھیا کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھی۔

"اندھیرے میں بُندا مل گیا..... حیرت ہے۔" بڑھیا بڑبڑائی' پھر کہنے لگی۔ "مگر تم تو سو گئی تھیں بٹی!"

"سوئی نہیں تھی' بس یونہی آنکھیں بند کر کے پڑی تھی بوا! بار بار مجھے بُندے کا خیال آ رہا تھا کہ امی نے پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گی۔ پھر خیال آیا کہ شام کو میں چھت پر گئی تھی' وہیں بُندا گر گیا ہو گا۔" نرگس کی آواز دور ہوتی گئی۔ پھر معلوم نہیں اس نے بڑھیا کو کیسے مطمئن کیا۔

چھت پر میرا کھڑا رہنا اب فضول ہی تھا اس لئے دوبارہ دیوار پھلانگ کر برابر والی چھت پر آ گیا اور پھر نیچے گھر میں پہنچ گیا۔

اس رات مجھے دیر تک نیند نہیں آئی کیونکہ میرے جذبات بھڑک اٹھے تھے۔ میری حالت کسی

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ایسے شخص کی سی تھی جو انتہائی پیاسا ہو اور ٹھنڈا میٹھا پانی اس کے سامنے لا کر ہٹا لیا گیا ہو۔ میں نے خود کو دلاسا دیا کہ آج رات نہیں تو پھر کسی رات مجھے اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کا موقع مل ہی جائے گا۔ نرگس مجھ سے دور ہی کتنی تھی۔ میں نے اس تک پہنچنے کی راہ ہموار کر لی تھی' اس کے علاوہ پیش قدمی کر کے آئندہ مزید آگے بڑھنے کے امکانات پیدا کر لئے تھے۔ جہاں تک میں نے پیش قدمی کی تھی' وہاں سے میری منزل بس ایک ہی قدم تو آگے تھی۔ مجھے یقین تھا کہ نرگس سے اگلی ملاقات میں یہ فاصلہ عبور کرتے ہوئے مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ مجھے یہ سوچ کر بھی عجیب سی مسرت کا احساس ہو رہا تھا کہ نرگس اصل صورت حال سے قطعی لاعلم تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہو گی کہ اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لینے والا اقبال نہیں کوئی اور تھا' ایک غیر انسانی وجود' آدم زاد نہیں جن زاد۔

☆======☆======☆

دوسرے دن صبح چھوٹے خاں آ دھمکے۔ میں پہلے ہی سے تیار تھا۔ آدمی تو خیر وہ چھوٹے ہی تھے مگر ایک بڑے انگریز افسر کے چپڑاسی تھے۔ اسی کے نتیجے میں مجھے سرکاری نوکر بنا لیا گیا۔ صاحب بہادر ہی نے میرا انٹرویو لیا تھا۔ اس انٹرویو کے دوران اس انگریز نے مجھے بار بار اقبال کے بجائے۔ "ایک بال" کہا جسے میں بہ مجبوری برداشت کر گیا۔ ابھی مجھے وصال یار تک ہر ستم برداشت کرنا تھا "ایک بال" بن جانا تو معمولی سی بات تھی۔

اس روز اقبال کی بہن شہناز کے ذریعے میں نے نرگس کو پھر ملنے کا پیغام بھجوایا۔ شہناز نے آ کر بتایا کہ نرگس آج نہیں مل سکتی' کسی اور روز موقع نکال کر ملے گی۔ مجھے یہ سن کر غصہ تو آیا لیکن ضبط کر گیا۔ نرگس کے لئے میں جتنا تڑپ رہا تھا' وہ اسی قدر سرد مہری دکھا رہی تھی۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ شاید گزشتہ رات کی پیش قدمی اور میری جلدبازی سے وہ ڈر گئی ہو۔ مجھے اتنی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے تھا' رفتہ رفتہ اسے راہ پر لانا تھا۔ وہ بہرنو اتنی ناسمجھ نہیں تھی کہ میرا مقصد نہ جان پاتی۔

ایل ڈی اے' یعنی لاہور ڈیویلپ منٹ اتھارٹی کا محکمہ خاصا بڑا تھا۔ اس میں آدم زادیاں بھی ملازم تھیں۔ دوسرے ہی دن سے میں نے دفتر جانا شروع کر دیا تھا۔ انہی پری وشوں کی وجہ سے مجھے دفتر اچھا لگا۔ اقبال واقعی صنف مخالف کے لئے بڑی کشش رکھتا تھا۔ مجھے اسی لئے ان آدم زادیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ "کچے دھاگے میں چلے آئیں گے سرکار بندھے" والا معاملہ تھا۔ لڑکیاں خود ہی میری طرف کھنچنے لگیں۔ وہ سبھی دیسی عیسائی تھیں' بس اکا دکا ہی غیر ملکی' یعنی انگریز تھیں' مگر انہوں نے بڑے عہدے سنبھال رکھے تھے۔ وہ اسی لئے مجھ سے جلد بے تکلف نہیں ہوئیں۔ ایک ہی ہفتے میں ایک عیسائی لڑکی ریٹا کو میں نے شیشے میں اتار لیا اور وہ میری محبت کا دم بھرنے لگی۔ وہ میرے ہی سیکشن میں تھی۔ سانولی سلونی ریٹا آنکھوں کے راستے سیدھی میرے دل میں اتر گئی تھی۔ اس میں بڑا نمک تھا۔ جسم متناسب اور چہرہ کتابی ہونے کے علاوہ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں' خواب ناک سی آنکھیں۔ ان آنکھوں پر بڑی بڑی پلکوں کی چلمن تھی۔ یہ چلمن اٹھا کر جب وہ مجھے دیکھتی تو جی

چاہتا' ابھی خراج محبت وصول کر لوں' مگر اس مرتبہ میں بہت محتاط تھا۔ نرگس کے معاملے میں جلدبازی کا نتیجہ میں دیکھ ہی چکا تھا۔ وہ مجھ سے کھنچ گئی تھی۔ میں اسی لئے دھیرے دھیرے ریٹا کو گھاٹ پر لا رہا تھا۔ ریٹا کے علاوہ ایک انگریز میم کی نظر بھی مجھ پر پڑ چکی تھی۔ وہ ایک بڑے انگریز افسر کی بیوی تھی۔ یہ وہی بڑا انگریز افسر تھا جس کے چپڑاسی چھوٹے خاں تھے۔ وہ اکثر اپنے شوہر ولسن کے پاس دفتر آتی جاتی رہتی تھی۔ میری میز راستے میں پڑتی تھی۔ پہلی بار جب اسے میں نے دیکھا تو دل ہی دل میں اللہ سے توبہ کرنے لگا۔ اپنی دانست میں شاید وہ بھی مجھے دیکھ رہی تھی لیکن مجھے یہی لگا کسی اور طرف اس کی نگاہ ہو۔ وہ بھینگی تھی۔ جسم لمبی سی کپچی کی طرح تھا جس پر کپڑے ٹانگ دیئے گئے ہوں۔ ایک روز جب میں دفتر سے لوٹ رہا تھا تو وہ "کمبل" ہو گئی تھی' اس بہانے کہ مجھے ڈراپ کر دے گی۔ وہ کار میں تھی۔ ہرچند کہ وہ آدم زادی کے نام پر ایک سفید دھبا تھی مگر بڑے انگریز افسر کی بیوی ہونے کے سبب میں اس کی پیشکش ٹھکرا نہیں سکا۔ اپنے شوہر نامدار کی طرح اس نے بھی مجھے اقبال سے "ایک بال" بنا دیا اور میں جی مسوس کے رہ گیا۔ راستے میں اس نے مجھ سے بے تکلف ہونے کی غرض سے کئی نسوانی حربے آزمائے لیکن میں کسی نہ کسی طرح رسی تڑا کر بھاگ ہی لیا۔ وہ کیا چاہتی ہے' میں خوب سمجھ گیا تھا اسی لئے اپنے گھر سے پہلے ہی کار کو رکوا لیا تھا۔

مجھے دفتر جاتے ہوئے دوسرا ہفتہ شروع ہوا تھا کہ واپسی میں اچانک ایک کار کا ہارن سنائی دیا۔ میں بھائی دروازے کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ "چیل" اپنے پہلے جھپٹے میں ناکام ہو کر اب بھی میری تاک میں ہو گی اور میرے اردگرد ہی منڈلا رہی ہو گی۔ میم صاحبہ کو چیل کہہ کر خدا نخواستہ میرا مقصد ان کی توہین کرنا نہیں۔ میں تو دراصل اس ایک لفظ کے ذریعے ان کی کیفیت بیان کر رہا ہوں۔ میں نے ہارن سنا اور پلٹ کر دیکھا تو وہی تھیں۔ انہوں نے اپنی ترچھی نظروں سے مجھ پر وار کیا۔ اپنی کار کو وہ پہلے ہی میرے قریب روک چکی تھیں۔ انہوں نے مجھے پکارا۔ "ایک بال! مائی سویٹ ہارٹ۔" پھر کار کا اگلا دروازہ کھول دیا۔ "کم آن ان دی کار۔"

میں جھجکتا ہوا سا کار میں بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی انہوں نے کار اسٹارٹ کر دی تو میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے عاجزی سے کہا۔ "میری اکلوتی امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی میم صاحبہ! آپ مجھے یہ کہاں لے جا رہی ہیں؟ میں تو اپنے گھر جا رہا تھا۔"

"چلے جانا' ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ تم سے مجھے ایک بہت ضروری بات کہنا تھی۔"

"تو کہہ دیں جلدی سے۔" میں ڈرا کہ کہیں پہلی ملاقات کی طرح میم صاحبہ اس مرتبہ بھی بے تکلفی پر نہ اتر آئیں۔

"تم تو مجھ سے اس طرح خوفزدہ لگ رہے ہو جیسے کوئی چوہا' بلی سے۔" یہ کہتے ہی میم صاحبہ ہنس پڑیں۔ اس طرح ان کے چوہیا جیسے چھوٹے چھوٹے دانت واضح طور پر نظر آنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"کیا تم واقعی اتنے بھولے اور معصوم ہو' ایک بال کہ اب تک کچھ نہیں سمجھ سکے۔"

"آپ ہی بتا دیں کہ میں کیا نہیں سمجھ رہا۔" میں سب کچھ سمجھ کر ناسمجھ بن گیا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"ایک بال! میں ..... میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" میم صاحبہ ایسی بے خودی سے میری طرف دیکھنے لگیں کہ سامنے سے ان کی نظر ہٹ گئی۔

"میم صاحبہ!" میں چیخ اٹھا۔ سامنے سے مجھے ایک تانگہ آتا دکھائی دے گیا تھا۔ مگر اس کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔

میم صاحبہ جہانِ عشق سے فوراً واپس آ گئیں۔ کار لہرا کر بائیں جانب ہو گئی۔ غریب تانگے والے نے حادثے سے بچنے کے لئے اتنی زور سے گھوڑے کی لگام کھینچی کہ تانگہ الٹتے الٹتے بچا۔ میم صاحبہ وہاں رکے بغیر ریس لگا گئیں۔ وہ اگر وہاں رک بھی جاتیں تو کوئی ان کا کیا بگاڑ لیتا۔

"یہ ..... یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ ابھی ٹکر ہو جاتی تانگے سے؟" میں بولا۔

"بغیر بریک والی یہ گاڑیاں بند کر دینا چاہئیں۔"

"بریک ہوتا ہے ان میں میم صاحبہ! اسے لگام کہتے ہیں۔"

"کہتے ہوں گے' لعنت پڑھو۔ یہ دیکھو کہ میں نے آج تمہیں ڈھونڈا کیسے؟ حالانکہ تم نے مجھے اپنا گھر نہیں دکھایا لیکن میں جانتی ہوں' بھائی دروازے میں تم کہاں رہتے ہو۔" میم صاحبہ اس طرح اردو کی ٹانگ توڑ رہی تھیں کہ اگر بیان کروں تو سمجھنا مشکل ہو جائے۔ میں بہرحال پوری توجہ دے کر ان کی بات سمجھ رہا تھا۔

میم صاحبہ نے میرے یعنی اقبال کے گھر کا سراغ لگا لیا تھا' میرے نزدیک یہ کوئی ایسی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ انہیں میرے دفتر کا علم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ کس سیکشن میں ہوں۔ وہ کسی بھی روز میرا تعاقب کر کے پتا لگا سکتی تھیں کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ میں اسی لئے کچھ نہ بولا۔ میم صاحبہ نے خود ہی اس راز سے پردہ اٹھا دیا اور میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے یہ بھی باور کرایا تھا کہ وہ میرے عشق میں کتنی سچی ہیں۔

"مگر اس وقت آپ مجھے کہاں لے جا رہی ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"اپنے بنگلے پر۔" انہوں نے پرسکون آواز میں جواب دیا۔

"اور ..... اور صاحب ..... وہ کہاں ہیں؟ بنگلے پر وہ بھی تو ہوں گے۔" میں نے پوچھا۔ اس پچھی انگریز آدم زادی کا ارادہ بھانپنے مجھے دشواری نہیں ہوئی اسی لئے قدرے گھبرا سا گیا۔ میں تو نرگس جیسی آدم زادیوں کا متوالا تھا' اس تاڑ کے پیڑ کا نہیں۔

"صاحب آؤٹ آف اسٹیشن ہیں' تم فکر نہ کرو۔" میم صاحبہ نے مسکرا کر بتایا۔ "کوئی خطرہ نہیں۔"

میم صاحبہ نے غلط نہیں کہا تھا۔ واقعی خطرہ پیش نہیں آیا اور میم صاحبہ نے مجھے باآسانی "فتح" کر لیا۔ میرا سابقہ اب تک جتنی آدم زادیوں سے پڑا تھا' میم صاحبہ ان میں سب سے مختلف اور "باہنر" ثابت ہوئی تھیں۔ انہیں میں نے نہیں بلکہ انہوں نے مجھے تسخیر کیا تھا۔ عاشق کے بجائے کسی کا محبوب بننے میں ایک اور ہی لذت ہے۔ اس کا اندازہ مجھے پہلی مرتبہ ہوا۔

پھر پورے دس روز تک میم صاحبہ نے مجھے اپنے حصار سے نہیں نکلنے دیا۔ اس کے بعد صاحب بہادر واپس آ گئے اور میم صاحبہ نے اپنی بساطِ نشاط لپیٹ دی۔

اسی دن نرگس کے بارے میں شہناز سے ایک خبر سن کر مجھے دھچکا سا لگا۔

لاہور سے قصور زیادہ دور نہیں تھا۔ وہیں نرگس کی خالہ رہتی تھیں۔ خالہ ان دنوں بیمار تھیں۔ کوئی ان کی نگہداشت کرنے والا نہیں تھا۔ ان کے کوئی بیٹی نہیں تھی۔ ایک بیٹا تھا جو ملازمت کے سلسلے میں قصور سے باہر رہتا تھا۔ اسے جالندھر میں نوکری ملی تھی۔ خالو ضعیف تھے۔ نرگس مجھ سے ملے بغیر ہی اپنے خالہ زاد کے ہمراہ قصور چلی گئی تھی۔ اپنی ماں کی بیماری کی اطلاع پر اس کا خالہ زاد چھٹی لے کر قصور آیا تھا۔ اس کی ماں نے ہی اسے بہن کے پاس لاہور بھیجا تھا۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ قصور سے نرگس کی واپسی کب تک ممکن تھی۔ جال میں پھنسے ہوئے شکار کے یوں اڑ جانے پر مجھے بہت ملال ہوا۔ پھر بھی میں نے ہمت نہیں ہاری اور سوچا کہ کبھی تو نرگس' لاہور لوٹ کر آئے گی۔ اس کے علاوہ مجھے ریٹا کی صورت میں ایک اور حسین سہارا مل گیا تھا۔ میم صاحبہ' یعنی ماریا کی وجہ سے میں اب تک اس کی طرف پوری طرح توجہ نہیں دے سکا تھا۔ نرگس کی جدائی کے باوجود جلد ہی میں نے اپنے سلگتے ہوئے جذبات پر قابو پا لیا۔ اب میں' ریٹا کو زیرِ دام لانے کے لئے اس پر کمند پھینکنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

انسانوں کے درمیان اب میرا جی لگ گیا تھا۔ پہلے جیسا خوف نہیں رہا تھا۔ شروع شروع میں آتے جاتے اگر کبھی مولوی کفایت اللہ سے مڈبھیڑ ہو جاتی تو میں خوفزدہ ہو جاتا تھا' مگر اب رفتہ رفتہ میں نے آدم زادوں سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا۔

نرگس چلی گئی تو اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے میں نے آخرکار ریٹا کو ایک روز فتح کر ہی لیا۔ ریٹا نے مجھے وقت گزرنے کا احساس نہ ہونے دیا۔ تین مہینے جیسے پلک جھپکتے بیت گئے۔ مجھے اس عرصے میں نرگس بارہا یاد آئی۔ وہ تو ایسی قصور جا کر بیٹھی تھی کہ لوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اقبال کی بہن شہناز کا نرگس کے گھر میں آنا جانا تھا۔ اسی کے ذریعے مجھے حالات کا علم ہوتا رہتا تھا۔ ایک روز وہ مجھے بہت خوش خوش نظر آئی تو میں نے وجہ پوچھی۔

"میں تو آپ کی وجہ سے خوش ہوں لیکن اس وقت تک خوشخبری نہیں سناؤں گی جب تک اکنی نہیں لے لوں گی۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

"ادھنے سے کام چل جائے تو دے سکتا ہوں ورنہ نہ بتاؤ۔"

"ٹھیک ہے' میں نہیں بتاتی کہ کون کہاں سے واپس آ گیا ہے اور اس نے کیا پیغام بھیجا ہے۔"

"لے اکنی۔" میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر فوراً اس کا مطالبہ پورا کر دیا۔ "تو میری بڑی اچھی بہن ہے' جلدی سے بتا دے کہ نرگس نے کیا پیغام بھجوایا ہے اور وہ قصور سے کب واپس آئی ہے؟" میں سمجھ گیا کہ یقیناً نرگس لاہور آ چکی ہے۔ پھر میرا اندازہ ٹھیک ہی نکلا۔

شہناز نے مجھے خوشخبری سنائی کہ نرگس اسی روز دوپہر کو قصور سے واپس آئی تھی اور مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ اس تین ماہ کے عرصے میں نرگس دو مرتبہ اور بھی لاہور آئی تھی لیکن صرف ایک ایک دن

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کے لئے۔ مجھے اس سے ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کا آنا نہ آنا میرے لئے برابر ہی رہا تھا۔ میں اس لئے بھی خوش تھا کہ خود نرگس نے وقت ملاقات رات کا رکھا تھا' جب اس کے اور میرے گھر والے سو جائیں۔ سرشام ہی شہناز سے یہ اطلاع پا کر میں خوشی سے بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس سنہری موقع کو ہرگز رائیگاں نہیں ہونے دوں گا۔ اب میں پہلے سے کہیں زیادہ بے خوف ہو گیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ ماریا اور ریٹا تھیں۔ ریٹا پر فتح پانے کے بعد اب میں نے دفتر کی دوسری لڑکیوں کی طرف بھی پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ اس کے باوجود نرگس کی چاہت' اس کی طلب اپنی جگہ تھی۔ میں اس کے حصول کی آرزو سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔ وہ تھی بھی تو ایسی کہ بھلائے نہ بھلائی جا سکے۔

اس روز رات شاید بہت دیر میں ہوئی۔ مجھے ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ نصف شب کے قریب خاموشی سے اٹھ کر میں چھت پر پہنچ گیا۔ نرگس مجھے اپنی چھت پر منتظر ملی۔

"اقبال! خدا کے لئے کچھ کرو ورنہ غضب ہو جائے گا۔" مجھے دیکھتے ہی وہ جلدی سے بولی' مگر آواز دھیمی ہی تھی۔

"کیا ہو گیا چندا!" میں نے بڑی محبت سے پوچھا اور دیوار کی دوسری طرف ہاتھ ڈال کر اس کا ہاتھ تھام لیا کہ اتنے دن بعد کسی طور تو میرے اور اس کے جسموں میں رابطہ پیدا ہو۔

جواب میں نرگس نے بتایا کہ اس کی خالہ سخت بیمار ہیں۔ ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ وہ اسی لئے اپنی زندگی میں اکلوتے بیٹے شریف احمد کی شادی اس کے ساتھ کرنا چاہتی ہیں۔ اسی غرض سے انہوں نے نرگس کی ماں کو گزشتہ ماہ قصور بلوایا تھا۔ نرگس کی ماں نے اپنی بیمار بڑی بہن کی بات مان لی تھی۔ نرگس کو اسی لئے قصور سے لاہور بلوا لیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اب شادی سے پہلے نرگس کا قصور میں رہنا مناسب نہیں تھا۔ مولوی کفایت اللہ بھی اس رشتے پر نیم راضی سا تھا۔ نرگس کو مجھ سے یہ گلہ تھا کہ میں نے وعدے کے مطابق اپنے والدین کو اس کے گھر پہلے سے رشتہ لے کر کیوں نہیں بھیج دیا؟ دراصل نرگس کو یہ گلہ مجھ سے نہیں اپنے اس بے وفا عاشق سے تھا جس کے جسم پر اب میرا قبضہ تھا۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو شاید حالات کچھ اور ہوتے۔ اپنی محبت نرگس کو حاصل کرنے کے لئے اقبال کچھ تو ہاتھ پاؤں مارتا لیکن میرا مسئلہ تو صرف نرگس کے قرب کا حصول تھا جس کے لئے اس سے شادی کرنا غیر ضروری تھا۔ نرگس کا اصرار یہ تھا کہ میں اب بھی اپنے والدین کو رشتہ لے کر بھیج دوں کیونکہ مولوی کفایت اللہ' شریف احمد سے نرگس کے رشتے پر زیادہ خوش نہیں تھا۔ وجہ یہ کہ شریف احمد کی تنخواہ کم تھی۔ جذباتی باتوں سے قطع نظر مولوی ٹھوس حقائق کا قائل تھا۔ اسے علم تھا کہ نرگس' شریف احمد کے ساتھ خوش نہیں رہ سکے گی۔

مجھے اس بات سے کوئی ایسی خاص دلچسپی نہیں تھی کہ نرگس کا رشتہ کہاں اور کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا مستقبل کیا ہو گا؟ قلیل آمدنی میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش بھی رہ سکے گی یا نہیں؟ میرا مقصد تو اس کے قرب کا حصول تھا' زندگی بھر کے لئے اسے اپنے گلے کا ہار بنانا نہیں۔ پھر یہ کہ آدم زادوں کی اس دنیا میں اور بھی بہت سے آدم زاد تھے جن کے جسموں پر قبضہ کر کے میں مزید عیش کر سکتا تھا۔ یہی شہر کیا'

ساری دنیا آدم زادوں سے بھری پڑی تھی۔ میں کہیں بھی چلا جاتا۔ ماریا نے جس انداز میں میری پذیرائی کی تھی تبھی سے میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ کسی اور ایسی میم کو شکار کروں جو حسین بھی ہو۔

مطلب براری کی خاطر میں نے نرگس کو تسلی دی۔ "تم بالکل پرواہ نہ کرو۔ گھبراؤ مت' میں کل ہی اپنی امی سے بات کروں گا ..... لیکن ہم اتنے طویل عرصے کے بعد ملے ہیں تو اس ملاقات کو یادگار....." اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ کے میں دوسرے ہی لمحے دیوار پھاند کر نرگس کے پاس پہنچ گیا۔

نرگس شاید پہلے ہی سے چوکنا تھی اس لئے میرے آگے بڑھتے ہی تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ گئی۔

"ارے قریب آؤ نا۔" میں مزید آگے بڑھا۔

"نہیں۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ یوں آگے بڑھا دیئے جیسے مجھے روکنا چاہتی ہو۔

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا نرگس کہ ہم دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہو جائیں' مگر کیا خبر کہ ..... کہ ہم ایک نہ ہو سکیں۔" میں نے ایک اور حربہ آزمایا۔ "وہ یہ کہ تمہاری والدہ اپنی بیمار بہن کو زبان دے چکی ہیں۔ کون جانے چندا کہ ..... کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو اور ..... پھر ہم کبھی نہ مل پائیں۔" میں اسے اپنی لچھے دار باتوں کے جال میں پھانسنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ "سنو نرگس! اس سے پہلے کہ خدا نخواستہ ہم دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں اور پھر زندگی بھر تڑپتے رہیں' آؤ اس ملاقات کو یادگار بنا دیں۔" میں نے یہ کہتے ہی انتہائی تیزی سے آگے بڑھ کر اسے جکڑ لیا۔

"چھوڑ دو مجھے' تم ..... تم نے ایک بار پہلے بھی مجھے گناہ کے راستے پر ڈالنا چاہا تھا۔" وہ مچلنے لگی۔

"کس نے کہہ دیا تم سے کہ دو پیاسی روحوں کا ملاپ گناہ ہے۔ یہ تو محبت کی انتہا....."

"نہیں....." اس نے میری بات کاٹ دی۔

"مان جاؤ نرگس!" میں نے اسے نہیں چھوڑا بلکہ اس کے جسم پر گرفت اور سخت کر دی۔

"اگر تم نے مجھے نہیں چھوڑا تو میں شور مچا دوں گی۔" اس نے مجھے دھمکی دی' پھر زور لگانے لگی۔

اس جدوجہد میں اس کے ایک ہاتھ پر میری گرفت قدرے ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے موقع ملتے ہی اپنا وہ ہاتھ میرے چہرے پر "نقش و نگار" بنانے کے لئے آگے بڑھایا۔ وہ ظالم مرنے مارنے پر تل گئی تھی۔

میں نے گھبرا کر اسے چھوڑ دیا۔ اس میں زیادہ اثر نرگس کی دھمکی کا تھا۔ میری چشم تصور میں اس کے خطرناک باپ مولوی کفایت اللہ کا چہرہ گھوم گیا تھا۔ وہ یقیناً اس بار مجھے زندہ نہ چھوڑتا۔ نرگس پلٹ کر جانے لگی تو میں نے اسے دھیرے سے پکارا۔ "میری بات تو سنو نرگس!"

"نہیں ..... میں تمہاری کوئی بات سننا نہیں چاہتی۔"

اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "مجھے جانے دو ..... تمہارا اصل چہرہ میں نے دیکھ لیا ہے۔ یہ ..... یہ محبت کا نہیں' ہوس کا چہرہ ہے ..... نیکی کا چہرہ نہیں گناہ کا چہرہ ہے۔ تمہیں ..... اقبال'

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کے لئے۔ مجھے اس سے ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کا آنا نہ آنا میرے لئے برابر ہی رہا تھا۔ میں اس لئے بھی خوش تھا کہ خود نرگس نے وقت ملاقات رات کا رکھا تھا' جب اس کے اور میرے گھر والے سو جائیں۔ سرشام ہی شہناز سے یہ اطلاع پا کر میں خوشی سے بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس سنہری موقع کو ہرگز رائیگاں نہیں ہونے دوں گا۔ اب میں پہلے سے کہیں زیادہ بے خوف ہو گیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ ماریا اور ریٹا تھیں۔ ریٹا پر فتح پانے کے بعد اب میں نے دفتر کی دوسری لڑکیوں کی طرف بھی پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ اس کے باوجود نرگس کی چاہت' اس کی طلب اپنی جگہ تھی۔ میں اس کے حصول کی آرزو سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔ وہ تھی بھی تو ایسی کہ بھلائے نہ بھلائی جا سکے۔

اس روز رات شاید بہت دیر میں ہوئی۔ مجھے ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ نصف شب کے قریب خاموشی سے اٹھ کر میں چھت پر پہنچ گیا۔ نرگس مجھے اپنی چھت پر منتظر ملی۔

"اقبال! خدا کے لئے کچھ کرو ورنہ غضب ہو جائے گا۔" مجھے دیکھتے ہی وہ جلدی سے بولی' مگر آواز دھیمی ہی تھی۔

"کیا ہو گیا چندا!" میں نے بڑی محبت سے پوچھا اور دیوار کی دوسری طرف ہاتھ ڈال کر اس کا ہاتھ تھام لیا کہ اتنے دن بعد کسی طور تو میرے اور اس کے جسموں میں رابطہ پیدا ہو۔

جواب میں نرگس نے بتایا کہ اس کی خالہ سخت بیمار ہیں۔ ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ وہ اسی لئے اپنی زندگی میں اکلوتے بیٹے شریف احمد کی شادی اس کے ساتھ کرنا چاہتی ہیں۔ اسی غرض سے انہوں نے نرگس کی ماں کو گزشتہ ماہ قصور بلوایا تھا۔ نرگس کی ماں نے اپنی بیمار بڑی بہن کی بات مان لی تھی۔ نرگس کو اسی لئے قصور سے لاہور بلوا لیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اب شادی سے پہلے نرگس کا قصور میں رہنا مناسب نہیں تھا۔ مولوی کفایت اللہ بھی اس رشتے پر نیم راضی سا تھا۔ نرگس کو مجھ سے یہ گلہ تھا کہ میں نے وعدے کے مطابق اپنے والدین کو اس کے گھر پہلے سے رشتہ لے کر کیوں نہیں بھیج دیا؟ دراصل نرگس کو یہ گلہ مجھ سے نہیں اپنے اس بے وفا عاشق سے تھا جس کے جسم پر اب میرا قبضہ تھا۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو شاید حالات کچھ اور ہوتے۔ اپنی محبت نرگس کو حاصل کرنے کے لئے اقبال کچھ تو ہاتھ پاؤں مارتا لیکن میرا مسئلہ تو صرف نرگس کے قرب کا حصول تھا جس کے لئے اس سے شادی کرنا غیر ضروری تھا۔ نرگس کا اصرار یہ تھا کہ میں اب بھی اپنے والدین کو رشتہ لے کر بھیج دوں کیونکہ مولوی کفایت اللہ' شریف احمد سے نرگس کے رشتے پر زیادہ خوش نہیں تھا۔ وجہ یہ کہ شریف احمد کی تنخواہ کم تھی۔ جذباتی باتوں سے قطع نظر مولوی ٹھوس حقائق کا قائل تھا۔ اسے علم تھا کہ نرگس' شریف احمد کے ساتھ خوش نہیں رہ سکے گی۔

مجھے اس بات سے کوئی ایسی خاص دلچسپی نہیں تھی کہ نرگس کا رشتہ کہاں اور کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا مستقبل کیا ہو گا؟ قلیل آمدنی میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش بھی رہ سکے گی یا نہیں؟ میرا مقصد تو اس کے قرب کا حصول تھا' زندگی بھر کے لئے اسے اپنے گلے کا ہار بنانا نہیں۔ پھر یہ کہ آدم زادوں کی اس دنیا میں اور بھی بہت سے آدم زاد تھے جن کے جسموں پر قبضہ کر کے میں مزید عیش کر سکتا تھا۔ یہی شر کیا'

ساری دنیا آدم زادوں سے بھری پڑی تھی۔ میں کہیں بھی چلا جاتا۔ ماریا نے جس انداز میں میری پذیرائی کی تھی تبھی سے میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ کسی اور ایسی میم کو شکار کروں جو حسین بھی ہو۔

مطلب براری کی خاطر میں نے نرگس کو تسلی دی۔ "تم بالکل پرواہ نہ کرو۔ گھبراؤ مت' میں کل ہی اپنی امی سے بات کروں گا ..... لیکن ہم اتنے طویل عرصے کے بعد ملے ہیں تو اس ملاقات کو یادگار....." اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ کے میں دوسرے ہی لمحے دیوار پھاند کر نرگس کے پاس پہنچ گیا۔

نرگس شاید پہلے ہی سے چوکنا تھی اس لئے میرے آگے بڑھتے ہی تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ گئی۔

"ارے قریب آؤ نا۔" میں مزید آگے بڑھا۔

"نہیں۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ یوں آگے بڑھا دیئے جیسے مجھے روکنا چاہتی ہو۔

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا نرگس کہ ہم دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہو جائیں' مگر کیا خبر کہ ..... کہ ہم ایک نہ ہو سکیں۔" میں نے ایک اور حربہ آزمایا۔ "وہ یہ کہ تمہاری والدہ اپنی بیمار بہن کو زبان دے چکی ہیں۔ کون جانے چندا کہ ..... کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو اور ..... پھر ہم کبھی نہ مل پائیں۔" میں اسے اپنی لچھے دار باتوں کے جال میں پھانسنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ "سنو نرگس! اس سے پہلے کہ خدانخواستہ ہم دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں اور پھر زندگی بھر تڑپتے رہیں' آؤ اس ملاقات کو یادگار بنا دیں۔" میں نے یہ کہتے ہی انتہائی تیزی سے آگے بڑھ کر اسے جکڑ لیا۔

"چھوڑ دو مجھے' تم ..... تم نے ایک بار پہلے بھی مجھے گناہ کے راستے پر ڈالنا چاہا تھا۔" وہ مچلنے لگی۔

"کس نے کہہ دیا تم سے کہ دو پیاسی روحوں کا ملاپ گناہ ہے۔ یہ تو محبت کی انتہا....."

"نہیں....." اس نے میری بات کاٹ دی۔

"مان جاؤ نرگس!" میں نے اسے نہیں چھوڑا بلکہ اس کے جسم پر گرفت اور سخت کر دی۔

"اگر تم نے مجھے نہیں چھوڑا تو میں شور مچا دوں گی۔" اس نے مجھے دھمکی دی' پھر زور لگانے لگی۔ اس جدوجہد میں اس کے ایک ہاتھ پر میری گرفت قدرے ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے موقع ملتے ہی اپنا وہ ہاتھ میرے چہرے پر "نقش و نگار" بنانے کے لئے آگے بڑھایا۔ وہ ظالم مرنے مارنے پر تل گئی تھی۔

میں نے گھبرا کر اسے چھوڑ دیا۔ اس میں زیادہ اثر نرگس کی دھمکی کا تھا۔ میری چشم تصور میں اس کے خطرناک باپ مولوی کفایت اللہ کا چہرہ گھوم گیا تھا۔ وہ یقیناً اس بار مجھے زندہ نہ چھوڑتا۔ نرگس پلٹ کر جانے لگی تو میں نے اسے دھیرے سے پکارا۔ "میری بات تو سنو نرگس!"

"نہیں ..... میں تمہاری کوئی بات سننا نہیں چاہتی۔"

اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "مجھے جانے دو ..... تمہارا اصل چہرہ میں نے دیکھ لیا ہے۔ یہ ..... یہ محبت کا نہیں' ہوس کا چہرہ ہے ..... نیکی کا چہرہ نہیں گناہ کا چہرہ ہے۔ تمہیں ..... اقبال'

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

تمہیں مجھ سے محبت نہیں تھی۔" وہ سسک اٹھی اور پھر تیزی سے زینے کی طرف لپک گئی۔

اگر مجھے اس کے باپ مولوی کفایت اللہ کا خوف نہ ہوتا تو ہرگز اسے یوں نہ جانے دیتا۔ مجبوراً مجھے اس رات بھی ناکام و نامراد لوٹنا پڑا۔ اپنے بستر پر واپس آ کر دیر تک میں اس مسئلے پر غور کرتا رہا کہ تکمیل تمنا کی کیا صورت ہو؟ آخر میرے ذہن نے اس کا ایک حل تلاش کر ہی لیا۔

چند ہی روز بعد نرگس کی شادی کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ میں نے نرگس کے حصول کی خاطر جو کچھ سوچا تھا' اس میں ناکامی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ نرگس کے ہونے والے شوہر شریف احمد کے متعلق میں نے ضروری معلومات حاصل کرنا شروع کیں تو ایک مرحلہ ایسا آیا کہ مجھے شدید حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔

شریف احمد نے محض اپنی لب گور ماں کی خاطر شادی پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ نرگس ہی کیا کسی بھی لڑکی کے قابل نہیں تھا۔ اخلاقی جرأت سے کام نہ لے کر شریف احمد ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ کمینگی پر اتر آیا تھا۔ اگر نرگس سے اس کی شادی ہو جاتی تو یہ بڑا ظلم ہوتا۔ مجھے کوئی ایسی راہ نکالنا تھی کہ کم سے کم شریف احمد کے ساتھ نرگس کی شادی نہ ہو سکے۔ پھر خاصی سوچ بچار کے بعد مجھے ایک راہ مل ہی گئی۔

وہ چھٹی کا دن تھا۔ قصور سے برات آ چکی تھی۔ شادی میں پڑوسی ہونے کے ناتے اقبال کے سب گھر والے بھی مدعو تھے۔ اقبال کی بہن شہناز بہت اداس تھی۔ وجہ یہ کہ وہ اپنے بھائی کی رازدار تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اقبال' نرگس سے محبت کرتا ہے اور نرگس بھی اسے چاہتی ہے۔

دوپہر سے پہلے ہی نکاح ہونا تھا۔ جب قاضی آ گیا تو میں آگے بڑھ کر شریف احمد کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں مولوی کفایت اللہ' نرگس کا بوڑھا خالو اور خاندان کے دوسرے بزرگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہی میں اقبال کا باپ افضل اور چھوٹے خاں بھی موجود تھے۔

ادھر قاضی نے نکاح پڑھانے کا آغاز کیا' ادھر میں' اقبال کے جسم کو چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ اقبال کے جسم پر طویل عرصے تک میرا قبضہ رہا تھا۔ میں اس کی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا اس لئے باہر آتے ہوئے مجھے انتہائی اذیت محسوس ہوئی۔ مجھے یوں لگا کہ میرا وجود کانٹوں سے الجھتا ہوا باہر نکلا ہو۔ اس سے اقبال کے جسم کو بھی زبردست جھٹکا لگا اور وہ چکرا کر ڈھیر ہو گیا۔ مجھے یہ تجربہ ہوا کہ زیادہ مدت تک کسی آدم زاد کے جسم پر تصرف جن زاد اور آدم زاد دونوں ہی کے لئے الگ ہونے کی صورت میں بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ جن جب طویل عرصے کسی انسانی جسم میں رہ کر باہر نکلتا ہے تو کیا صورت پیش آتی ہے۔

اقبال چکرا کر ایک طرف گرا تو کئی حیرت زدہ آوازیں ایک ساتھ سنائی دیں۔ "ارے ارے' اسے کیا ہوا؟"

قاضی نکاح پڑھاتے پڑھاتے ایک دم رک گیا۔ وہاں ایک خطرناک آدم زاد' یعنی خبیث مولوی کفایت اللہ بھی موجود تھا۔ اسے اگر وہاں میری موجودگی کا شبہ ہو جاتا تو پھر میری خیر نہیں تھی۔ میں اگر

کسی آدم زاد کے جسم میں چھپ جاتا تو بات دوسری تھی۔ اقبال کے جسم میں رہ کر میں کئی بار مولوی کے قریب سے گزرا تھا۔ مگر مولوی کو خبر نہیں ہوئی تھی۔ اگر کسی آدم زاد کے جسم کو ایک جن زاد نے اپنا لیا ہو تو خصوصی توجہ دینے ہی سے حقیقت کا پتہ چلتا ہے' وہ بھی ایسی صورت میں کہ توجہ دینے والا کوئی صاحبِ علم ہو۔ مجھے پہلے ہی سے ان تمام باتوں کی خبر تھی' سو اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچ چکا تھا۔ میں نے اسی لئے شدید اذیت کے باوجود پہلے سے طے شدہ تدبیر کے مطابق خود کو ایک آدم زاد کے جسم میں چھپا لیا اور یہ آدم زاد نرگس کا ہونے والا شوہر شریف احمد تھا کیونکہ ابھی نرگس سے اس کا نکاح نہیں پڑھایا جا سکا تھا۔ میں نے اس سے قبل ہی کام دکھا دیا تھا۔

اقبال کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے گئے تو جلد ہی اسے ہوش آ گیا۔

"مم ..... میں کہاں ہوں؟ اور ..... اور یہ کیا ..... کیا ہو رہا ہے؟" اقبال بڑبڑایا۔

"ہوش میں آؤ بیٹے!" افضل نے اقبال کو سہارا دے کر بٹھایا۔ "ہم نرگس بیٹی کی شادی میں شریک ہونے آئے ہیں۔"

"نرگس کی شادی۔" اقبال کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ظاہر ہے اسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

"ٹھہرو افضل! میں پانی دم کر کے دیتا ہوں۔ یہ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔" مولوی کفایت اللہ بولا۔ قریب ہی بیٹھا تھا۔ پھر اس نے کسی سے پانی لانے کو کہا اور اقبال کے سامنے آ کے بیٹھ گیا۔ اس نے اقبال کو مخاطب کیا۔ "ذرا ادھر دیکھو بیٹے!"

اقبال نے نظریں اٹھائیں۔ میں مولوی کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ اقبال کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ مولوی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

مولوی کفایت اللہ کے چہرے پر معاً حیرت نظر آنے لگی۔ پھر اس نے دھیمی آواز میں اقبال کے باپ افضل کی طرف جھک کر کہا۔ "اقبال پر کسی جن کا اثر رہ چکا ہے۔ علامات سے یہی ظاہر ہوتا ہے لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔ میں اس جن کا سراغ لگا لوں گا جو اسے چھوڑ کر کسی نامعلوم وجہ سے فرار ہو چکا ہے۔"

"یہ ..... یہ کیا کہہ رہے ہیں مولوی صاحب!" افضل گھبرا گیا۔

"جو کچھ کہا ہے میں نے غلط نہیں۔ اس کا علاج میں کروں گا تاکہ وہ جن دوبارہ اسے یرغمال نہ بنا سکے۔" مولوی کفایت اللہ پُریقین آواز میں بولا۔

میرے کان کھڑے ہو گئے اور ذہن "خطرہ' خطرہ" کی گردان کرنے لگا۔ مولوی بڑا ہی کائیاں اور خطرناک تھا۔

اتنے میں ایک شخص پانی لے آیا۔ "لیجئے مولوی صاحب!" اس شخص نے پانی سے بھرا کٹورا مولوی کی طرف بڑھا دیا۔

مولوی نے کٹورا لے لیا اور زیر لب کچھ پڑھنے لگا۔ جو بات اس نے دھیمی آواز میں صرف اقبال

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ے باپ افضل سے کہی تھی' ایک سے دوسرے اور دوسرے نے تیسرے شخص سے کہہ دی۔ ذرا سی دیر میں سارے براتیوں اور "گھراتیوں" کو پورا قصہ معلوم ہو گیا۔ لوگ آپس میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ مولوی کفایت اللہ کیونکہ کوئی پیشہ ور مولوی نہیں تھا اس لئے سبھی اس کے "علم" کی مداحی میں لگے ہوئے تھے اور میں اس پر کھول رہا تھا۔ غصے کے ساتھ ساتھ مجھے اب کچھ کچھ خوف بھی محسوس ہونے لگا تھا۔

پڑھنے کے بعد مولوی کفایت اللہ نے پانی پر دم کیا اور پھر خود اپنے ہاتھ سے اقبال کو پانی پلایا۔ اقبال کے چہرے سے بلا کے حزن و ملال کا اظہار ہو رہا تھا۔

پانی پی کر اقبال سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ قاضی نے مولوی کفایت اللہ کے کہنے پر دوبارہ نکاح پڑھانا شروع کر دیا۔

پھر وہ مرحلہ بھی آ گیا کہ جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ قاضی نے مجھے مخاطب کیا۔ "مسمات نرگس جہاں بنت کفایت اللہ کا نکاح بہ عوض مہر....."

"مجھے قبول نہیں۔" یہ تین الفاظ شادی کی اس تقریب میں دھماکہ بن کر گونج اٹھے۔ یہ الفاظ میں نے بلند آواز میں ادا کئے تھے۔ آواز بے شک شریف احمد کی تھی مگر الفاظ میرے تھے۔ جنات جس آدمی پر بھی قبضہ کر لیتے ہیں' اس کی آواز بھی اپنا لیتے ہیں۔ پہلے میں' اقبال کی آواز میں بولتا تھا۔ اگر ایسا نہ ہو تو جنات کو آدمی کے جسم میں پہچاننا آسان ہو جائے۔

میرے انکار پر چند لمحوں کو سناٹا چھا گیا۔ پھر شریف احمد کے باپ کی تیز آواز ابھری۔ "شریف احمد! یہ تو کیا بکواس کر رہا ہے؟"

"یہ بکواس نہیں ابا! حقیقت ہے۔" میں پُرزور آواز میں بولا۔ "مجھے ایسی لڑکی قبول نہیں جو کسی اور سے محبت کرتی ہو۔ نرگس اور اقبال کے ہاتھوں پر قرآن رکھ کر پوچھ لیں' کیا وہ ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے؟ کیا وہ چھپ چھپ کر نہیں ملتے رہے؟ گواہی کے لئے اقبال کی بہن شہناز کافی ہے۔ قسم دے کے اس سے معلوم کر لیں۔"

سب لوگ اقبال کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"ابے کیوں بے آوارہ' یہ میں کیا سن رہا ہوں؟" اقبال کا باپ افضل اسے مارنے دوڑا۔

لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ "یہ کیا کرتے ہو' جوان اولاد پر اس طرح ہاتھ نہیں اٹھاتے۔"

اس ہنگامے کا نتیجہ میرے لئے متوقع تھا۔ مولوی کفایت اللہ کی طرف سے مجھے جو خطرہ تھا' ٹل گیا۔ دوسروں کی طرح اس کا دھیان بھی اب میری طرف نہیں رہا۔ اسے میں نے لپک کر حویلی میں جاتے دیکھا۔ وہ یقیناً نرگس کی خبر لینے گیا تھا۔

اسی وقت شریف احمد کا بوڑھا باپ مجھے اپنا بیٹا سمجھ کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "چل اٹھ' برات واپس جائے گی۔"

"مگر قبلہ! تھوڑی دیر تو رک جائیں' مولوی صاحب کو تو واپس آ جانے دیں۔" کسی نے کہا۔

"اب کسی کے آنے نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" بڈھا غصے میں بولا۔ "چلو بھئی اٹھو۔" اس نے براتیوں کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ جس لاری میں قصور سے برات آئی تھی' گلی کے باہر سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ براتی اس میں سوار ہونے لگے۔ میں نے اپنا کام دکھا دیا تھا اس لئے شریف احمد کے جسم کو چھوڑ کر باہر آ گیا۔ اس مرتبہ مجھے زیادہ تکلیف نہیں سہنا پڑی۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ شریف احمد کے جسم میں مجھے مختصر عرصے ہی رہنا پڑا تھا۔ اس کے جسم نے بیٹھے بیٹھے جھٹکا کھایا اور پھر حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

جلد ہی میں' اقبال کے پاس پہنچ گیا۔ قاضی اپنا بستہ لپیٹ رہا تھا۔ اقبال کے جسم میں داخل ہوتے ہی میری نگاہ مولوی کفایت اللہ پر پڑی۔ ہرچند کہ میرے اور اس کے درمیان خاصا فاصلہ تھا' اس کے باوجود میں چوکنا ہو گیا۔ میں خطرے کی صورت حال میں اقبال کا جسم چھوڑ کر فرار ہونے کے لئے پوری طرح تیار تھا' مگر خبیث مولوی میری طرف متوجہ نہیں ہوا۔ وہ سیدھا اقبال کے باپ افضل کے قریب پہنچا اور پھر تیزی سے آگے بڑھ کر افضل کے پیر پکڑ لئے۔

"بھائی افضل! اس گناہ گار نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا ہے۔ اب میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔" مولوی کفایت اللہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

اس خطرناک بوڑھے آدم زاد کو بھری محفل میں یوں ذلیل و رسوا ہوتے دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ یہ میری ہی چال تھی کہ مولوی جس میں پھنس گیا تھا۔ گویا ایک جن زاد نے آدم زاد کو پچھاڑ لیا تھا۔ موقع سے فائدہ اٹھانا اسی کو کہتے ہیں۔

مولوی کی بات سن کر افضل کہنے لگا۔ "مگر..... مگر مولوی صاب! یہ ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں ..... میں کسی اور کو زبان دے چکا ہوں۔"

پھر خاندان کے کچھ اور لوگ بھی درمیان میں پڑ گئے۔ وہ اقبال کے باپ کو سمجھانے لگے کہ وہ مولوی کفایت اللہ کی درخواست قبول کر لے۔ چھوٹے خاں کی حالت قابل دید تھی۔ اسے چپ سی لگ گئی تھی۔ یقیناً یہ انکشاف اس کے لئے بھی صدمے کا سبب ہوا تھا کہ جس نوجوان کو وہ شریف اور خاندانی سمجھ کر اپنا داماد بنانے والا تھا' وہ اچھے کردار کا ثابت نہیں ہوا۔ افضل کو آخرکار بزرگوں کی بات ماننا ہی پڑی اور میرے دل میں خوشی کے لڈو پھوٹنے لگے لیکن یہ خوشی زیادہ دیرپا نہیں ہوئی۔ اقبال کے باپ نے نکاح پر تو آمادگی ظاہر کر دی تھی لیکن رخصتی کے لئے فوراً راضی نہیں ہوا تھا۔

لعنت ہو تجھ پر۔ میں نے دل ہی دل میں افضل کو بُرا بھلا کہا۔ وہاں مولوی کفایت اللہ جیسا گھاگ آدم زاد بھی موجود تھا ورنہ افضل تو کیا اس کے باپ کو بھی فوری رخصتی پر آمادہ ہونا پڑتا۔ مولوی کی وہاں موجودگی میں بار بار میں ایک جسم چھوڑ کر دوسرے جسم میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

طے پایا کہ نکاح اسی روز عصر اور مغرب کے درمیان ہو گا۔ رخصتی کے لئے افضل نے یہ شرط رکھی تھی کہ جب اس کے دونوں بڑے بیٹوں کی بہوئیں بیاہ کر گھر میں آ جائیں گی تو وہ نرگس کو رخصت

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کر کے لے جائے گا۔ بات میں وزن تھا اس لئے درمیان میں جو لوگ پڑے تھے' کچھ نہ بولے۔

مجبوراً مولوی کفایت اللہ کو افضل کی شرط ماننا پڑی۔ چھوٹے خاں اپنا چھوٹا سا منہ لئے دیکھتا رہ گیا اور اس کا متوقع داماد پرایا ہو گیا۔ بات طے ہوتے دیکھ کر وہ رفو چکر ہو گیا۔ بے چارے نے اپنی بیٹی کے لئے ایک عدد شوہر فراہم کرنے کی خاطر اتنے پاپڑ بیلے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ہونے والے داماد کو سرکاری نوکری تک دلوا دی' اس سے زیادہ وہ غریب کیا کرتا۔ مجھے چھوٹے خان پر ترس آنے کے ساتھ ساتھ اقبال کے باپ پر بھی شدید غصہ آ رہا تھا۔ اس کمینے بڈھے نے مجھے صرف نکاح پر ٹرخا دیا تھا۔ میں نے یہ سوچ کر بمشکل اپنے دل کو تسلی دی کہ ایک نہ ایک روز تو اب میری تمنا پوری ہو ہی جائے گی۔ نرگس تو اب گھر کی مرغی تھی جسے حلال ہونا ہی تھا۔ اس عرصے میں دوسرے معرکے سر کئے جا سکتے تھے۔ میں نے اس کے لئے ایک ہندو لڑکی بملا کو بھی تاک رکھا تھا۔ وہ ایک کام سے میرے دفتر آئی تھی اور پہلی ہی ملاقات میں مجھے اپنے تیر نظر سے شکار کر لیا تھا۔ یہ بات گزشتہ دو روز پہلے ہی کی تھی۔ ابھی مجھے بملا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

پھر کچھ دیر کے بعد مجھے گھر لا کر جب دولہا بنایا جا رہا تھا تو میں اس امکان پر بھی غور کرنے لگا کہ نکاح ہونے کے بعد رخصتی سے پہلے بھی چوری چھپے نرگس پر ہاتھ صاف کیا جا سکتا ہے۔ میری منکوحہ ہونے کے بعد یقیناً اس کے پاس مزاحمت کا کوئی جواز نہ ہوتا۔ پھر وہ میرے قرب کو گناہ نہ کہہ پاتی۔ خود مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ حالات ایسا رخ اختیار کر جائیں گے۔ تمام تر تگ و دو سے میرا مقصد تو محض اتنا تھا کہ نرگس کی شادی فی الحال کسی طرح ٹل جائے اور وہ شخص جو کسی قابل نہیں اس کا شوہر نہ بنے۔ خلاف توقع مولوی کفایت اللہ نے اپنی عزت کی خاطر اقبال کو داماد بنانا قبول کر لیا۔ صورت حال اس کے علاوہ کوئی بھی رخ اختیار کر سکتی تھی لیکن مولوی نے بہتر فیصلہ ہی کیا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اس سے نرگس بدنام تو ہوئی تھی مگر حصول مقصد کے لئے میرے نزدیک یہ ضروری تھا۔

عصر کے بعد نرگس سے میرا نکاح پڑھا ہی دیا گیا۔ اس وقت بھی میں بہت محتاط اور چوکنا تھا۔

دوسرے دن صبح جب میں دفتر پہنچا تو ایک اور واقعہ پیش آیا۔ وہ انگریز افسر ولسن جس نے چھوٹے خان کی سفارش پر مجھے سرکاری نوکری دی تھی' اس کی طرف سے میری طلبی ہو گئی۔ میں اس پر چکرایا کہ صاحب بہادر نے مجھے کیوں بلوایا ہے۔ وہ محکمے کا سربراہ تھا۔ چھوٹے خان نے ہی طلبی کا پیغام دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ کہیں چھوٹے خاں ہی نے تو کوئی "کارروائی" نہیں ڈال دی۔ اس نے مجھے نوکر رکھوایا تھا تو نکلوانا بھی مشکل نہ ہوتا۔ اس نوکری سے اگر مجھے کچھ دلچسپی تھی تو صرف اتنی کہ وہاں کچھ آدم زادیاں بھی ملازم تھیں۔ ورنہ نوکری رہتی کہ چلی جاتی' مجھ پر کیا فرق پڑتا۔

چھوٹے خان کے چہرے پر اس وقت بھی اداسی کی بدلیاں چھائی ہوئی تھیں اس لئے میں نے اسے نہیں چھیڑا اور انگریز صاحب بہادر کے پاس پہنچ گیا۔

ولسن نے مجھے دھیمے لہجے میں مخاطب کیا تو میرا حوصلہ کچھ بڑھا۔ اس نے کہا۔ "ایک بال! تم ہمارا وائف ماریا کو تو جانتا ہے نا؟"

میں انکار نہ کر سکا۔ "جی ..... جی ہاں۔" میرا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی اعتراف جرم کر رہا ہوں۔

"ماریا تم کو بنگلے پر بھی لے گیا تھا؟" اس نے نرم آواز ہی میں دوسرا سوال کیا۔

اس سوال کا جواب دینا اتنا آسان نہیں تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اتنے عرصے بعد یہ گڑا مردہ کہاں سے اکھڑ آیا؟

مجھے خاموش دیکھ کر ولسن پھر بول اٹھا۔ "ایک بال تم جھوٹ نئیں بولے گا' سمجھا۔" اب اس کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا۔ "بنگلے کا نوکر لوگ ہم کو بتا چکا ہے کہ تم بھی ان دنوں بنگلے پر آتا رہا ہے جب ہم آؤٹ آف اسٹیشن تھا۔" ولسن کی اردو دوسرے انگریزوں کی نسبت قدرے بہتر تھی۔ ولسن کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

میری سٹی گم ہو گئی اور اتنا وقت نہیں تھا کہ میں گمشدہ سٹی کو تلاش کر سکتا۔ جواب دیئے بغیر وہاں سے میرا نو دو گیارہ ہونا بھی ناممکن تھا۔

"سنو ایک بال!" مجھے بولنے کا موقع دینے کے بعد اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "ماریا سے بھی ہم پوچھ گچھ کر چکا ہے کہ وہ تم کو کس لئے پورا دس دن بنگلے پر بلاتا رہا۔ کوئی جواب دینے سے پہلے تم اس کا خیال رکھنا ایک بال! سچ بولے گا تو ہو سکتا ہے ہم تم کو معاف کر دے ورنہ ہم جو سلوک ماریا سے کیا' تمہارے ساتھ بھی کر سکتا ہے' یعنی تم کو نوکری سے نکال دے۔ بولو تم کیا کہتا ہے؟"

معلوم نہیں ماریا نے اپنے شوہر کو کیا کیا بتا دیا تھا اور اس کی نوبت کیوں آئی تھی؟ کہیں وہ کسی اور کے ساتھ تو رنگے ہاتھوں نہیں پکڑی گئی؟ ورنہ اتنے دن بعد اس قصے کا کیا مطلب تھا؟ میں نے سوچا' مگر اس بدبخت انگریز سے میں کسی طرح اپنے خیال کی تصدیق کرتا۔

"ہم جانتا ہے' تم خود سے ہمارے بنگلے پر نہیں گیا ہو گا۔ تم کو ماریا ہی ادھر لے گیا ہو گا۔" یہ کہہ کر گویا اس نے میری ہمت بڑھائی۔

میں سوچنے لگا کہ ولسن کو یقیناً کسی طرح اپنی بیوی کی بدکرداری کا علم ہو گیا ہے۔ سو میں نے اعتراف جرم کے لئے تمہید باندھی۔ "مجھے معاف کر دیں سر کہ ..... کہ جو کچھ بھی ہوا' اس میں میرا کوئی ..... کوئی قصور نہیں تھا۔"

"وہی تو ہم معلوم کرنا چاہتا ہے کہ ہوا کیا؟ جو بھی تم بولنا مانگتا' صاف صاف بولو۔"

میں نے ڈرتے جھجکتے اشاروں کنایوں میں بتا ہی دیا جو وہ معلوم کر رہا تھا۔

"ویری گڈ ایک بال!" میری توقع کے برعکس وہ خوش ہو کر بولا۔ "ہم خوش ہوا کہ تم ماریا کی طرح جھوٹ نئیں بولا۔ ہم جانتا ہے کہ وہ عورت اچھا نہیں۔ ہم اسی لئے اس کو چھوڑ دیا ..... ڈائی ورس دے دیا اس کو۔ یہ کل کا بات ہے کہ ایک ہندوستانی چھوکرا کو وہ بنگلے پر لایا۔ کل ہم دفتر سے جلدی بنگلے پہنچ گیا۔ بس پھر ہم کو سب کچھ پتا چل گیا۔ نوکر لوگ نے بتایا کہ ماریا بہت روز سے ایسا کرتا رہا ہے۔ پہلے تو ماریا بھی ہم کو جھوٹ بولا' پھر اس کو بھی زبان کھولنا پڑا۔ ایسا عورت کو ہم کس طرح اپنے پاس رکھتا جو انڈیا

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کے لوگ کو بھی نہیں چھوڑتا۔ ایک بال! اگر تم جھوٹ بولتا تو ہم تم کو بھی ادھر نوکری سے نکال دیتا۔ اب یہ بولو ایک بال! کہ تمہارا ایسا کوئی فرینڈ ہے' گرل فرینڈ کہ بوائے فرینڈ جس سے تم کوئی بات نہیں چھپاتا' ہر راز کا بات کر سکتا ہے؟" آخر میں صاحب بہادر نے بظاہر غیر متعلق سا سوال کیا۔

"جی نہیں سر!" میں نے جواب دیا جو قطعی درست تھا۔

"آگے بھی اس ڈیپارٹمنٹ میں یا باہر تمہارا کوئی فرینڈ بن گیا تو تم اپنا زبان بند ہی رکھے گا۔" ولسن کا لہجہ تاکیدی تھا۔ "اگر تم اس کے خلاف کیا اور کبھی کسی کو کچھ بولا اور ہم کو خبر ہو گیا تو تمہارا نوکری فنش۔ ہم سمجھتا ہے کہ تم اپنا نوکری بچانے کو زبان نہیں کھولے گا۔ ٹھیک بولا نا ہم؟"

"بالکل سر!" میں نے اسے یقین دلایا۔ "ایسا ہی ہو گا سر! میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔" میں سمجھ چکا تھا کہ اس نے مجھے زباں بندی کی خاطر ہی بلایا تھا۔

"تم جا سکتا ہے۔" ولسن نے مجھے مخاطب کیا۔

میں اس کے کمرے سے نکلا تو جی پر کچھ بوجھ سا تھا۔ ماریا کے ساتھ بہرحال میرا کچھ اچھا وقت گزرا تھا۔ اس نے مجھے قرب کے بہت سے نئے آداب سکھائے تھے۔

اس دن میں دفتر سے لوٹ کر آ رہا تھا تو راستے میں مولوی کفایت اللہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اب میں اس کا صرف پڑوسی نہیں باقاعدہ داماد بن چکا تھا اس لئے نظر بچا کر گزر جانا خلاف مصلحت بھی تھا اور ناممکن بھی۔ اقبال کا نابکار باپ مجھے "بالے" کہتا تھا' سو مولوی نے بھی مجھے اپنی دامادی میں قبول کرنے کے بعد اظہار شفقت کے لئے یہی ضروری سمجھا۔ قریب آتے ہی وہ کہنے لگا۔ "بالے میاں! آج مغرب کے بعد گھر آ جانا۔"

مولوی سے نگاہ ملاتے ہوئے میری ہوا خراب ہو رہی تھی۔ میں رک گیا تھا مگر دانستہ نظریں نیچے کئے کھڑا تھا۔ مولوی نے غالباً اسے میرا اظہار پشیمانی جانا۔

"ارے میاں! جو ہوا خاک ڈالو اس پر' تمہیں اس قدر پشیمان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اب اس بدذات مولوی کو میں یہ کیسے بتا دیتا کہ ہرگز کوئی ایسی بات نہیں۔ مجھے تو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا' کہیں وہ اقبال کی آنکھیں دیکھ کر یہ اندازہ نہ لگا لے کہ اس کے جسم پر میرا قبضہ ہے۔ جب وہ قبضہ چھوڑ دینے کے باوجود حقیقت تک پہنچ گیا تھا تو اس وقت کیسے چوک جاتا۔

اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس نے مزید کہا۔ "دیکھو میاں' اللہ کو جو منظور ہے' وہی ہوتا ہے۔" پھر مولوی نے خود ہی اپنے گھر بلانے کی وجہ بتا دی۔ "کل تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی اور میں نے تمہیں دم کر کے پانی پلایا تھا۔ میرے معمولات کا تو تمہیں علم ہو گا ہی۔ میں روزانہ بعد مغرب ضرورت مندوں کا روحانی علاج کرتا ہوں۔ جن لوگوں پر جنات....."

مولوی اپنی بکواس کرتا رہا اور میں بدستور نظریں جھکائے سنتا رہا۔ اس دوران میں میرا ذہن تیزی سے کوئی تدبیر سوچنے میں مصروف تھا۔ میں بھلا خود اپنی موت کا سامان کیسے کر لیتا۔ آخر مجھے ایک تدبیر سوجھ ہی گئی۔ میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں' شہناز کو بھیج دوں گا' آپ پانی دم کر کے دے دیجئے

گا۔"

"ٹھیک ہے....." وہ فوراً راضی ہو گیا۔ "صرف سات دن کا علاج ہے۔ انشاء اللہ پھر کبھی کوئی جن تمہارے قریب نہیں پھٹکے گا۔"

"بہتر ہے۔" یہ کہتے ہی میں اسے سلام کر کے یوں آگے بڑھا جیسے موت کے منہ میں جاتے جاتے بال بال بچا ہوں۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ اگر میں اس مولوی کو غچہ نہ دیتا تو خدا جانے وہ میرا کیا حشر کرتا۔ گھر میں داخل ہونے تک میں یہ سوچ چکا تھا کہ اب زیادہ ٹھنڈا کر کے کھانا قطعی مناسب نہیں۔ جتنی جلد ممکن ہو اپنا ٹیڑھا اُلو سیدھا کرو اور یہاں سے چمپت ہو جاؤ ورنہ کسی دن مولوی کفایت اللہ جیسا خطرناک آدم زاد پچھاڑ کر سینے پر چڑھ جائے گا۔

اسی روز میں نے اقبال کی بہن شہناز کے ذریعے نرگس کو پیغام بھجوانے کا فیصلہ کر لیا۔ مغرب کے بعد شہناز کو دم کیا ہوا پانی لینے مولوی کی حویلی جانا ہی تھا۔

نرگس کے حصول کی خاطر میں عرصہ دراز سے خوار ہو رہا تھا۔ میں ایک جن ہونے کے باوجود اپنی محبوبہ کا قرب حاصل نہیں کر سکا تھا۔ اس ناکامی کا اصل سبب مولوی کفایت اللہ ہی تھا۔ وہ کمبخت خزانہ حُسن پر کسی سانپ کی طرح پہریدار بنا بیٹھا تھا۔ خود نرگس کو بھی اس نے جنات سے بچاؤ کے جانے کتنے وظیفے سکھا رکھے تھے۔ وہ ظالم اتنی چنٹ تھی کہ اپنے قریب کسی جن کی موجودگی کو محسوس کر لیتی تھی۔ اقبال اس سے عشق لڑا رہا تھا اور وہ اقبال سے کہ میں درمیان میں کود پڑا۔ ظالم ایسی پاک دامن نکلی کہ میں اس کے حصول کی خاطر علیالیش سے اقبال بن گیا تو بھی مجھے شادی سے قبل ایک حد میں رکھا۔ نتیجتاً میں ٹاپتا رہ گیا۔ نکاح کے بعد اب وہ اقبال کی بیوی بن چکی تھی۔ اب نرگس کے پاس یہ کہنے کا جواز نہیں رہا تھا کہ شادی کے بعد ہی وہ مجھے حد سے گزرنے کا موقع دے سکتی ہے۔

صبر کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ میں نے نرگس کے لئے اب تک بہت صبر کیا تھا' صبر بھی قیامت کا۔ اب پیمانہ چھلکنے والا تھا۔

یہ تو حقیقت ہے کہ میں نے نرگس کا قرب حاصل کرنے ہی کی خاطر ایک آدم زاد کے جسم پر قبضہ کیا تھا مگر اب مجھے جن کی بجائے آدمی بن کر رہنے میں زیادہ مزہ آنے لگا تھا۔ جن ہونے کی حیثیت سے مجھے ایسی قوتیں حاصل تھیں کہ جو آدم زادوں کو میسر نہیں لیکن آدم زاد کی مجبوریوں میں بھی بڑا لطف تھا۔ ہزار خطرات کے باوجود بھی میں آدم زاد ہی بنا رہنا چاہتا تھا۔ نرگس کو تو یوں بھی میں' اقبال کے جسم کا سہارا لئے بغیر حاصل نہ کر پاتا۔

پھر میں نے شہناز سے پیغام بھجوا ہی دیا۔ وقت ملاقات وہی تھا' یعنی عشاء کے بعد جب دونوں گھروں میں "چھم چھام" ہو جائے۔

اس رات جب سبھی سو گئے تو میں چپکے سے چھت پر پہنچ گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نرگس مجھ سے پہلے اپنی چھت پر موجود تھی۔

"تم اِدھر آؤ گی کہ میں اُدھر آ جاؤں؟" میں نے اسے مخاطب کیا۔ میرے اور اس کے درمیان جو

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

چھوٹی سی دیوار حائل تھی اسے باآسانی عبور کیا جا سکتا تھا۔

"کل ہی تو ہمارا نکاح ہوا ہے اور آج ہی تم نے مجھے بلوا لیا۔"

"گزشتہ رات بھی بڑی مشکل سے کاٹی ہے۔ یقین کرو کہ....."

"ان فضول باتوں کو چھوڑو۔" وہ تیزی سے بولی۔ "کیا بات ہے' جلدی سے کہہ دو۔ ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' کہیں ان کی آنکھ نہ کھل جائے۔"

"اور میری طبیعت جو اتنے دن سے خراب ہے' اس کا تمہیں کوئی خیال نہیں۔" میں نے اس کا نرم و نازک ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں سنا تو تھا میں نے بھی کہ جب شریف بھائی سے میرا....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی' پھر خود ہی بولی۔ "نکاح ہونے والا تھا تو اچانک تمہاری طبیعت بگڑ گئی تھی۔ کوئی مجھے شاید یہ بھی بتا رہا تھا کہ ابا جی نے تمہیں دم کر کے پانی بھی پلایا تھا۔ میں تو سمجھی تھی کہ صدمے سے تمہاری طبیعت خراب....."

"وجہ یہی تھی۔" میں جلدی سے بول اٹھا۔ "پتا نہیں لوگ کیا کیا باتیں بنانے لگے۔" میں سمجھ گیا کہ اقبال کے جسم پر کسی جن کے قابض ہونے کی بات نرگس نے بھی سن لی ہو گی۔

"خیر یہ بتاؤ' اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ شہناز جو پانی تمہارے لئے دم کرا کے لئے گئی تھی' یقیناً پی لیا ہو گا تم نے۔ ناغہ نہ کرنا' ویسے تو ابا جی خود بھی خیال رکھیں گے۔"

مجھے اس ذکر سے چڑ ہو رہی تھی۔ شہناز پانی تو دے گئی تھی مجھے مگر ظاہر ہے' میں اسے کیوں پیتا۔ میں نے بات کا رخ بدلنے کی خاطر کہا۔ "میرا علاج تو تم ہو' مگر تمہیں اپنے بیمار کی خبر ہی نہیں۔" یہ کہہ کر میں نے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔

چاندنی رات میں نرگس کا حسن ایسا جادو جگا رہا تھا کہ مجھے خود پر قابو پانا محال ہو گیا۔ میں نے ایک ہی جست میں درمیانی دیوار عبور کر لی اور پھر نرگس کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ نکاح ہونے کے بعد اب وہ مجھ پر اور میں اس پر حلال ہو چکا تھا۔

انہی لمحات میں اچانک عقب سے مجھے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں چونک اٹھا۔ یہی حالت نرگس کی ہوئی تھی۔ وہ زینے کی طرف لپکی۔ ایک دوسرے کے لئے حلال یا جائز ہونے اور بے حیائی میں جو فرق ہے' نرگس کو یقیناً اس کا علم تھا۔

قدموں کی چاپ عقب سے آئی تھی۔ اس طرف اقبال کے گھر کی چھت تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہ شہناز تھی جو اب درمیانی دیوار تک پہنچ گئی تھی۔ میں نے دیوار پھاند کر اس تک پہنچنے میں دیر نہیں کی۔ پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ پوچھتا وہ بول اٹھی۔ "معلوم نہیں کیسے بڑے بھیا کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے آپ کا بستر خالی دیکھ کر اودھم مچا دیا۔ میں پہلے ہی سے جاگ رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ چھت پر ہیں۔ جلدی سے نیچے چلیں' ابھی تو امی جاگی ہیں' کہیں ابا بھی نہ جاگ اٹھیں۔" شہناز نے جلدی جلدی مجھے صورت حال سے آگاہ کیا اور الٹے قدموں لوٹ گئی۔

خدا تمہیں غارت کرے اقبال کے بڑے بھیا! افضال کو میں نے دل ہی دل میں کوسا اور شہناز کے

پیچھے لپکا۔ اقبال کے سب سے بڑے بھائی کا نام افضال تھا۔ اس سے چھوٹے کو نہال کہتے تھے۔ اقبال کا نمبر تیسرا تھا۔ نہال تو خیر میرے لئے پھر بھی قابل برداشت تھا' مگر افضال بڑا ہونے کا پورا فائدہ اٹھاتا تھا۔ اس کے لچھن بھی اچھے نہیں تھے۔ نہال تو سیدھے سبھاؤ رہتا مگر افضال جیب میں چاقو ڈالے پھرتا۔ اس کی صحبت اچھی نہیں تھی۔ اس کا مشغلہ محض آوارہ گردی تھا۔ مجھ سے تو جانے کیوں وہ خار کھاتا۔ اسی ملعون نے اس وقت رنگ میں بھنگ ملا دیا تھا۔ میں پیچ و تاب کھاتا ہوا زینے سے اترا۔ زینے سے ملا ہوا ہی بیت الخلا تھا۔

میں نے نیچے آتے ہی خاموشی سے بیت الخلا میں سرک لیا۔ فوری طور پر مجھے اپنے بستر سے غائب ہونے کا یہی بہانہ سوجھا۔ آنگن میں نیم تاریکی تھی اس لئے شاید کسی کی نظر مجھ پر نہیں پڑی کمروں کے اندر کی کچھ روشنی باہر آنگن میں بھی آ رہی تھی جو ناکافی تھی۔

"اری تو کہاں چلی گئی تھی کمبخت؟" میں نے اقبال کی امی رحیمن کی آواز سنی۔

"بالے ..... بالے بھائی کو ڈھونڈ رہی تھی۔" شہناز کی گھبرائی ہوئی سی آواز آئی۔

"مگر گئی کہاں تھی اسے ڈھونڈنے؟" رحیمن' شہناز ہی کو کھبا سمجھ کر نوچنے لگی۔

"چھت پر..... وہیں دیکھنے گئی تھی۔" شہناز کے منہ سے سچی بات نکل گئی۔

"اس وقت تو اسے چھت پر ڈھونڈنے گئی تھی۔" افضال کی بلند اور منحوس آواز سنائی دی۔ "تیرا دماغ تو درست ہے۔"

"آہستہ بول کمبخت! کہیں تیرے ابا نہ جاگ جائیں۔" رحیمن نے اپنے بیٹے کو ڈانٹا۔

"جاگ چکا ہوں میں ..... سب کچھ سن بھی لیا ہے میں نے۔" اقبال کے باپ افضل کی گرج ابھری۔ "جائے گا کہاں وہ' پیشاب وشاب کرنے گیا ہو گیا۔"

"پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا ابا! مگر وہ وہاں بھی نہیں ہے۔" افضال بول اٹھا۔

"لاؤ مجھے لالٹین دو' میں دیکھتا ہوں۔" ذرا ہی دیر بعد افضل کی آواز قدرے قریب سے آئی۔ وہ غالباً اپنے کمرے سے باہر آ گیا تھا۔

پھر میں نے قدموں کی چاپ قریب آتے سنی تو پاس ہی رکھے پیتل کے لوٹے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لوٹے میں پانی موجود تھا۔ میں نے بیت الخلا میں اپنی موجودگی ظاہر ہونے کی غرض سے زوردار آواز میں پانی نیچے گرایا۔

"سن لو کم بختو! وہ یہیں ہے۔" افضل تقریباً چیخ اٹھا۔ "اس بدذات افضال کو تو میں ابھی مزہ چکھاتا ہوں۔" قدموں کی چاپ اور آواز دور ہونے لگی۔ "سارے گھر کو جگا دیا کمبخت نے۔ اس پر جھوٹ بول رہا تھا کہ یہاں بھی دیکھ لیا' وہاں بھی دیکھ لیا۔"

اقبال کے بڑے بھائی کو اس کا باپ برا بھلا کہہ رہا تھا' اس سے مجھے خوشی ہی ہوئی۔ لوٹے سے پانی بہا کر میں بیت الخلاء سے باہر آ گیا اور پھر ہاتھ دھونے کے بعد ننھی معصوم جان بنا ہوا اندر کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں میں نے افضال کی "سزائی" ہوتے دیکھی۔ پھر رحیمن نے درمیان میں آ کر بیٹے کو شوہر کے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"پنجہ ستم" سے آزاد کرایا۔ میری طرف نظر اٹھاتے ہوئے افضال کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔ میں نے عین وقت پر بیت الخلاء سے اپنی "برآمدگی" ظاہر کر کے اسے جھوٹا ثابت کرا دیا تھا۔

جب رحیمن' افضل' نہال اور شہناز سبھی کمرے سے چلے گئے تو افضال نے مجھے مخاطب کیا۔

"بالے! میں تجھے دیکھ لوں گا ذلیل! تُو آدھے گھنٹے سے غائب تھا اور میں نے سارے گھر میں تجھے ڈھونڈ لیا تھا۔ بتا کہاں مر گیا تھا؟" میں اور افضال ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔

میں ایسا بن گیا جیسے میری آنکھ لگ گئی ہو۔ افضال کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ میں واقعی خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہوں' مصنوعی خراٹے بھی نشر کرنے لگا۔

"کمینگی مت دکھا' مجھے معلوم ہے تُو جاگ رہا ہے۔" افضال بولا بلکہ غرایا۔ وہ شاید اس لئے بھی مجھ سے جلتا تھا کہ میں کماؤ پوت تھا اور وہ نکما۔

پلکوں کے درمیان ذرا سی جھری بنا کر میں نے دیکھا تو پتا چلا کہ افضال اپنی چارپائی سے اٹھ کر میری طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کھلا ہوا چاقو تھا۔

"بب ..... بڑھے بھیا!" میں گھبرا کر بول ہی اٹھا کہ کہیں وہ ظالم اپنے چھوٹے بھائی کے چکر میں مجھے ہی نہ مار ڈالے۔ وہ اب میری چارپائی تک پہنچ گیا تھا۔

"چیخا چلایا تو گردن پر چاقو پھیر دوں گا۔" اس نے مجھے دہلانا چاہا۔ "اس لئے جو کچھ پوچھوں سچ سچ بتا دے۔ بول کہاں گیا تھا تُو؟"

بھلا کوئی کھلے ہوئے چاقو کے سامنے بھی جھوٹ بولنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ سو میں نے بتا دیا۔

"چھت ..... چھت پر گیا تھا۔" یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے مجھے چھت پر جانے کا بہانہ بھی سوجھ گیا۔ میں بہرحال کسی صورت یہ راز فاش نہیں کر سکتا تھا کہ چھت پر نرگس سے ملنے گیا تھا۔

"چھت پر۔" وہ حیرت سے بولا۔ "وہاں کیا کرنے گیا تھا؟"

"کل شام چھت پر میری اٹھنی گر گئی تھی' اسے ڈھونڈنے گیا تھا۔" میں نے سوچا ہوا بہانہ بنا دیا۔

"تو مل گئی تیری اٹھنی؟" افضال کے لہجے میں جیسے زہر ہی زہر بھرا ہوا تھا۔

"جی ..... جی نہیں بڑے بھیا!" میں گڑبڑا گیا۔ مجھے ایک اور بات بھی یاد آ گئی تھی جسے پہلے بہانہ بناتے ہوئے بھول گیا تھا۔

"تُو صفا صفا جھوٹ بول رہا ہے۔" وہ پُریقین آواز میں کہنے لگا۔ "تُو چھت پر نہیں گیا تھا' تجھے شہناز چھت پر بھی ڈھونڈنے گئی تھی' تُو وہاں نہیں تھا ..... ہاں ایک بات تو بتا' کل شام کو تو تجھے دولہا بنایا جا رہا تھا' پھر تُو چھت پر کب چلا گیا؟" اس نے آخر وہ بات کہہ ہی دی جو بہانہ کرتے ہوئے میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔

اب میں اسے کس طرح بتاتا کہ شہناز مجھے چھت پر ڈھونڈنے نہیں' خطرے سے آگاہ کرنے گئی تھی۔

"مجھے سونے دیں بڑے بھیا! صبح دفتر جانے کے لئے بھی جلدی اٹھنا ہے۔" میں نے یہ کہہ کر جان

چھڑانا چاہی کیونکہ میرے پاس اس کے سوال کا جواب نہیں تھا۔

"اچھا' ٹھیک ہے سو جا آج ..... نہ بتا اصل بات۔ کبھی تو آئے گا میرے بائیں پر۔" یہ کہتے ہی اس نے چاقو بند کیا اور اپنی چارپائی کی طرف چلا گیا۔

مجھے اس غم میں نیند نہیں آ رہی تھی کہ میرے دل کی کلی کھلتے کھلتے رہ گئی تھی۔ آج رات اگر عین وقت پر اقبال کا بڑا بھائی "بھڑنگ" نہ پھیلا دیتا تو مجھے نرگس کا قرب حاصل ہو ہی جاتا۔ نرگس کا خیال آیا تو ایک بار پھر میرے جذبات مچل اٹھے۔ اک ہجوم مہ وشاں میری آنکھوں میں گھوم گیا۔ ایک ایک کر کے مجھے وہ سبھی آدم زادیاں یاد آنے لگیں جو میری زینت آغوش بن چکی تھیں۔ پھر نہ جانے کیسے ہملا کا حسین چہرہ میری آنکھوں میں پھر گیا۔ نرگس کے بعد اگر کوئی آدم زادی میرے دل میں کھبی تھی تو یہی ہملا تھی۔ ہملا وہی تھی جو اپنے ایک کام سے دو روز قبل دفتر آئی تھی۔ اس کا پتا تو مجھے معلوم تھا' باقی کچھ نہیں۔

میں نے سوچا کہ فی الحال اقبال کے جسم میں رہتے ہوئے تو کسی آدم زادی کا حصول ممکن نہیں تو کیوں نہ علیالیش بن جاؤں۔ اقبال یہاں سوتا رہے گا اور میں کام دکھا کر پھر اس کے جسم میں آگھسوں گا۔ مجھے بھی ضد سی ہو گئی تھی کہ اقبال کے جسم کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک نرگس کو حاصل نہ کر لوں۔ اگر آج رات بات نہیں بنی تو پھر سہی۔ میں آخر کب تک لبِ دریا پیاسا رہوں گا۔ کبھی تو بجھے گی پیاس۔

اس رات علیالیش بن جانے کے خیال کو میں نے عملی شکل دینے میں زیادہ دیر نہیں کی۔ ہملا کا زیادہ آگا پیچھا معلوم کرنے کی یوں بھی کوئی ایسی خاص ضرورت نہیں تھی۔ اس کی ضرورت تو اس وقت پڑتی جب میں آدم زاد کے جسم میں اسے زیر کرتا۔ اس کے علاوہ یہ کہ وہ ایک ہندو لڑکی تھی' کسی مولوی کفایت اللہ کا مجھے خوف نہیں تھا۔

اقبال کے جسم سے نکلتے ہوئے مجھے تکلیف تو ہوئی لیکن میں اب پہلے ہی سے اس کے لئے آمادہ تھا۔ اقبال کے جسم کو جھٹکا لگا تھا اور میں باہر آ گیا تھا۔ میری توقع کے مطابق اقبال کے جسم کو جھٹکا لگنے سے اس پر غفلت طاری ہو گئی۔

اب میں' اقبال نہیں علیالیش تھا' ایک جن زاد۔ وہ علیالیش جو حیرت انگیز قوتوں کا مالک تھا۔ ایک جن کی حیثیت سے میں' نرگس کے پاس تو نہیں جا سکتا تھا مگر اب کسی اور آدم زادی کا قرب حاصل کرنا میرے لئے مشکل نہیں تھا۔

میں' اقبال کے گھر سے روانہ ہونے والا تھا کہ اچانک مجھے شرارت سوجھی۔ یہ شرارت ایک طرح سے انتقامی کارروائی بھی تھی۔ افضال نے مجھے بہت ستا رکھا تھا۔ سو میں نے اسے سبق سکھانے کا فیصلہ کیا۔ چھوٹا بھائی بن کر اکثر میں سوچتا کہ اللہ میاں' آدمی کو کتابلی بنا دے۔ مگر چھوٹا بھائی نہ بنائے۔ آدم زاد کی حیثیت میں افضال خبیث میرا بڑا بھائی بن بیٹھا تھا اور اسی ناتے میری ناک میں نکیل ڈال دی تھی۔ آج ہی رات اس لعنتی نے مجھے دھونسانے کے لئے چاقو نکال لیا تھا۔ اب میں جن زاد بن چکا تھا اس لئے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کوئی بھی قالب اختیار کر لینا میرے بس میں تھا۔

چند ہی لمحے بعد میں ایک سانپ بن گیا۔ افضال کے بستر میں گھستے ہوئے مجھے دیر نہیں لگی۔

افضال شاید ابھی پوری طرح سویا نہیں تھا' سرسراہٹ ہوئی تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی' چہرہ فق ہو گیا۔ میں سانپ کے قالب میں پھن کاڑھے اس کے بستر پر بیٹھا تھا۔ افضال کی نظریں مجھی پر جمی ہوئی تھیں کہ اچانک میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ کمرے میں لالٹین کی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اسی وقت میں نے افضال کے منہ پر اتنا زور دار تھپڑا مارا کہ اس کا چہرہ اِدھر سے اُدھر ہو گیا۔

"بول اب ڈرائے گا اپنے معصوم بھائی بالے کو؟" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اب میری آواز غیر انسانی تھی۔

"کک ..... کون ..... کون ہو تم؟" وہ خوفزدہ آواز میں بولا۔

"میں ایک جن زاد ہوں جسے تُو نے ابھی سانپ کے قالب میں دیکھا تھا۔ میرے سوال کا جواب دے' ستائے گا یا اب چاقو دکھا کر ڈرائے گا بالے کو؟"

"نن ..... نہیں' اب ..... اب کبھی اسے نہیں ستاؤں گا۔" اس نے گھبرا کر کہہ دیا۔

"اور سن' اگر تُو نے کسی سے میرا ذکر کیا تو گلا دبا دوں گا تیرا ..... اس طرح۔" میں نے اس کی گردن دبائی' پھر چھوڑ دی۔ "بول' کسی کو میرے بارے میں کچھ بتائے گا؟"

غالباً خوف کے سبب اس کی آواز نہیں نکلی اور اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اور جسم پر لرزہ طاری ہونے لگا تھا۔ اقبال کے "بڑے بھیا" کے لئے اتنی سزا کافی تھی۔ پھر میں وہاں نہیں رکا اور بملا کے بتائے ہوئے پتے پر روانہ ہو گیا۔

☆======☆======☆

شہر سے باہر ایک باغ کے قریب وہ ایک شاندار کوٹھی تھی جہاں میں پہنچا۔ قصہ اسی باغ کے کچھ حصے کا تھا۔ اس باغ کا خاصا حصہ بملا کے باپ راؤ بہادر بہاری لال نے اپنی کوٹھی کی حدود میں لے لیا تھا۔ زمین سرکاری تھی جس پر ظاہر ہے کہ ایل ڈی اے' یعنی ادارہ ترقیات لاہور کو اعتراض تھا۔ خطاب یافتہ ہندو اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر سرکاری زمین ہڑپ کر لینا چاہتا تھا۔ اس کے لئے جہاں دیدہ بہاری لال نے اوپری سطح پر اپنے اثر و رسوخ کے گھوڑے دوڑانے کی بجائے سیدھا سیدھا طریقہ کار استعمال کیا تھا۔ عموماً جو کام اوپری سطح پر ذرا مشکل ہوتے ہیں انہیں نچلی سطح پر بڑی آسانی سے نمٹا دیا جاتا ہے۔ بملا سے پہلی ہی ملاقات میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ راؤ بہادر نے اسے میرے پاس کیوں بھیجا ہے۔ وہ اس کام کے لئے اپنے کسی ملازم کو بھی بھیج سکتا تھا۔ اس کی لونڈیا نے بلا سبب تو نین بان نہیں چلائے ہوں گے۔ "صنف کرخت" کی بجائے اگر صنف نازک مسکرا کر کسی کام کو کہے تو بھلا کس دل سے آدمی انکار کر دے۔ وہ بھی بملا جیسی بیلے کی کلی۔ راؤ بہادر کے خلاف کارروائی رکوانا تو خیر میرے دائرہ اختیار میں نہیں تھا' ہاں اس فائل کو اِدھر اُدھر کر دینا ضرور بس میں تھا جس کے اندر یہ ثبوت و شواہد مع نقشوں کے موجود

تھے کہ راؤ بہادر نے سرکاری زمین پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ ابھی میں نے فائل غائب تو نہیں کی تھی مگر نیم رضامندی کا اظہار ضرور کر دیا تھا تاکہ وہ سندر نار چکر لگاتی رہے۔ اسے میں نے تین چار دن بعد آنے کو کہا تھا۔ اس وقت میرا ارادہ یہ تھا کہ کام کی "اجرت" وصول کر کے ہی یہ "فرض" انجام دوں گا۔ مجھے اس کے لئے کوئی راستہ بنانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ بملا کے انداز و اطوار بتا رہے تھے وہ خود راستہ دینے پر آمادہ ہے۔ یہ آدم زاد بھی کتنے گھٹیا ہوتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا۔ ایک "ہندو بچہ" زمین کے ایک معمولی ٹکڑے کی خاطر اپنی بیٹی کا "جلوہ" دکھانے اور اسے بطور چارہ استعمال کرنے کے لئے راضی ہو گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ راؤ بہادر کے پاس زمین اور جائیداد کی کوئی کمی نہیں ہو گی۔ وہ آخر انگریز حکومت کا خطاب یافتہ تھا اور انگریز حکومت کبھی ایسے ویسوں کو گھاس ڈالنے کی روادار نہیں تھی۔ میں جس کوٹھی کی حدود میں اس وقت داخل ہو رہا تھا' وہ بھی اسی کا ثبوت تھی۔ اگر آج رات نرگس نے مجھے تشنہ کام نہ چھوڑ دیا ہوتا تو میں یقیناً ابھی بملا کو تسخیر نہ کرتا۔ ہاں اس سے ایک آدم زاد کے روپ ہی میں ملتا۔ باتوں باتوں میں بملا سے میں نے یہ بھی پوچھ لیا تھا کہ ابھی وہ کنواری کنیا ہی ہے۔ یہ جاننے کے بعد اس کی طلب مزید بڑھ گئی تھی۔ اس وسیع و عریض کوٹھی میں جلد ہی میں نے بملا کی خواب گاہ تلاش کر لی۔

میں خواب گاہ کے دروازے ہی پر تھا کہ اندر سے خلاف توقع سرگوشیاں سنائی دیں۔ میں چونک اٹھا کہ اس وقت بملا کے پاس کون ہو سکتا ہے۔ خواب گاہ کا دروازہ بند تھا' مگر مجھے بملا اندر داخل ہونے سے کون روکتا۔

اندر پہنچتے ہی میں نے جو منظر دیکھا' وہ میرے لئے حیران کن ہی تھا۔ بملا کی خواب گاہ میں ہلکا نیلا بلب جل رہا تھا۔ بملا وہاں اکیلی نہیں تھی۔ ایک نوجوان بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نوجوان نے بملا کو اپنی آغوش میں سمیٹ رکھا تھا۔

"بملا! تم آخر کب راؤ بہادر جی سے بات کرو گی؟" اس نوجوان نے سرگوشی کی۔

"کیوں' اس طرح ملنے میں کیا برائی ہے؟" یہ کہتے ہوئے اچانک بملا نے نوجوان کے رخسار پر زور سے چٹکی بھر لی۔

نوجوان کے منہ سے سسکاری نکل گئی۔ پھر وہ بولا۔ "بڑی ظالم ہو تم۔" اس کے بعد وہ نوجوان' بملا کے چہرے پر جھک گیا۔

عین اسی وقت میں نے لپک کر اس نوجوان کی ٹانگ پکڑ لی اور پھر اسے مسہری سے نیچے گھسیٹ لیا۔ وہ کولہے کے بل زمین پر گرا اور منہ سے چیخ نکل گئی۔

"کیا ہوا راجندر!" بملا اٹھ کر بیٹھ گئی اور حیرت سے اپنے نوجوان عاشق کو دیکھنے لگی جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بھگوان جانے کیا ہوا۔" نوجوان راجندر اٹھتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو یوں جان پڑا جیسے کسی نے میری ٹانگ پکڑ کر....." پھر اس کی بات پوری نہ ہو سکی۔

وہ ایک بار پھر چیخ اٹھا اور دوبارہ منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ میں نے اسے پیچھے سے دھکا دے کر گرا

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

دیا تھا۔

"بھاگ جا ..... بھاگ جا یہاں سے۔" میں نے راجندر سے سرگوشی کی۔ "بملا تیری نہیں میری محبوبہ ہے۔"

"پپ ..... پرنت ..... تم کون ہو؟" راجندر کراہتے ہوئے ہکلایا۔

"میں پچھلے جنم میں اس کا پتی (شوہر) تھا۔" میں نے راجندر کو بتایا۔ مجھے ہندوؤں کی توہم پرستی اور آواگون کے متعلق سب کچھ معلوم تھا اسی لئے راجندر کو اُلو بنا رہا تھا۔ "بملا کے بنا میری آتما (روح) ویاکل تھی' سو ملن کو آگیا۔"

راجندر کے چہرے سے دہشت کا اظہار ہونے لگا۔ اس وقت تک بملا مسہری سے اتر آئی تھی۔ وہ اٹھ کر سیدھی کھڑی ہوئی تو مجھ پر ایک اور قیامت گزر گئی۔ اس کا سرخ و سفید جسم جیسے لو دے رہا تھا۔ بملا نے راجندر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟"

بملا کی بات پوری ہوئی تھی کہ میں نے بڑی زور سے اس کے بازو پر چٹکی بھرلی۔ اس کے منہ سے سسکاری ابل پڑی۔

"اسے بھگا دے بملا کہ اب میں آگیا ہوں۔ کیا تُو نے اپنے پتی کو بھلا دیا؟ اپنے سوہن کو بھول گئی؟" میری آواز بہت دھیمی تھی' اتنی کہ بملا ہی میرے الفاظ سن سکے۔

"پتی ..... سوہن؟" وہ حیرت زدہ ہو کر بڑبڑائی۔

"ہمارا ساتھ تو جنم جنم کا ہے پگلی!" میں بولا۔ "پچھلے جنم میں بھی ہم ساتھ تھے۔" ہندوؤں کے عقائد سے میں فائدہ اٹھا رہا تھا۔

بملا کے چہرے سے خوف کا اظہار ہونے لگا۔ اسے اپنی خواب گاہ میں یقیناً کسی غیر انسانی وجود کا احساس ہو چکا تھا۔

"اس جنم میں تیرے ملن ہی کے کارن تو میں پرلوک سے آیا ہوں۔" میں نے مزید کہا۔ "اب تجھے میرے سوا کوئی ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔ تُو میری پتنی (بیوی) ہے۔"

اتنے عرصے میں راجندر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ڈری ڈری سی آواز میں بملا کو مخاطب کیا۔ "میں ..... میں اب چلوں گا۔ تت ..... تم مجھے پچھلے گیٹ سے باہر نکال دو۔"

"ٹھی ..... ٹھیک ہے۔ پچ ..... چلو' میں ..... تمہیں چھوڑ آؤں۔" بملا نے جواب دیا۔

پھر میں خاموشی کے ساتھ ان دونوں کے ساتھ چلنے لگا کہ دیکھوں وہ ایک دوسرے سے کیا بات کرتے ہیں۔

مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے وہ دونوں کوٹھی کی عقبی سمت نکل آئے۔ اسی طرف باغ تھا جس کی زمین کوٹھی کی حدود میں شامل کرلی گئی تھی۔ عقبی پھاٹک تک پہنچتے ہوئے تو وہ دونوں خاموش ہی رہے' مگر وہاں رک کر بات کرنے لگے۔ گفتگو میں پہل راجندر نے کی۔ اب وہ خاصی حد تک شاید خود پر قابو پا چکا تھا۔

کتاب پر مت لکھیں
کتاب پر لکھنے والے ... بنائیے

"اب ..... اب میں تم سے نہیں ملوں گا بملا! ..... وہ تمہارے پچھلے جنم کے پتی کی آتما (روح) اب یہاں آنے لگی ہے۔ یہ ..... یہ ٹھیک بھی ہے۔ بھلا ایک پتی کی آتما اپنی پتنی کو کسی اور کی بانہوں میں کس طرح دیکھ سکتی ہے۔" راجندر بولا۔

"پر اس نے مجھ تک پہنچنے کے لئے کوئی روپ کیوں نہیں دھارا؟ اس جنم میں مجھ سے ملن کے لئے بھگوان نے اسے کوئی شریر (جسم) کیوں نہیں دیا؟" بملا کے لہجے میں الجھن تھی۔

"یہ سوال تو تم اس کی آتما ہی سے کرنا۔"

"تم سے اس نے کیا کہا تھا؟" بملا نے پوچھا۔

میں نے اپنے بارے میں راجندر کو جو کچھ بتایا تھا' اس نے کہہ دیا۔

"کل میں' پنڈت ہردیال جی کے پاس جاؤں گی۔ بھگوان کرے وہ میری سہایتا (مدد) کرنے پر راضی ہو جائیں۔ میں نے سنا ہے وہ بڑے گیانی ہیں۔ اس نے مجھے اپنا نام سوہن بتایا ہے پر مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں آ رہا راجندر! ..... اس طرح تو وہ ..... وہ مجھے کسی ....." بملا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

میں جان گیا کہ بملا کیا کہنا چاہتی ہو گی۔ اس آدم زادی کا اصل روپ مجھے نظر آگیا تھا۔ راجندر کے علاوہ بھی اس رئیس زادی نے یقیناً دوسرے عاشق بھی پال رکھے ہوں گے۔ ہر چند کہ وہ ایک بدکردار ہندو لڑکی تھی' پھر بھی اس کا حُسن انتہائی پُرکشش تھا۔ شاید اس نے خود کو بہت سنبھال سنبھال کر "خرچ" کیا تھا ورنہ اب تک ڈھل گئی ہوتی۔ اس کی عمر بیس بائیس برس سے زیادہ نہیں لگتی تھی۔ اتنی سی عمر میں غالباً اس نے زندگی کو خاصا برت لیا تھا۔ اس پر مجھے کچھ ملال تو ہوا لیکن ملال سے حاصل بھی کیا تھا۔ سب کچھ سمجھ لینے کے باوجود میں اس سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ اس لئے فکرمند تھی کہ میری وجہ سے اسے اپنے دوسرے عاشقوں کو بھی چھوڑنا پڑتا۔ ہندو پنڈتوں کے متعلق بھی میں نے عالم جنات میں بہت سی باتیں سنی تھیں کہ آدم زادوں کا یہ قبیلہ بھی بہت عیار اور کرتبی ہوتا ہے۔ کافر جنات کی طرح ان کافر پنڈتوں کے پاس بھی کچھ قوتیں ہوتی ہیں لیکن مسلمان عاملوں سے بہت کم۔ پنڈت اتنے خطرناک نہیں ہوتے جتنے مسلمان عامل ہوتے ہیں۔ اس پر بھی میں نے سوچا کہ تدارک ضروری ہے۔ کہیں مولوی کفایت اللہ کی طرح پنڈت ہردیال بھی آئندہ میرے لئے مسئلہ نہ بن جائے۔ بملا جیسی نازک اندام و حسین آدم زادی کو تو مستقل طور پر اپنے تصرف میں رکھا جا سکتا تھا۔

بملا کی ادھوری بات سن کر راجندر کہنے لگا۔ "تم بھی کمال کرتی ہو بملا! بھلا پچھلے جنم کی باتیں بھی کسی کو یاد رہتی ہیں۔ میں تو تم سے یہی کہوں گا کہ اس بیچ پنڈت ہردیال جی کو نہ لاؤ' کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے۔ اگر وہ تمہارے پتی کی آتما نہ ہوتی تو تمہارے ہی پاس کیوں آتی؟"

"کیا خبر وہ کوئی بھوت پریت ہو؟" بملا نے ایک اور شوشہ چھوڑا۔ جنات کو عموماً ہندو بھوت پریت ہی سمجھتے ہیں۔ بملا نے قطعی درست اندازہ لگایا تھا۔ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ظالم ذہین بھی تھی۔ اب وہ کہہ رہی تھی۔ "اگر وہ کوئی بھوت ہوا تو پنڈت جی اسے بھگا دیں گے۔ پھر وہ میرے پاس نہیں آئے گا۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"وہ اگر بھوت ہوتا تو اسے تمہارے پتی ہونے کا سوانگ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟" راجندر میرے حق میں بولا۔ وہ نرا گھامڑ تھا۔

"تاکہ میں اسے اپنا پتی مان لوں اور پھر وہ آگے بھی میرے شریر (جسم) سے کھیلتا رہے۔ پتی بننے کے ادھیکار (حق) کا اور کیا مطلب ہوا؟" اس کا یہ قیاس بھی بالکل صحیح تھا۔

"تم جانو لیکن اب میں اس سے تک تم سے نہیں ملوں گا جب تک وہ تمہارے پاس آتا جاتا رہے گا۔" راجندر نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

"شاید تم ڈر گئے ہو اس سے۔"

"ہاں' مار سے کون نہیں ڈرتا۔ اگر وہ کوئی بھوت بھی ہے تو ..... تو میرے اندر اس سے مقابلے کی ہمت نہیں۔ اب تم جلدی سے گیٹ کھول کر مجھے نکال دو۔ کہیں وہ بیڈ روم میں تمہارا انتظار کرتے کرتے یہیں نہ آ جائے۔" راجندر نے اپنی بزدلی کا اعتراف کر لیا۔

"بس نام کے مرد ہو تم۔" بملا نے اسے طعنہ دیا اور گیٹ کھولنے لگی۔

"اب تم جو چاہو سمجھ لو۔" راجندر یہ کہتا ہوا گیٹ سے نکل گیا۔

وہاں سے مجھے بملا کی خواب گاہ میں پہنچنے کے لئے چند ہی لمحے لگے۔ وہ ذرا دیر بعد خواب گاہ میں پہنچی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ وہ قدرے مضبوط اعصاب کی مالک تھی ورنہ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید اپنے پیروں پر کھڑی نہ رہ پاتی۔

میں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ میں اسے اٹھائے مسہری کی طرف بڑھا۔

"بملا!" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "تُو مجھے کوئی بھوت سمجھ رہی ہے نا؟"

"نن ..... نہیں تو۔" وہ ہکلائی۔

"جھوٹ بول رہی ہے تُو!" میں نے اسے مسہری پر لٹا دیا۔ "کیا ابھی راجندر سے تُو یہی نہیں کہہ رہی تھی' بھلا کسی آتما سے بھی کچھ چھپ سکتا ہے؟"

تو ..... تو تم ..... تم وہاں ساتھ ..... میرے ساتھ ساتھ تھے۔"

"نہیں' میں یہیں تھا مگر وہ ساری باتیں سن رہا تھا جو تُو راجندر سے کر رہی تھی۔ بے وفا! ایک ہی جنم میں اپنے سوہن کو بھول گئی۔" میری غیر انسانی آواز میں دکھ شامل ہو گیا۔ ایسا میں نے دانستہ اسے متاثر کرنے کی غرض سے کیا تھا۔ "تُو نے تو مجھ سے جنم جنم ساتھ رہنے کا وعدہ کیا تھا ..... اب اگر تُو مجھ سے ملن نہیں چاہتی تو ..... تو میں چلا جاتا ہوں لیکن یاد رکھ کہ پھر کسی سے بھی تیرا ملن نہیں ہو سکے گا۔ میں تجھ پر اپنا ادھیکار نہیں چھوڑوں گا۔ بول کیا کہتی ہے' میں جاؤں؟"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ بملا کچھ نہ بولی' پھر کہنے لگی۔ "سوہن! اگر تُو میرا پتی ہے تو پھر یہ بتا کہ تجھے بھگوان نے اس جنم میں جسم کے بغیر کیسے بھیج دیا؟" یہ وہی سوال تھا جو اس نے اپنے عاشق راجندر سے بھی کیا تھا۔

میں نے پہلے ہی سے اس سوال کا جواب سوچ رکھا تھا' سو فوراً بول اٹھا۔ "کیا تجھے یاد نہیں رہا کہ میں نے گھریلو حالات سے تنگ آ کے آتم ہتیا (خودکشی) کر لی تھی۔" وہ ہندو لڑکی تھی' میں اسی لئے اس سے دانستہ ہندی الفاظ بول رہا تھا۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میں نے مزید کہا۔ "جو لوگ آتم ہتیا کر لیتے ہیں' ان کی آتما کو ترنت (جلد) چین نہیں آتا۔ ان کی آتمائیں (روحیں) بھٹکتی رہتی ہیں۔ سو بھگوان نے مجھے یہ سزا دی کہ مجھ سے میرا شریر چھین لیا۔"

اس عرصے میں مجھے یہ محسوس ہو گیا تھا کہ جیسے بملا کو میری کہانی پر یقین آ رہا ہو۔

"تجھے تو پیا ملن کی آس نہ ہو گی' کیوں ہے نا؟" میں نے اسے خود سے قریب کر لیا۔ "مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ سن بملا! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اب کوئی اور میری جگہ نہ لے۔ مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکے گا۔ آج رات کے بعد اگر کسی کو میں نے تیرا پہلو آباد کرتے دیکھا تو اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ بھی جان لے کہ تُو کسی سے میرا ذکر نہیں کرے گی' چاہے وہ پنڈت ہردیال ہی کیوں نہ ہو۔" جنات عموماً آدم زادیوں کو یہی تاکید کرتے ہیں۔ اس کی وجہ خطرناک قسم کے آدم زادوں سے بچنا ہے' ایسے خطرناک آدم زاد جو جنات کو بھی مار ڈالتے ہیں۔ "بول کسی سے کچھ کہے گی تو نہیں؟"

لیکن وہ رات غالباً میری ناکامیوں کی رات تھی۔ میں آنے والے روح فرسا لمحات سے بے خبر دیار نشاط میں پہلا قدم رکھنے ہی والا تھا کہ میرے وجود کو شدید جھٹکا لگا۔ یوں جیسے کوئی مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔ اسی کے ساتھ جیسے میرا وجود شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ یہ تمام علامات ایک ہی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ میں پہلے کبھی کسی ایسی حالت سے گزرا تو نہیں تھا' مگر اس کے متعلق بزرگ جنات سے بہت کچھ سن رکھا تھا۔

میں خطرے میں گھر گیا تھا اور اس خطرے کی نوعیت سے بھی آگاہ تھا۔

میرے لئے اب وہاں ایک لمحے بھی رکنا ممکن نہیں تھا' پھر بھی میں نے بملا سے بمشکل کہا۔ "میں پھر آؤں گا' میرا انتظار کرنا۔"

"نہیں۔" اس کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آئی۔ "سو ..... سوہن! مجھے ..... مجھے یوں تڑپتا چھوڑ کر نہ جاؤ ..... سوہن!"

بملا مجھے آوازیں دیتی رہ گئی مگر میں نہیں رکا۔ عین وقت پر ایک آدم زاد نے مجھ سے لقمہ تر چھین لیا تھا' میری بساط نشاط الٹ دی تھی۔

میں اس سے بے خبر تھا کہ جس عذاب میں گرفتار کر دیا گیا ہوں اس کا تدارک کیسے ہو۔ اس موقع پر مجھے اپنا دوست یاسف یاد آیا۔ وہ ایک ایسے عالم جن سے واقف تھا جو اس سلسلے میں میری رہنمائی اور مدد کر سکتا تھا۔

رات کا وہ آخری پہر تھا جب میں جہانگیر کے مقبرے پہنچا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ یاسف مجھے وہاں نہیں ملا۔ ہاں یاسف کی بہن طرطبہ مجھے ضرور مل گئی۔ میں پہلے ہی اس جنیہ سے بچا بچا پھرتا تھا۔ وہ مجھے بالکل پسند نہیں تھی۔ میں نے اس سے معلوم کیا کہ یاسف کہاں ہے؟

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"وہ تو میں نہیں جانتی لیکن اے علیالیش! تُو اتنے دن سے کہاں غائب تھا؟" طرطبہ قریب آ کر کہنے لگی۔ "کیا تُو نے کوئی اور ٹھکانا ڈھونڈ لیا ہے؟"

"یہ ان باتوں کا وقت نہیں اے طرطبہ! میں شدید اذیت میں مبتلا ہوں۔" میں جلدی سے بولا۔

"تجھے کیا ہوا؟" طرطبہ نے ہمدردی کی۔

"کسی آدم زاد نے مجھے قابو میں کرنے کی خاطر شاید عمل شروع کر دیا ہے۔" میں نے بتا دیا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا اے علیالش! کب کی بات ہے یہ؟" طرطبہ فکرمندی سے بولی۔

"ابھی کچھ ہی دیر پہلے کی بات ہے کہ اچانک میرے وجود کو شدید جھٹکا....." میں نے اسے اپنی کیفیت سے آگاہ کر دیا۔

طرطبہ نے بھی تصدیق کر دی کہ میرا اندازہ بالکل درست ہے۔ پھر اس نے مجھے ہاموس سے ملنے کا مشورہ دیا۔ طرطبہ اس سے واقف تھی۔ ہاموس ایک ویران حویلی میں اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہتا تھا۔ یہ حویلی مغلوں کے وقت کی بنی ہوئی تھی اور اس کا بڑا حصہ منہدم ہو چکا تھا۔ طرطبہ مجھے ہاموس کے پاس لے گئی تو وہ اس وقت تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا۔ ہاموس راست باز جنہ (جن کی جمع عموماً لوگ اجنہ کر دیتے ہیں جو قطعی غلط ہے۔ اجنہ ہندی لفظ ہے جس کا مطلب وہ بچہ ہے جو ابھی نہ جنا گیا ہو۔ صحیح جنہ ہے۔) میں سے تھا۔ ہمیں انتظار کرنا پڑا کہ وہ نماز پڑھ لے۔ میری حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ طرطبہ نے مجھے سنبھال رکھا تھا۔ اس بہانے وہ مجھ پر اپنی محبت بھی نچھاور کرتی جا رہی تھی۔ "ہمت سے کام لے اے علیالیش کہ خدا بہتر کرے گا۔" وہ مجھ سے مخاطب تھی۔

مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں جل رہا ہوں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہ کوئی اَن دیکھی طاقت مجھے اپنی جانب کھینچ رہی ہے۔

خدا خدا کر کے ہاموس نے سلام پھیرا اور پھر دعا مانگنے لگا۔ جب وہ دعا مانگ چکا تو طرطبہ نے اسے مخاطب کیا۔ "اے ہاموس! اے اللہ کے نیک اور فرمانبردار! یہ علیالیش ہے' میرے بھائی یاسف کا دوست! تُو اس کی حالت دیکھ' کسی آدم زاد نے شاید اسے عذاب میں گرفتار کر دیا ہے۔"

ہاموس میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ "کہیں تُو آدم زادوں کی بستی میں تو نہیں رہنے لگا؟"

"ہاں میں وہیں کچھ دن سے ہوں۔" میں نے اپنی تکلیف پر قابو پاتے ہوئے اقرار کیا۔

"تو پھر جیسا کیا ہے بھگت! کیا تجھے خبر نہیں یا کسی نے نہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدمؑ کو اشرف المخلوقات بنایا ہے؟ تیرے اپنوں میں سے کسی نے تجھے یہ تاکید نہیں کی کہ آدم زادوں سے دور رہنا چاہئے؟" ہاموس بولا۔

"اے ہاموس! مجھ سے غلطی ہو گئی لیکن وہ کہ جسے تُو اشرف المخلوقات کہہ رہا ہے' کیا اسے یہ جائز ہے' اللہ کی دوسری مخلوقات کو ضرر پہنچائے؟" مجھے غصہ آنے لگا۔

"بلا سبب کچھ نہیں ہوتا۔ یقیناً تُو نے کسی آدم زاد کو اپنا نام بتایا ہو گا۔ جب تک کسی آدم زاد کو جن زاد کا نام معلوم نہ ہو' وہ آدم زاد تسخیر جن کا وظیفہ نہیں کر سکتا۔ تیری جو حالت ہے مجھ سے چھپی

نہیں۔ کسی آدم زاد نے تجھے اپنا مطیع بنانے کی غرض سے وظیفہ شروع کر دیا ہے۔ ایسے وظائف رات کے مختلف اوقات میں کئے جاتے ہیں۔ تُو مجھے یہ بتا کہ کب سے تیرا یہ حال ہے؟" ہاموس نے آخر میں سوال کیا۔

جو حقیقت تھی میں نے بیان کر دی' مگر یہ نہیں بتایا کہ جب میری یہ کیفیت ہوئی تو میں کہاں تھا۔

"تو پھر یہ وظیفہ مختصر وقت کے لئے ہے۔ صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی تیری حالت سنبھل جائے گی۔"

"لیکن میں اس وقت تک یہ اذیت کس طرح برداشت کروں اے ہاموس!" میں نے کہا۔ "جلا جا رہا ہوں میں۔"

"میں تیری تکلیف ختم تو نہیں کر سکتا' ہاں کم کرنے کی تدبیر بتاتا ہوں۔ پاک صاف ہو کر تُو نماز پڑھنے کھڑا ہو جا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے دعا کر۔ اللہ کی پناہ میں پہنچ جائے گا تو کوئی آدم زاد تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے اے ہاموس! لیکن اس آدم زاد کا سراغ کیسے لگایا جائے کہ جو علیالیش کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہے؟ پھر اسے روکا کیسے جائے؟" طرطبہ بول اٹھی۔

"تیرے ان سوالوں کے جواب اس وقت ممکن نہیں۔ اس کے لئے مجھے علیالیش سے تفصیلی گفتگو کرنا پڑے گی تبھی کچھ کہہ سکوں گا۔ فی الحال یہ اس قابل نہیں' اسے صبح فجر کے بعد میرے پاس بھیج دینا۔ خدا حافظ!" ہاموس بولا۔ "اب جاؤ' میں آرام کر رہا ہوں۔"

سخت اذیت کی حالت میں مجھے طرطبہ کے ساتھ واپس آنا پڑا۔

نماز میں نے صرف اپنے بچپن میں پڑھی تھی لیکن اس وقت واقعی خدا یاد آ رہا تھا۔ ہاموس کے مشورے پر عمل کرنا گویا میری مجبوری تھی۔ طرطبہ مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئی کہ میں یادِ الٰہی میں مصروف ہو سکوں۔ پھر جیسے ہی میں نے نماز کے لئے نیت باندھی اور اپنا دھیان خالق حقیقی کی طرف لگایا' تکلیف کم ہونے لگی۔ نماز پڑھتے ہوئے مجھے سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔

صبح ہونے تک میں نماز پڑھ پڑھ کر دعا مانگتا رہا۔ فجر کے وقت مجھے یوں لگا جیسے بھڑکتے شعلے ایک دم سرد پڑ گئے ہوں۔ مجھ پر نیم غشی سی طاری ہو گئی۔

مجھے بیدار کرنے والی طرطبہ ہی تھی۔ وہ کہنے لگی۔ "اب تیرا کیا حال ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تُو ہاموس سے ملنے نہیں جائے گا؟" طرطبہ بولی۔

"میں تو خیر ہاموس کے پاس چلا جاتا ہوں اے طرطبہ! لیکن تُو میرے ساتھ نہ چل' وہ پھر وعظ کرنے لگے گا۔"

"لوٹ کر تو آئے گا تُو اس کے پاس سے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔" میں اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"رنج تو مجھے یہ ہے اے علیالیش کہ تجھے شاید اب تک میری محبت پر یقین نہیں آیا۔" طرطبہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔

"یہ تجھ سے کس نے کہہ دیا' میں بھی تجھے چاہتا ہوں۔" میں نے جھوٹ بول دیا۔

"تو پھر کیوں بھاگتا ہے مجھ سے؟"

"میں اپنے دوست یاسف سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اسے کوئی شبہ نہ ہو جائے ..... اچھا یہ بتا یاسف لوٹ کر آیا؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں' وہ کل رات سے کہاں چلا گیا ہے۔ میں تو اسے دور دور ڈھونڈ آئی' نہیں ملا۔" پھر وہ کہنے لگی کہ مقبرے سے متصل باغ میں میری واپسی کا انتظار کرے گی' میں ہاموس سے مل کر سیدھا وہیں پہنچوں۔

طرطبہ سے جان چھڑانے کے لئے میں نے ہامی بھرلی اور وہ چلی گئی۔

طرطبہ کے جاتے ہی میں ہاموس کے پاس پہنچ گیا۔

"تُو خاصی دیر سے آیا۔" ہاموس مجھے دیکھتے ہی بولا۔

میں نے وجہ بتا دی۔

"تو پھر تُو نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔"

"پڑھتا کہاں سے اے ہاموس! تجھے میں نے بتایا نا کہ مجھ پر نیم غشی سی طاری ہو گئی تھی۔"

"خیر اب قضا پڑھنا۔" اس کی آواز میں تاکید تھی۔ "جس طرح اہل ایمان آدم زادوں پر پانچوں وقت کی نماز فرض ہے' جنات بھی اس سے مبرا نہیں ہیں۔" پھر اس سے پہلے کہ میں' ہاموس کی نصیحتوں سے بیزار ہو جاتا وہ خود ہی اصل موضوع کی طرف آ گیا۔ "تجھے میں ایک وظیفہ تعلیم کرتا ہوں۔ یہ وظیفہ تجھے تین راتوں تک بعد نماز عشاء زوال کے وقت سے پہلے پہلے تک پڑھنا ہے۔ تجھ پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ تجھے کون آدم زاد اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہے۔"

"تو کیا اس سے پہلے مسلسل تین راتوں تک مجھے گزشتہ رات ہی کی طرح اذیت سے گزرنا پڑے گا؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں' اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں۔ اذیت کے وقت تجھے وہی تدبیر کرنا پڑے گی جس پر پچھلی رات عمل کر چکا ہے۔"

کہاں تو میں نماز سے بھاگتا تھا اور کہاں اب ہاموس ساری ساری رات نماز پڑھنے کو کہہ رہا تھا' میں بری طرح پھنس گیا تھا۔

"اور سن اے علیالیش! تین دن اور رات کو تُو کسی جنیہ سے نہیں ملے گا اور نہ آدم زادوں کی کسی آبادی کا رخ کرے گا۔ اس کے علاوہ فضول گوئی سے بھی تجھے اجتناب کرنا پڑے گا۔ تیرے لئے بہتر یہی ہے کہ تُو اس عرصے میں صرف یاد خدا کرے۔ اگر تُو نے ان شرائط کا خیال نہ رکھا تو وظیفہ بے اثر ہو جائے گا۔"

مجھے کسی جنیہ سے ملنے کی ہرگز طلب نہیں تھی کہ میں تو آدم زادیوں کا رسیا تھا۔ کہاں جنیہ اور کہاں آدم زادی۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ایسی صورت میں کہ جب ایک آدم زاد مجھے زیر دام لانے کے چکر میں تھا' آدم زادوں کی آبادی کا رخ کرنا بھی میرے لئے خطرناک تھا۔ سو میں نے ہاموس کی شرائط مان لیں' وہ شرط بھی کہ جو میرے لئے ناممکن سی تھی' یعنی ہر وقت یاد خدا۔ مجھے کم از کم دو آدم زادیاں تو یاد آتیں' ایک تو نرگس اور دوسری بملا۔ میں ان دونوں ہی کے لمس سے آشنا ہو چکا تھا۔ اب ہاموس مجھ سے یہ معلوم کر رہا تھا کہ کہیں بھول چوک میں کسی آدم زاد کو میں نے اپنا تو نام نہیں بتا دیا؟

وہ ایک ہی آدمی تھا کہ جسے مجبوراً مجھے اپنا نام بتانا پڑا تھا' یعنی مولوی کفایت اللہ۔ مجھے یاد تو آ گیا مگر ہاموس کے روبرو میں نے اس کا اقرار نہیں کیا۔ میں اگر مولوی کا نام بتا دیتا تو پھر سارا ہی راز کھل جاتا۔ ہاموس مجھ سے سب کچھ پوچھ لیتا۔ اگر وہ یہ سوال کرتا کہ میں کس لئے مولوی کی حویلی میں گیا تھا تو کیا جواب دیتا۔ ہاموس سے زیادہ جھوٹ بولنا بہرحال مناسب نہیں تھا۔ اسے شک ہو جاتا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں تو پھر شاید وہ میری مدد نہ کرتا۔

"تُو یاد کرتا رہ' ممکن ہے تجھے اس آدم زاد کا نام یاد آ ہی جائے۔" ہاموس نے میرا انکار سن کر کہا۔ "یقیناً کبھی نہ کبھی تُو نے کسی آدم زاد کو اپنا نام ضرور بتایا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تیرا نام جانے بغیر تیرے لئے وہ عمل نہ کر پاتا۔"

"اے ہاموس! میں کوشش کروں گا کہ ایسے کسی آدم زاد کا نام یاد آ جائے۔" میں نے اسے یقین دلایا۔ اسی کے ساتھ میرے ذہن میں ایک اور تدبیر بھی آ رہی تھی۔

"دیکھ' اگر اس کا نام معلوم ہو گیا تو پھر اسے وظیفہ کرنے سے روکا جا سکتا ہے۔" ہاموس کہنے لگا۔

معلوم نہیں کیوں میں یہ بات ماننے پر آمادہ نہیں تھا کہ ہاموس جس طرف اشارہ کر رہا ہے' وہی درست بات ہے۔ مولوی کفایت اللہ بھلا کیوں مجھے قابو میں کرنے کو وظیفہ پڑھتا۔ وہ اس طرح کا آدمی نہیں تھا۔ اس سے بظاہر رنجش کو تو ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ مولوی تو اس قدر عہد کا پابند تھا کہ سب کچھ جان لینے کے باوجود بھی وہ اپنی زبان سے نہیں پھرا تھا۔ مجھے اور یاسف کو اس نے قابو میں کرنے کے باوجود رہا کر دیا تھا۔ اسے اگر کوئی انتقامی کارروائی بھی کرنا ہوتی تو اب تک کر چکا ہوتا۔

"تُو چپ کیوں ہو گیا؟" ہاموس نے مجھے ٹوکا۔ "کہیں تجھے ملیقا کی بیٹی طرطبہ کا خیال تو نہیں آ گیا؟ وہی جو تجھے میرے پاس لے کر آئی تھی۔"

مجھے یاد آیا کہ طرطبہ مجھ سے ملنے کا وعدہ لے چکی ہے۔ سو میں نے کہا۔ "ہاں اے ہاموس' خیال اسی کا آیا تھا۔ اس وقت بھی وہ مقبرے سے متصل باغ میں میری واپسی کی منتظر ہو گی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وظیفہ پورا ہونے تک میں بھی اسی حویلی کے کسی حصے میں پڑ رہوں؟"

"آں ہاں' کیوں نہیں۔ یہ بہت بڑی حویلی ہے' تُو یہاں عارضی طور پر رہ سکتا ہے' میں حد قائم کر دوں گا کہ تجھے کس مقام سے آگے نہیں بڑھنا۔ وجہ یہ کہ یہاں میری بیٹیاں بھی ہیں۔" ہاموس مجھے اس

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

حویلی میں رکھنے پر آمادہ ہو گیا' پھر کہنے لگا۔ "طرطبہ کو میں خود ادھر آنے سے منع کر دوں گا۔"

پھر ہاموس مجھے اپنے ساتھ اٹھا کر لے گیا۔ حویلی کا وہ ایک ٹوٹا ہوا کمرہ تھا جس کی صرف ایک دیوار اور تھوڑا سا حصہ گرنے سے بچ گیا تھا۔

"تُو یہاں یاد الٰہی میں مصروف ہو جا۔" ہاموس کہنے لگا۔ "آج رات عشاء کے بعد تجھے جو وظیفہ زوال کے وقت سے پہلے تک پڑھنا ہے' وہ یہ ہے' یاد کر لے۔"

ہاموس مجھے عربی کی وہ آیات یاد کرانے لگا جو مجھے پڑھتے رہنا تھیں۔ پھر جب مجھے وظیفہ یاد ہو گیا تو اس نے ان حدود کا تعین بھی کر دیا جہاں سے آگے بڑھنا میرے لئے ممنوع تھا۔

جب ہاموس مجھے اس جگہ چھوڑ کر چلا گیا تو میں سوچنے لگا' جنات کو عموماً وہی لوگ قابو میں کرنے کی خاطر وظیفے پڑھتے ہیں جنہیں یا تو دوسروں پر اپنی علمیت کا رعب جمانا ہوتا ہے کہ طالع جنات کے ذریعے اپنی "کرتب بازی" دکھا سکیں یا پھر ایسے آدم زاد ہوتے ہیں جنہیں مال و متاع کی طلب ہو۔ اس کے علاوہ ایسے عالم بھی کہ جنہیں کوئی جن ستائے تو انتقاماً اسے اپنا مطیع بنا لیں۔ مولوی کفایت اللہ کو نہ تو کرتب دکھانے کا شوق تھا' نہ مال مفت کی خواہش۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ رزق حلال کے حصول کی خاطر کپڑے کی دکان کھول کر نہ بیٹھتا۔ وہ تو روزانہ فی سبیل اللہ خلق خدا کی خدمت کرتا تھا' وہ کوئی پیشہ ور قسم کا مولوی ہوتا تو میں اس سے اتنا نہ ڈرتا ایسے مولوی ہم جنات کے لئے خطرناک نہیں ہوتے۔ ہاموس سے بات کرتے ہوئے مجھے یہ تدبیر سوجھی تھی کہ اگر واقعی کسی سبب مولوی کفایت اللہ ہی میرے لئے وظیفہ پڑھ رہا ہے تو یہ معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں۔ میں تکلیف و اذیت کے باوجود مولوی کی حویلی میں گھسنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا۔ مولوی کو وظیفہ کرتے دیکھ کر میں لوٹ آتا۔ اس سے کم از کم میرے خیال کی تردید یا تائید تو ہو جاتی۔ پھر یہ کہ ایک نظر اس غارت گر ہوش پر بھی ڈال آتا جس کے عشق نے میرا یہ حال کر دیا تھا۔

جیسے تیسے وہ دن گزرا۔ مجھے شدت سے رات ہونے کا انتظار تھا۔ رات آئی تو عشاء کے بعد سے میں نے وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا اور نصف شب سے پہلے تک پڑھتا رہا۔ ہاموس نے وظیفے کے لئے جو شرائط عائد کی تھیں' ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ میں آدم زادوں کی کسی آبادی کا رخ نہیں کروں گا۔ میں نے سوچا' وظیفہ تو اسی لئے کر رہا ہوں کہ خود کو مطیع بنانے والے تک پہنچ سکوں۔ اگر اس کے لئے کوئی اور راستہ مل گیا ہے تو مجھے کوشش ضرور کرنا چاہئے۔ اس طرح ایک ہی رات تو رائیگاں جائے گی' وظیفہ آئندہ رات سے از سر نو شروع کیا جا سکتا ہے۔ جو ہو گا' دیکھا جائے گا۔ میں یہ سوچ کر شہری آبادی کی طرف روانہ ہو گیا۔

ابھی میں شہر پہنچ کر بھاٹی دروازے کی حدود میں داخل ہوا ہی تھا کہ گزشتہ شب کی طرح میرے وجود کو زبردست جھٹکا لگا اور پھر جیسے میں شعلوں میں گھر گیا۔

جلنے جھلسنے کے باوجود میں رکا نہیں اور حوصلہ کر کے مولوی کفایت اللہ کی حویلی میں داخل ہو گیا۔ جس آدم زاد نے مجھے اپنا غلام بنانے کے لئے گزشتہ رات سے وظیفہ شروع کیا تھا' وہ آج رات بھی وظیفہ

کرنے بیٹھ چکا تھا۔

مولوی کفایت اللہ کا کمرہ پہلے پڑا اور اسے بے خبر سوتے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ میرا مجرم نہیں تھا۔ میرا قیاس قطعی درست ثابت ہوا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے مولوی کفایت اللہ کے سوا کسی آدم زاد کو اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ پھر وہ کون ملعون آدم زاد ہے جو میری جان' کا درپے ہو گیا ہے؟ میں نے انتہائی اذیت برداشت کرتے ہوئے سوچا اور چکرا کے رہ گیا۔

اب اس اذیت کو برداشت کرنے کی صرف اور صرف ایک ہی صورت تھی کہ گزشتہ رات کی طرح ہاموس کے مشورے پر عمل کرتا اور نماز پڑھنے لگتا' مگر آدم زادوں کی بستی میں میرے لئے ہر طرف خطرہ ہی خطرہ تھا۔ مجھے اپنے ٹھکانے ہی پر پہنچ کر نماز پڑھنا تھی۔

عشق اور کسی آدم زادی کا عشق بڑی بری بلا ہے۔ اسی حویلی میں نرگس بھی تھی' میری محبوبہ نرگس۔ شدید تکلیف اور اذیت سے گزرتے ہوئے بھی میں ایک نظر اسے دیکھنے کی آرزو پر قابو نہ پا سکا۔ دیار تک آ کر یوں لوٹ جانا بھلا کیسے ممکن تھا۔ پھر اسی آرزو نے جیسے میرے جلتے ہوئے وجود کو اور جلا ڈالا۔ نرگس کا بستر خالی تھا۔

عین اسی لمحے کسی نے مجھے میرا نام لے کر پکارا اور میرے وجود میں انگارے ہی انگارے بھر گئے.....

اس آواز میں بڑا ہی غرور و تکبر تھا اور وہ میرے لئے اجنبی آواز نہیں تھی۔ میں اسی لئے تو کھول اٹھا تھا۔ مجھے میرا نام لے کر پکارنے والا ایک جن زاد ہی تھا' میرا دوست اور میرا رقیب یاسف۔ وہ مجھ سے مخاطب تھا۔ "تُو کسے ڈھونڈ رہا ہے یہاں؟"

میں تیزی سے پلٹا۔ سامنے ہی یاسف موجود تھا۔ "یہاں تُو کیسے؟" اپنے غصے اور اذیت پر قابو پاتے ہوئے میں نے یاسف سے پوچھا۔

"یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے۔" اس کی غیر انسانی آواز میں تمسخر تھا۔ "کیا یہاں میرے آنے پر پابندی ہے؟ تُو اگر ایک مدت تک اقبال کے جسم پر قبضہ کر کے عیش اڑا سکتا ہے تو میں ایسا کیوں نہیں کر سکتا۔ میں نے بھی کل رات موقع ملتے ہی اقبال کے جسم کو اپنا لیا۔ مجھے تو ایک مدت سے انتظار تھا کہ تُو کب اس آدم زاد کے جسم سے نکل کر کہیں جائے اور کب میں اس کے قالب میں اتر جاؤں۔ نرگس کو میں نے آج رات کے لئے اقبال کی بہن سے پیغام بھجوا دیا تھا۔ وہ اب تیری نہیں' میری بیوی ہے اور آدم زاد بیویاں اپنے شوہر کی بڑی فرماں بردار ہوتی ہیں۔ نرگس ابھی ذرا دیر پہلے مجھ سے ملنے چھت پر گئی ہے۔ اس کے باوجود مجھے تیری طرف سے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں تُو نہ آ جائے۔ میں نے اسی لئے اقبال کے جسم سے باہر آنے کی تکلیف اٹھائی اور یہاں آ گیا کہ اگر تُو واقعی آ ہی جائے تو حقیقت سے آگاہ کر دوں۔ اب میں چلا اور تُو بھی جا۔ میرے اور نرگس کے درمیان دیوار نہ بن۔" یاسف مڑا۔

"ٹھہر جا اے یاسف!" میں بول اٹھا۔ "مت بھول کہ نرگس سے باقاعدہ میرا نکاح پڑھایا جا چکا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"تیرا نکاح۔" وہ ہنس پڑا۔

"کیوں' کیا کسی جن زاد سے ایک آدم زادی کا نکاح نہیں ہو سکتا؟" میں نے بحث کی۔

"مجھے بھی یہ معلوم ہے' یہ کوئی نئی بات نہیں۔ عالم ہاموس نے مجھے ایک دفعہ ایک جنیہ اور ایک آدم زاد کے نکاح کا قصہ سنایا تھا اور شرعاً اسے جائز قرار دیا تھا' ایسی صورت میں کہ دونوں اہل ایمان ہوں لیکن یہ معاملہ مختلف ہے۔ نرگس قطعی لاعلم تھی کہ اقبال کے جسم میں تُو ہے۔ اس نے تجھ سے نہیں اپنے آدم زاد محبوب اقبال سے نکاح کی ہاں بھری تھی۔ سو پھر وہ کس طرح تیری بیوی ہو گئی؟ مجھے مسئلے مسائل سمجھانے کی کوشش نہ کر اے علیالیش! اب تُو نرگس کو بھول جا اور اپنی جان کی خیر منا۔ میں جانتا ہوں کہ تو گزشتہ رات سے کس عذاب میں گرفتار ہے' پہلے کسی آدم زاد کے قبضے میں جانے سے بچنے کی سبیل کر۔ اس وقت تک مجھے عیش کرنے دے۔ اگر تُو کسی آدم زاد کی گرفت میں آنے سے بچ گیا تو پھر دیکھا جائے گا۔ میرے لئے تین راتیں بہت ہیں۔ تیری طرح میں دیوانہ نہیں ہوں کہ کسی ایک ہی آدم زادی پر اکتفا کر لوں۔ تُو میرا دوست ہے اسی لئے وعدہ کرتا ہوں کہ جلد ہی نرگس کو چھوڑ دوں گا۔ پھر تُو چاہے تو دوبارہ اقبال کو تختہ مشق بنا لینا۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"لعنت بھیجتا ہوں میں تجھ پر اور تیری دوستی پر۔" میں چیخ اٹھا۔ میرے چیخنے سے حویلی کے در و بام گونج اٹھے۔

اسی وقت مولوی کفایت اللہ کے کمرے کی طرف سے تیز آواز میں کلمہ پڑھنے کی آواز آئی۔ یقیناً وہ جاگ اٹھا تھا۔

اب میرا وہاں رکنا اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ مولوی کی صورت میں ایک فتنہ بیدار ہو چکا تھا۔ میں بھاگ اٹھا اور بھاگتے بھاگتے نرگس کو دیکھا جو تیزی کے ساتھ صحن عبور کر کے اپنے کمرے کی جانب لپک رہی تھی۔ یاسف مجھ سے پہلے ہی خطرے کی بو سونگھ کر غائب ہو گیا تھا۔

میں تو شدید غصے کے عالم میں خود پر قابو نہ پا کر چیخ اٹھا تھا۔ مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ میرے چیخنے کا ردعمل یہ ہو گا۔ جو کچھ ہوا میرے حق میں تھا۔ اس طرح کم از کم نرگس ایک رات کے لئے تو یاسف سے محفوظ ہو گئی تھی۔ گزشتہ شب اسے پیغام بھیج کر میں نے بلایا تھا اور آج رات یاسف نے ایسا کیا تھا۔ نرگس بے خبری میں گویا اپنے محبوب کے بلاوے پر آ رہی تھی' وہ محبوب جو اب اس کا شوہر بھی تھا۔ اگر یہ رشتہ درمیان میں نہ ہوتا تو یقیناً دوسری ہی رات وہ چھت پر نہ پہنچ جاتی۔ میرے چیخ اٹھنے سے مولوی کفایت اللہ کی طرح وہ بھی گھبرا گئی تھی اور غالباً اسی لئے اپنے شوہر سے ملے بغیر لوٹ آئی تھی۔ اقبال اس کا شوہر سہی لیکن وہ بہرحال ایک باعزت گھرانے کی بیٹی تھی۔ کوئی باغیرت آدم زادی نکاح ہونے کے باوجود اپنی رسوائی برداشت نہیں کرتی۔ آدم زاد خلوت اور جلوت کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ جنات کی اکثریت کی طرح ابھی وہ بے حیا نہیں ہوئے۔ میں جوان ہوتے ہی آدم زادوں کی آبادیوں میں آنے جانے لگا تھا مجھے اسی لئے ان تمام باتوں کا علم تھا۔ اس کے علاوہ مجھے ایک آدم زاد کے جسم میں رہنے کا بھی تجربہ ہو چکا تھا۔ سو آدم زادوں کے بارے میں مجھ سے زیادہ معلومات کسے ہوتیں۔ اس رات

جب میں شہر سے باہر ویران حویلی میں پہنچا تو میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ شدید تکلیف و اذیت کی وجہ سے بمشکل میں نماز کی نیت باندھ سکا۔ رفتہ رفتہ اذیت کم ہونے لگی۔ پھر بھی مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے صبح نہیں ہو گی۔

فجر کی اذان کہیں دور سے سنائی دی۔ اسی کے ساتھ میں ڈھے گیا میرا وجود اب لپکتے ہوئے شعلوں کے درمیان سے نکل آیا تھا۔

خاصی دیر کے بعد نیم غنودگی کے عالم میں مجھے ہاموس کی آواز سنائی دی۔ "اے علیالیش' اٹھ۔" ہاموس کی آواز سے خفگی جھلک رہی تھی۔

"کیا ہوا اے ہاموس تُو مجھ سے کچھ ناراض لگتا ہے؟" میں جواباً بولا۔

"ہاں' میں تجھ سے خفا ہوں۔ تُو یہاں سے چلا جا۔"

"مگر میرا قصور بھی تو بتا۔"

"تُو عہد شکن ہے اور عہد توڑنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔" ہاموس کہنے لگا۔ "تجھے شاید یہ غلط فہمی ہے کہ میں تیری طرف سے غافل ہوں۔ رات کو جب میں تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے اٹھا تو تیرا خیال آیا۔ دیکھا تو یہاں تُو نہیں تھا۔ میرے اندازے کے مطابق تُو آدم زادوں کی طرف ہی گیا ہو گا۔ تجھے تو اس وقت اللہ کے حضور میں ہونا چاہئے تھا۔"

ہاموس کی ناراضگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہی غنیمت معلوم ہوا کہ اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں۔ سو میں نے ایسا ہی کیا۔ عارضی طور پر سہی' اس نے بہرحال مجھے رہنے کو جگہ دی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ اس آدم زاد کا سراغ لگانے میں میری مدد کر رہا تھا جس نے میری زندگی اجیرن بنا دی تھی۔

صاحب علم جنات ہوں کہ آدم زاد' معافی و درگزر ان کا وطیرہ ہوتا ہے۔ ہاموس بھی ایسے ہی جنات میں سے تھا۔ اس نے مجھے معاف کر دیا اور اس حویلی سے نہیں نکالا۔ پھر وہ مجھ سے کہنے لگا۔ "تیری مشکل کا ایک اور حل میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔ تُو کیوں کہ خود اس آدم زاد کا ہدف ہے اس لئے تجھے دیر لگے گی ویسے بھی وظیفے کی شرط پوری نہ ہونے کے سبب تجھے ازسرنو وظیفہ شروع کرنا پڑتا۔ شرائط کے مطابق تجھے وظیفہ پورا ہونے تک آدم زادوں سے دور ہی رہنا تھا لیکن تجھ سے یہ نہ ہوا۔ یہ بتا کہ تیری خاطر کوئی خود کو خطرے میں ڈال سکتا ہے؟ میری مراد جنات سے ہے' آدم زادوں سے نہیں۔"

مجھے طرطبہ یاد آئی' وہ میری دیوانی تھی۔ یوں بھی میں اس کے بھائی یاسف سے لڑ چکا تھا۔ اگر وہ میری جان بچاتے ہوئے کسی خطرے میں گھر جاتی تو مجھے کوئی رنج نہ ہوتا۔ اسی کے بھائی نے تو میری جگہ لے لی تھی۔ موجودہ صورت حال میں یاسف کا پلہ بھاری تھا۔ ایک آدم زاد کے جسم پر کوئی ایک ہی جن زاد قابض رہ سکتا ہے۔ ایک ہی وقت میں دو جن زاد کسی ایک جسم میں نہیں رہ سکتے۔ یاسف کو اسی لئے تو اقبال کے جسم سے میرے نکل جانے کا انتظار کرنا پڑا تھا۔ اس نے مجھ سے جو باتیں کی تھیں ان سے یہی ظاہر تھا کہ وہ میری ٹوہ میں لگا ہوا تھا۔ پھر میں نے خطرے کی نوعیت جانے بغیر ہاموس سے کہہ دیا۔ "ہاں اے ہاموس! ایک ہستی ایسی ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"کہیں وہ ملیقا کی بیٹی طرطبہ تو نہیں؟" ہاموس نے پوچھا۔ "وہی جو تجھے میرے پاس لے کر آئی تھی۔"

"تُو ٹھیک سمجھا۔" میں نے اقرار کر لیا۔

"دیکھ اے علیالیش! یہ بڑے خطرے کا کام ہے۔ کیا خبر وہ اس پر راضی نہ ہو۔" ہاموس نے اندیشے کا اظہار کیا۔

میں نے اس سے خطرے کے بارے میں پوچھ ہی لیا۔

"خطرہ یہ ہے کہ ناکامی کی صورت میں وہ اسی قالب میں ہمیشہ کے لئے قید ہو کر رہ جائے گی جسے اختیار کرے گی۔ اسے آدم زادوں کی اس آبادی میں جانا ہو گا جہاں تُو جا چکا ہے۔ کسی قالب کے بغیر اسے کوئی عالم آدم زاد قید بھی کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تیرے حصول کی خاطر جس آدم زاد نے وظیفہ شروع کیا ہے وہ بھی خارج ہونے پر طرطبہ کو نقصان پہنچا دے' یہ بھی بعید از قیاس نہیں۔ ان خطرات کے باوجود اگر طرطبہ راضی ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آ' میں اسے وہ عمل بتا دوں گا کہ جس کے ذریعے نامعلوم آدم زاد کا سراغ لگانا ممکن ہے۔" ہاموس نے مجھے آگاہ کر دیا۔

میں اسی وقت طرطبہ کی تلاش میں چل دیا۔ وہ مجھے اداس و ملول مقبرے کی ایک سہ دری میں مل گئی۔ مجھے دیکھ کر وہ حیران سی نظر آنے لگی اور بولی۔ "مجھ سے تو ہاموس نے کہا تھا کہ تُو کوئی عمل کر رہا ہے اور تین راتوں تک مجھ سے نہیں مل سکے گا۔"

"ہاں ایسا ہی تھا اے طرطبہ! میرے ساتھ باغ میں چل کہ میں تجھے بتا سکوں' کسی مشکل میں گرفتار ہوں۔"

باغ میں چلنے کا سن کر وہ خوش ہو گئی اور ساتھ چل دی۔ ہم دونوں باغ کے ایک ویران گوشے میں پہنچ گئے۔ خلوت میسر آتے ہی طرطبہ میری توقع کے مطابق عملاً اظہار عشق کرنے لگی۔ طرطبہ ایسی بری بھی نہیں تھی کہ میں اپنے قریب اسے برداشت نہ کر سکتا۔ ایک وہی کیا مجھے تو کوئی جنیہ پسند نہیں تھی۔ مصلحت کے تحت میں اس کی وحشتوں کا ساتھ دیتا رہا لیکن جب وہ ہمکناری کی منزلوں تک پہنچنے لگی تو مجبوراً اسے روکنا پڑا۔ میں نے دانستہ اسے ان منزلوں تک آنے دیا تھا۔

"کچھ دن صبر کر لے اسے طرطبہ! مجھے اس ملعون آدم زاد کا سراغ لگا لینے دے جو تیرے علیالیش کو ہمیشہ کے لئے تجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"میں اسے قتل کر دوں گی۔" طرطبہ جوش جذبات میں بولی۔ "تجھے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

"اگر تُو چاہے تو یہ ممکن ہے۔" میں فوراً مطلب کی بات پر آ گیا۔

"میں۔" وہ حیرت سے کہنے لگی۔ "میں بھلا ایسا کیوں نہ چاہوں گی اے علیالیش! تیری خاطر تو میں اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔"

میں جو کچھ سننا چاہتا تھا' سن لیا اور پھر اسے بتا دیا کہ ہاموس کی تجویز کیا ہے۔

"چل' ابھی ہاموس کے پاس چل۔ تُو جان لے گا اے علیالیش کہ میں تیرے عشق میں سچی تھی۔ یہی تو ہو گا کہ میں ماری جاؤں لیکن تُو ..... تُو اے علیالیش اس عذاب سے نجات پا جائے تو شاید میری زندگی رائیگاں نہ ہو۔" وہ جذبات کے دھارے میں بہہ رہی تھی۔

میرا مقصد پورا ہو رہا تھا۔ مجھے طرطبہ کے مرنے یا جینے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ سو میں اسے فوراً ہاموس کے پاس لے گیا۔

"اے ملیقا کی بیٹی! کیا تجھے علیالیش نے خطرات سے آگاہ کر دیا؟" ہاموس نے تصدیق چاہی۔

"ہاں اے ہاموس! میں باخبر کی جا چکی ہوں۔ علیالیش کی خاطر مجھے ہر خطرہ قبول ہے۔" طرطبہ نے پُرعزم آواز میں جواب دیا۔

"یہ بھی یاد رکھیو اے طرطبہ کہ علیالیش ممکن ہے تجھ سے وفا نہ کرے اور بعد میں تُو پچھتائے۔ میرا قیاس ہے کہ یہ آدم زادیوں کا گرویدہ ہے اور جو ایک بار اس راہ پر لگ جائے پھر پلٹ کر نہیں آتا۔ ایسا نہ ہوتا تو یہ تاکید کے باوجود گزشتہ رات آدم زادوں کی بستی میں نہ جاتا۔" ہاموس نے طرطبہ سے کہا۔

ہاموس شاید یہ سمجھ رہا تھا کہ میں پچھلی رات کسی آدم زادی سے ملنے گیا تھا' سو میں بول اٹھا۔

"اے ہاموس! بات وہ نہ تھی جو تُو نے سمجھ لی۔ ہوا یہ کہ مجھے ایک آدم زاد پر شک تھا کہ شاید وہ مجھے اپنا مطیع بنانا چاہتا ہو۔ میں اسی کو دیکھنے گیا تھا کہ کہیں وہی تو وظیفہ نہیں پڑھ رہا لیکن ایسا نہیں تھا۔"

"تجھے اس آدم زاد پر شک کیوں ہوا؟ کوئی تو اس کی وجہ ہو گی۔" ہاموس جرح کرنے لگا۔

"میں اور طرطبہ کا بھائی یاسف ایک رات غلطی سے آدم زادوں کی بستی میں جا پہنچے اور پھر ہمارے پیچھے ایک عفریت لگ گیا۔ اسی سے بچنے کی خاطر ہم....." میں نے وہی کہانی ہاموس کو سنا دی جس پر مولوی کفایت اللہ نے بوجوہ یقین نہیں کیا تھا۔ میں نے آخر میں نرگس کے ذکر کو نظرانداز کرتے ہوئے بتایا۔ "اس خطرناک مولوی نے مجھے اور یاسف کو قید کر لیا کہ ہم اس کی حویلی میں کیوں داخل ہوئے۔ اسی دوران اس نے ہمارے نام بھی پوچھ لئے۔ پھر جب اسے ہم نے حقیقت سے آگاہ کیا تو اس نے ہمیں آزاد کر دیا۔"

"یہ تو بڑی عجیب سی بات کہی تُو نے اے علیالیش! آدم زادوں میں خال خال ہی ایسے نیک عالم ہوتے ہیں کہ جنات کو قابو میں کرنے کے بعد رہائی دے دیں۔ پھر تو تجھے اس عالم اور نیک آدمی پر شک ہی نہیں کرنا چاہئے تھا۔" ہاموس بولا۔

"شک صرف اس لئے ہوا کہ کسی اور آدم زاد کو میں نے کبھی اپنا نام نہیں بتایا۔" میں نے وضاحت کی۔

"اگر یوں ہے تو پھر ایک اور بات بتا' عالم جنات میں تو کوئی تیرا دشمن نہیں؟" ہاموس نے دریافت کیا' پھر کہنے لگا۔ "کبھی کبھی دشمنی کے سبب جنات بھی اپنے دشمن کو راستے سے ہٹانے کے لئے کسی آدم زاد کو پیچھے لگا دیتے ہیں یا پھر کسی خاص مقصد کے حصول کی غرض سے ایسا کر گزرتے ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

میرے دھیان میں فوری طور پر یاسف ہی آیا۔ نرگس کے قرب کی خاطر یاسف یہ چال چل سکتا تھا لیکن وہاں یاسف کی بہن طرطبہ بھی موجود تھی۔ یوں بھی یاسف کو وہ میرا دوست ہی سمجھتی تھی۔ طرطبہ کے سامنے یاسف کا نام لینا مناسب نہیں تھا۔ میں نے اسی لئے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔

"تجھے خبر ہو کہ نہ ہو اے علیالش! تیرا کوئی نہ کوئی دشمن ضرور ہے۔" ہاموس نے کہا۔ پھر وہ طرطبہ سے مخاطب ہوا۔ "تُو ایک پرندے کا قالب اختیار کرے گی۔ میں جس پرندے کو فضا میں چھوڑوں تُو اس کا پیچھا کرے گی۔ میرا چھوڑا ہوا پرندہ شہر پر منڈلائے گا اور پھر ادھر کا رخ کرے گا جہاں مطلوبہ آدم زاد رہتا ہے۔ وہ پرندہ اسی آدم زاد کے گھر کی چھت پر بیٹھے گا اور ذرا دیر بعد اڑ جائے گا لیکن تجھے وہیں بیٹھے رہنا ہے۔ تجھے میں چند الفاظ ورد کرنے کو بتاتا ہوں۔ تُو ان الفاظ کا ورد کرتی رہے گی تو وہ نامعلوم آدم زاد کہیں بھی ہوا اپنے گھر پہنچ جائے گا۔ وہ چھت پر آ کر تجھے بھگائے تو نہ بھاگنا اور وہیں منڈلاتی رہنا۔ جب تک کہ بتایا ہوا وِرد مکمل نہ ہو' مقررہ تعداد یا گنتی تُو پوری نہ کر لے وہاں سے ٹلنا نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ آدم زاد تجھ پر کسی غلیل سے حملہ کرے یا تجھے پتھر مار کے زخمی کر دے' سو حملوں سے بچنا اور وِرد پورا کرنا تیرا کام ہے۔ اگر تُو زخمی ہو کر کہیں گر گئی یا وِرد نہ کر سکی تو پھر اسی قالب میں قید رہے گی' ہمیشہ کے لئے' اب بھی وقت ہے' سوچ لے اے طرطبہ تجھے جان کی بازی لگا کر ورد پورا کرنا ہے۔ تُو اگر کامیاب رہی تو علیالش کو اس نامعلوم آدم زاد کے بارے میں خود بخود تمام معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ علیالش بھی یہاں اس عرصے میں انہی الفاظ کا ورد کرتا رہے گا۔ بول کیا کہتی ہے؟"

"میں راضی ہوں اے ہاموس!" طرطبہ سب کچھ سن کر بھی کہنے لگی۔

میں اگر طرطبہ کی جگہ ہوتا تو ہرگز خود کو خطرے میں نہ ڈالتا لیکن وہ تو ایک دیوانی تھی۔ نتیجہ وہی نکلا جو متوقع تھا۔ ہاموس نے جو کچھ کہا تھا' اس پر عمل کیا۔ ایک کے بعد ایک' دو پرندے اس ویران حویلی سے اڑے اور دور افق میں گم ہو گئے۔

ہاموس نے مجھے بھی ورد کے الفاظ تعلیم کر دیئے تھے' سو میں ورد کرنے لگا۔ ہاموس میرے پاس سے چلا گیا۔

وہ غالباً عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا کہ جب مجھے ایک آدم زاد کا چہرہ دکھائی دیا۔ چہرے سے اس کی عمر زیادہ نہیں لگتی تھی۔ میرے لئے وہ قطعی اجنبی تھا۔ کچھ ہی دیر میں مجھے اس شخص کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا کہ وہ کون تھا' کس سے اسے میرے نام کا پتہ چلا۔

اس کا نام ستار تھا اور وہ مولوی کفایت اللہ کے معتقدین میں سے ایک تھا۔ مولوی سے اس کی رشتے داری بھی تھی۔ وہ بہت دن سے مولوی کے پیچھے پڑا ہوا تھا کہ اسے کسی جن کو مطیع کرنے کا وظیفہ بتا دے۔ اس طرح وہ اپنی غربت دور کرنے کا آرزومند تھا۔ مولوی نے اسے سمجھایا کہ یہ بہت خطرناک کام ہے' اس میں جان بھی جا سکتی ہے۔ دولت کی ہوس نے ستار کو ہر خطرہ مول لینے پر اکسایا۔ وہ کسی بھی جن کو قابو میں کر کے اس سے جو چاہتا کام لیتا۔ ستار اسی لئے اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخرکار ایک روز مولوی کو رام ہونا ہی پڑا۔ اس نے ستار کو وظیفہ بتا دیا اور میرا نام بھی۔

مولوی کفایت اللہ نے ستار کو میرا ہی نام اس لئے بتایا تھا کہ میں نے اس کی بیٹی پر بری نظر ڈالی تھی۔ اسے یہ علم تھا۔ اس کے علاوہ مولوی کو مجھ پر یہ شبہ بھی تھا کہ انارکلی بازار میں اس کی دکان کو نذرِ آتش میں نے ہی کیا تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ستار کوئی پرانا گھاگ نہیں تھا کہ آسانی سے قابو میں نہ آتا۔ وہ پہلی مرتبہ کوئی وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس کا چہرہ بھی دیکھ لیا اور اس کے پتے کا بھی مجھے علم ہو گیا طرطبہ یقیناً اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اس کے صلے میں طرطبہ کو کم سے کم ایک بار ضرور شادکام کر دوں گا' پھر چاہے وہ زندگی بھر میرا انتظار کرتی رہے' اس کی طرف نہیں پلٹوں گا۔ مجھے طرطبہ کی واپسی تک یہ خبر نہیں تھی کہ اس پر کیا گزری۔

مغرب ہونے سے کچھ ہی پہلے وہ لوٹی تو اس کی حالت بہت خراب تھی۔ میں جب تک ہاموس کو بلا کر لایا' طرطبہ جاں بہ لب ہو چکی تھی۔

ہوا وہی جس کا ہاموس کو ڈر تھا۔ ستار نے پرندے کے قالب میں طرطبہ کو شدید زخمی کر دیا لیکن وہ ورد پورا کرنے سے پہلے ستار کے گھر سے نہ ٹلی۔ وہ منڈلاتی ہی رہی۔ ایک وفادار جنیہ نے اپنے عاشق کی خاطر جان کی بازی لگا دی۔ وہ انتہائی زخمی حالت میں ورد پورا کر کے بمشکل ویران حویلی تک پہنچی تھی۔ میری آغوش میں دم توڑنے سے کچھ دیر پہلے طرطبہ نے سب کچھ بتا دیا۔ ہاموس بھی اسے موت کے منہ میں جانے سے نہ بچا سکا۔

ہرچند کہ مجھے طرطبہ سے محبت نہیں تھی مگر اس کی موت کا سبب وہ آدم زاد تھا جس نے دولت کی ہوس میں مجھے اپنا غلام بنانا چاہا تھا۔ مجھے اسی لئے اس پر شدید غصہ آ گیا۔

"ستار! میں تجھے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے غصے میں کہا۔

"نہیں اے علیالش! تجھے یہ حق نہیں۔ طرطبہ کے قتل کا قصاص لینا اس کے باپ ملیقا پر منحصر ہے۔ تُو اس معاملے میں نہ پڑ۔" ہاموس مجھے سمجھانے لگا۔ "تیرا کام صرف اتنا ہے کہ تُو اس آدم زاد کو وظیفہ پڑھنے سے روک دے اور بس۔"

وقتی طور پر میں نے ہاموس کے روبرو یہ اقرار کر لیا کہ ستار کو گزند نہیں پہنچاؤں گا۔ ہاموس بہرحال میرا محسن تھا' میں اس کی کسی بات کو ماننے سے کس طرح انکار کر دیتا' لیکن میرا ارادہ کچھ اور ہی تھا' مولوی کفایت اللہ پر بھی مجھے غصہ آ رہا تھا کہ وہی مردود اس فساد کی جڑ تھا نہ وہ ستار کو میرا نام بتاتا نہ یہ نوبت آتی اس کے علاوہ مجھے طرطبہ کے باپ ملیقا کی طرف سے بھی خطرہ تھا کہ کہیں وہ میرا دشمن نہ بن جائے۔ طرطبہ میری ہی خاطر تو اپنی جان سے گزر گئی تھی۔ ہاموس اس پر گواہ تھا کہ طرطبہ نے خود ہی اپنی مرضی سے زندگی داؤ پر لگائی تھی لیکن جنات تو یوں بھی مزاجاً مشتعل ہوتے ہیں۔ اتنے بڑے سانحے کے بعد ملیقا کا مشتعل ہو جانا قرین قیاس تھا۔ عالم اشتعال میں وہ مجھے نقصان نہ پہنچا دے' سو میں یہ سوچ کر فکرمند ہو گیا۔

ہاموس' ملیقا کو طرطبہ کے قتل ہونے کی خبر دینے گیا تھا۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

وہاں سے فرار ہو گیا۔

جنات عموماً آدم زادوں کی بستیوں میں جانے سے گریز کرتے ہیں اس لئے میری جائے پناہ یہی بستیاں ممکن تھیں۔ آج ہی رات مجھے ملعون ستار سے بھی انتقام لینا تھا اس لئے کہیں اور جانے کی بجائے لاہور ہی کا رخ کیا۔ وظیفہ پڑھنے کے دوران میں ستار غافل ہوتا' میں نے اسی لئے نصف شب کے بعد عین اس وقت ستار پر حملے کا فیصلہ کیا جب وہ وظیفہ کرنے بیٹھ جائے۔ اب میرے سامنے صرف یہ مسئلہ تھا کہ میں نصف شب گزرنے تک کہاں رہوں۔

اس موقع پر مجھے بملا یاد آ گئی وہ بہرحال ایک امیر باپ کی بیٹی تھی' میں نے سوچا کہ اس کے یہاں ملازمین تو ہوں گے' کسی بھی ملازم کے جسم میں داخل ہو کر عارضی طور پر پناہ لے لوں گا۔ اس طرح ایک طرف تو میں' طرطبہ کے باپ ملیقا کی ممکنہ دشمنی اور اشتعال سے بچ جاتا' دوسری جانب موقع ملنے پر بملا کے قرب میں حسین لمحات گزرتے۔ یہی سوچ کر میں' بملا کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ خلاف توقع وہاں مجھے گہما گہمی نظر آئی۔ کوٹھی کے سبزہ زار پر خاصے لوگ جمع تھے ان میں خواتین بھی تھیں اور مرد بھی۔

اس وقت تک زیادہ رات نہیں ہوئی تھی۔ ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ مجھے کسی تقریب کا سا سماں نظر آیا۔ اس ہجوم میں انگریز عورتیں اور مرد بھی تھے۔ بملا مجھے ایک انگریز ہی کے پہلو میں دکھائی دی۔ بڑی سی لمبی میز کی دونوں جانب کرسیاں بچھی تھیں۔ میز پر ولایتی شراب کی بوتلیں' گلاس' سوڈا' کباب اور کھانے پینے کا دوسرا سامان سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ بملا کا باپ راؤ بہادر بہاری لال' جے پوری کوٹ پہنے' سر پر پگڑی باندھے اور گلے میں سونے کی زنجیر ڈالے وہاں موجود افراد میں نمایاں لگ رہا تھا۔ اسے میں نے بملا کے چہرے کی بناوٹ اور رنگ سے پہچانا۔ راؤ بہادر بھی سرخ و سفید تھا' اس کے علاوہ بملا اسی پر گئی تھی۔

خدا جانے وہ تقریب کس سلسلے میں منعقد کی جا رہی تھی۔ کئی ملازمین کو میں نے مستعدی سے اِدھر اُدھر آتے جاتے دیکھا۔ ایک نوجوان ملازم خاص طور پر بملا اور اس انگریز کی خدمات پر مامور تھا۔ وہ ایک بار انگریز کے گلاس میں شراب انڈیلنے جھکا تو بملا نے بڑی صفائی سے اس کے بازو میں چٹکی بھر لی۔ غالباً اذیت رسانی بملا کی عادت میں شامل تھا۔ اسی سے میں نے یہ اندازہ بھی لگایا کہ بملا' نوجوان ملازم سے بے تکلف ہے ورنہ بھری محفل میں ایسی حرکت نہ کرتی۔ نوجوان ملازم کا نام بھی پکارے جانے پر مجھے معلوم ہو گیا۔ پھولے ہوئے رخساروں والے اس ملازم کا نام رام بھروسے تھا۔ یہی ٹھیک رہے گا' میں نے سوچا اور پھر رام بھروسے کے جسم میں داخل ہو گیا۔ اس طرح میں' بملا کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اب میں اس انگریز اور بملا کے درمیان دھیمی آواز میں ہونے والی گفتگو بھی سن رہا تھا۔

ان دونوں کی گفتگو سے مجھ پر ساری حقیقت کھل گئی۔ وہ انگریز رچرڈ' انگریز حکومت کا ایک بڑا افسر تھا۔ ایل ڈی اے کے ڈائریکٹر ولسن سے بھی اس کی دوستی تھی۔ قصہ اسی سرکاری زمین پر ناجائز قبضے کا تھا جو راؤ بہادر نے ہڑپ کر لی تھی۔ رچرڈ کو بملا اس پر آمادہ کر رہی تھی کہ وہ ولسن سے راؤ بہادر کی سفارش کر کے معاملے کو رکوا دے۔ راؤ بہادر گویا اس طرح دہری چال چل رہا تھا۔ ایک طرف تو وہ بملا

کے ذریعے نچلی سطح پر کام دکھانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا' دوسری جانب اوپر سے بھی دباؤ ڈالنے کا بندوبست جاری تھا تاکہ کسی نہ کسی طرح کامیابی ہو ہی جائے۔ یہ تقریب اسی سلسلے میں ایک کڑی تھی۔

رچرڈ مجھے رنگین مزاج آدمی لگا۔ وہ بملا کو بڑی میٹھی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور بملا اس پر جیسے قربان ہوئی جا رہی تھی۔ بملا کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں مے نوشی کے سبب لال لال ڈورے پڑ گئے تھے۔ رچرڈ بھی لہر میں دکھائی دیتا تھا۔

بملا نے اس پچاس سالہ بوڑھے انگریز کو شیشے میں اتارنے کے لئے خود اپنے ہاتھ سے ایک بار پلائی۔ پھر خود اس گلاس سے ایک گھونٹ بھر لیا۔ رچرڈ کی چندیا کا بڑا حصہ سپاٹ تھا۔ میرا جی چاہا کہ ایک چپت لگا دوں لیکن اسی وقت بملا نے مجھے مخاطب کیا۔ "اے رام بھروسے! ذرا وہ کباب کی پلیٹ اٹھا کر دو۔"

"جی بی بی جی!" میں ادب سے بولا اور کباب کی پلیٹ اٹھانے جھکا۔

بملا نے پلیٹ لینے سے پہلے تیزی کے ساتھ میری کلائی میں اتنی زور سے چٹکی بھری کہ میں بلبلا گیا۔ بڑی مشکل سے میں نے سسکاری روکی۔

میں بالکل پیچھے ہی کھڑا تھا۔ انتقامی کارروائی کے طور پر میں نے چپکے سے ہاتھ بڑھایا۔ میں واقعی تو رام بھروسے تھا نہیں کہ بملا سے ڈر جاتا۔ میں تو خیر برداشت کر گیا تھا لیکن بملا اپنی سسکاری نہ روک سکی' میں یوں اس کی کرسی کے پیچھے معصوم بنا کھڑا تھا جیسے کچھ خبر ہی نہ ہو۔

"کیا ہوا؟" کئی آوازیں ایک ساتھ سنائی دیں۔

"کسی چیونٹے کمبخت نے پیر میں کاٹ لیا ہے۔" بملا نے بہانہ بنا دیا۔

"چیونٹا نہیں کوئی چیونٹی ہو گی' مجھے بھی کئی بار کاٹ چکی ہے بی بی جی!" بملا کو مزید تپانے کے لئے میں بول اٹھا۔

بملا نے مڑ کر مجھے غضبناک نظروں سے دیکھا اور ڈانٹ دیا۔ "اپنی چونچ بند رکھ۔"

میں گویا سہم گیا۔ پھر بملا "بے تکلف" نہ ہوئی۔ پارٹی گھنٹے بھر بعد ختم ہو گئی۔ مہمان چلے گئے تو راؤ بہادر اپنی بیٹی کے قریب آ کر پوچھنے لگا۔ "کچھ بات بنی؟"

"ہاں اس نے وعدہ تو کر لیا ہے۔" بملا اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"نشے میں کئے ہوئے وعدے عموماً لوگوں کو یاد نہیں رہتے کل تم اس کے دفتر ضرور جانا تاکہ یاددہانی کرا سکو۔"

بملا نے اقرار میں سر ہلا دیا تو راؤ بہادر وہاں سے عمارت کی طرف چل دیا۔ ملازمین سامان وغیرہ اٹھانے میں لگے ہوئے تھے اور میں اِدھر سے اُدھر یوں ہی مٹر گشتی میں مصروف تھا۔ ایک ادھیڑ عمر ملازم نے اس بات کو محسوس کر لیا تو ہانک لگائی۔ "ابے او رام بھروسے! تو راجا اندر بنا کدھر گھوم رہا ہے' کام کر۔"

اسی وقت بملا بول اٹھی۔ "اس سے مجھے اپنے کمرے کی صفائی کرانا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"اچھا بی بی جی!" ادھیڑ عمر ملازم جلدی سے کہنے لگا۔

"چل رام بھروسے!" بملا نے آگے بڑھتے ہوئے مجھے حکم دیا۔

میں اس سرو قامت قیامت کے ساتھ ہو لیا۔ خواب گاہ وہی تھی جہاں میں پہلے بھی ایک بار آ چکا تھا' اندر پہنچتے ہی بملا نے میرے پھولے ہوئے رخساروں میں سے ایک کو نشانہ بنایا۔ اس کے تیز ناخن میرے رخسار میں اتر گئے۔ میں چلایا۔ "ہائے بی بی جی! مر گیا۔"

"ابھی تو دوسرا گال باقی ہے۔ ادھر منہ کر۔ تیرے پھولے پھولے گال دیکھ کر میرے ہاتھوں میں کھجلی ہونے لگتی ہے۔"

وہ نوچا کھسوٹی پر اتر آئی تو مجبوراً مجھے اس کے دونوں ہاتھ پکڑنا پڑے۔

"چھوڑ میرے ہاتھ' یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ بل کھا کر سخت غصے میں بولی۔

"بہتر ہے بی بی جی!" میں اس کے ہاتھ چھوڑ کر تیزی سے پلٹا اور خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

"ارے ارے! یہ تُو کیا کر رہا ہے؟" بملا کی آواز آئی۔ "آج رات یہ سب نہیں چلے گا۔ میں تھک گئی ہوں۔"

"میں بھی تو تھک گیا ہوں بی بی جی!" میں نے لپک کر اسے جکڑ لیا۔ بملا نے جو کچھ کہا تھا' اس سے میں نے اندازہ کر لیا کہ رام بھروسے بھی اس کی خلوتیں آباد کرتا رہا ہے۔

بملا زور آزمائی کرنے لگی مگر میں اسے کب چھوڑنے والا تھا۔ شاید اسے اپنے ایک ملازم سے اتنی گستاخی کی توقع نہیں تھی۔ اس کے غصے سے یہی ظاہر ہو رہا تھا وہ تیز آواز میں کہنے لگی۔ "میں اپنی مرضی کی مالک ہوں زبردستی پر اترا تو تیری کھال ادھیڑ دوں گی' نوکری سے نکال دوں گی تجھے۔"

میں اگر رام بھروسے ہوتا تو شاید اس کی دھمکی میں آ جاتا۔ اس کے احتجاج کو خاطر میں نہ لا کر میں اسے جکڑے ہوئے مسہری تک لے آیا اور پھر دھکا دے کر گرا دیا۔

"رام بھروسے ..... نمک حرام ..... گندی موری کے کیڑے۔" وہ چیخنے لگی۔

"بی بی جی! چیخنے چلانے سے آپ ہی کی بدنامی ہو گی اس لئے ایسا نہ کریں۔" میں نے پُرسکون آواز میں کہا اور مسہری پر بیٹھنے لگا۔

بملا نے لیٹے لیٹے میری کمر پر ایسی زوردار لات ماری کہ میں اوندھے منہ مسہری کے قریب زمین پر گرا۔ وہ سراپا ناز دھول دھپے سے بھی باز نہ آئی تو مجبوراً مجھے اس کی خبر لینا پڑی۔ گرنے کی وجہ سے میری دونوں کہنیاں زخمی ہو گئی تھیں جن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ انداز ایسا تھا جیسے مجھے چیر پھاڑ ڈالے گی۔

میرے الٹے ہاتھ کا تھپڑ اتنی زور سے اس کے منہ پر پڑا کہ کمرہ گونج اٹھا تھپڑ کھا کر اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ پھر وہ آنسو بھری آنکھوں سے یوں دیکھنے لگی جیسے اسے اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا ہو کہ سامنے اس کا فرماں بردار ملازم رام بھروسے کھڑا ہے یا کوئی اور شخص ہے۔ اس کا سارا نشہ ہرن

ہو گیا تھا۔

"بملا! اگر اب تُو نے شور مچایا تو بہت ماروں گا۔" میں دوبارہ مسہری پر بیٹھ گیا۔

عورت کتنی ہی شیرنی کیوں نہ بن جائے اس کے اندر شاید یہ خواہش نہیں مرتی کہ کوئی مرد اسے فتح کر لے' اس سے اپنی برتری تسلیم کرا لے۔ آدم زادوں کے درمیان رہ کر مجھے تو یہی تجربہ ہوا۔ پٹ کر بملا بھی سیدھی ہو گئی۔ شاید وقتی طور پر اس کے ذہن میں رام بھروسے کی حیثیت کا خیال نکل گیا۔ اب وہ صرف ایک عورت تھی اور میں مرد۔

مجھے ہوش ہی نہ رہا کہ وقت کتنا گزر چکا ہے۔ میں چونکا اس وقت کہ جب میرے جسم کو شدید جھٹکا لگا۔ میں الگ جا پڑا۔ ستار نے مجھے تسخیر کرنے کے عمل کا آغاز کر دیا تھا۔

"تجھے کیا ہوا رام بھروسے!" بملا کہنی کے بل اٹھتے ہوئے بولی۔

اسی لمحے رام بھروسے کے جسم کو دوسرا جھٹکا لگا۔ میں اس کے جسم سے باہر آ چکا تھا۔

مجھے قطعی پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ اگر کوئی جن زاد کسی آدم زاد کے جسم میں ہو اور اس کی تسخیر کے لئے عمل شروع کر دیا جائے تو مقبوضہ جسم پر کیا گزرتی ہے۔ ایک جن زاد تو یہ حملہ برداشت کر سکتا ہے مگر کوئی آدم زاد نہیں۔ رام بھروسے کا جسم شدید جھٹکا کھا کر اچھلا اور پھر دوسرے جھٹکے پر اس کی گردن لڑھک گئی۔ وہ سفر آخرت پر روانہ ہو چکا تھا' آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔

بملا کے لئے یقیناً یہ ایک غیر متوقع بات تھی۔ وہ خوفزدہ نظروں سے رام بھروسے کو دیکھنے لگی۔ وہ بہرحال میرے تصرف میں آ چکی تھی۔ پھر میں اسے کسی مشکل میں گرفتار چھوڑ کر کیسے چلا جاتا۔ اس کی خواب گاہ سے رام بھروسے کی لاش برآمد ہوتی تو مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔ میرا وجود شعلوں کی لپیٹ میں تھا' اس پر بھی میں نے حوصلہ نہ ہارا۔

"بملا!" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "مجھے میری آواز سے پہچانو۔"

"سو ..... سوہن!" بملا کے پنکھڑیوں جیسے لب ہلے۔ وہ میری غیر انسانی آواز پہچان گئی تھی۔

"ہاں میں تیرا پتی سوہن ہوں۔ تجھے گلہ تھا نا کہ اس جنم میں مجھے بھگوان نے کوئی شریر (جسم) کیوں نہیں دیا۔ سو میں نے تیری خاطر کچھ دیر کو رام بھروسے کا شریر اپنا لیا۔ میری آتما (روح) کو چین کہاں۔ رام بھروسے کی آتما میری آتما کا بوجھ سہن (برداشت) نہ کر سکی اور مجھے اس کا شریر چھوڑنا پڑا۔ اسی کارن (سبب) یہ مر گیا۔ تجھے گھبرانے کی ضرورت نہیں' میں اس کی لاش اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ کوئی تجھ سے اس کے بارے میں پوچھے تو کہہ دیجیو کہ اپنے کمرے کی صفائی کرا کے تُو نے اسے واپس بھیج دیا تھا۔ پھر یہ کہاں چلا گیا' تجھے نہیں معلوم۔ سمجھی کہ نہیں؟"

"سمجھ ..... سمجھ گئی۔" بملا جلدی سے بولی۔ "پر اب ..... اب تُو آئے تو میرے ملن کے لئے کسی شریر کو نہ....." اس نے اپنا جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔ اس کی نظریں رام بھروسے کی لاش پر تھیں جسے میں اٹھا چکا تھا۔ اس نے تو صرف یہ دیکھا ہو گا کہ لاش خود بخود فضا میں بلند ہو رہی ہے۔ اسی

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

وجہ سے وہ اپنی بات پوری نہیں کر سکی تھی۔ اس کا حسین گلابی چہرہ دھواں دھواں سا ہو رہا تھا۔ اسے ہوش اس وقت آیا جب میں نے دروازہ کھولا اور اسے مڑ کر دیکھا۔ اس نے بستر پر پڑی چادر گھسیٹ لی تھی۔

رام بھروسے کی لاش کو میں نے راوی کی لہروں کے سپرد کر دیا اور پھر تیزی سے ستار کے گھر پہنچ گیا۔ مجھے اس کا چہرہ یاد تھا۔

خلاف توقع ستار مجھے اپنے گھر میں نہیں ملا تو میں چکرا گیا۔ میں نے سوچا' کیا وہ آج رات کہیں اور جا کر وظیفہ پڑھ رہا ہے؟

کہاں جا سکتا ہے وہ؟ میرے ذہن پر یہ سوال ہتھوڑے سے برسانے لگا۔ میں نے تو سنا تھا کہ کوئی عمل کرنے کے لئے وقت اور جگہ کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا پھر ایسا کس طرح ہو گیا؟ کہیں اس نے کسی نئی جگہ از سر نو تو وظیفہ پڑھنا شروع نہیں کر دیا؟ متعدد سوالات میرے ذہن میں گردش کرنے لگے۔ اذیت کے مارے میرا بُرا حال تھا۔

پھر مجھے خیال آیا کہ شاید وہ چوکنا ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ طرطبہ کی مداخلت ہی ممکن تھی۔ مدد حاصل کرنے وہ ایک ہی شخص کے پاس جا سکتا تھا' وہی کہ جس خبیث مولوی نے اسے میرے پیچھے لگایا تھا۔ ستار سے انتقام لینے کی آگ اور بھڑک اٹھی میں سوچنے لگا' اگر وہ گھر میں نہیں تو اس کے گھر والے تو ہیں' پھر میں گھر میں اتر گیا۔ ستار کے گھر میں والدین کے علاوہ اس کی بیوی اور دو جوان بہنیں بھی تھیں۔ ان کے علاوہ چار بچے تھے۔

میں نے سانپ کا قالب اختیار کر لیا۔ اس کی بیوی بے خبر سو رہی تھی میں اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ وہ میری پھنکار سن کر جاگ اٹھی اور پھر دہشت زدہ ہو کر چیخنے لگی۔ ذرا سی دیر میں سارا گھر جاگ اٹھا۔

"ہلنا مت بہو!" ستار کے باپ نے خوفزدہ آواز میں تاکید کی۔ "ہلو گی تو یہ تمہیں ڈس لے گا۔"

اس کا جسم ساکت ہو گیا' آنکھیں مجھی پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ آدم زاد بہت چالاک ہوتا ہے۔ ستار کا باپ' سانپ کے قالب میں مجھے مار بھی سکتا تھا سو میں نے دیر نہیں لگائی میں نے ستار کی بیوی کو ڈس لیا اس کے لئے میں نے گردن پر پھن مارا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں نے سانپ کا قالب ترک کر دیا اور ستار کے گھر سے چلا آیا۔ میں نے ستار سے انتقام لینے کی پہلی قسط ادا کر دی تھی۔

مجھے شبہ تھا کہ ستار' مولوی کفایت اللہ کی حویلی میں ہو گا لیکن میرے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہاں جا سکتا پھر اقبال کے جسم میں یاسف بھی وہیں تھا۔ وہ میرے راستے کی دیوار بن جاتا۔ وہ رات میں نے نواح شہر کے ایک ویران باغ میں گزاری۔ فجر ہونے تک میرا بُرا حال ہو چکا تھا۔

دن نکلا تو مجھے ایک بار پھر خطرے کا احساس ہوا۔ مجھے روپوشی کے لئے کسی نہ کسی آدم زاد کے جسم میں پناہ لینا تھی۔ جنات عموماً آدم زادوں سے الگ تھلگ ویران مقامات ہی کو اپنا مسکن بناتے ہیں۔

ملیقا اگر مجھے تلاش کرتا تو ایسے ہی مقامات کا رخ کرتا۔ طرطبہ کے باپ کی طرف سے میں مطمئن نہیں تھا۔

گزشتہ رات میرے ہاتھوں دو آدم زاد قتل ہو چکے تھے' ایک تو بملا کا نوجوان ملازم رام بھروسے' دوسری ستار کی بیوی۔

جنات' آدم زادیوں کے جسم میں بھی داخل ہو جاتے ہیں لیکن مجھے اس کا تجربہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا' یہ تجربہ بھی سہی' عارضی طور پر میں' بملا کے جسم میں کیوں نہ چھپ جاؤں۔ یوں میں ہر وقت اس کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ جب چاہوں گا اس کے جسم سے نکل کر اسے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کا ذریعہ بنا لوں گا۔

صبح کا وقت تھا کہ میں' بملا کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ وہ ابھی تک محو خواب تھی۔ میں اس کے جسم میں داخل ہو گیا تو مجھے عجیب سا لگا۔ کسی عورت کا جسم میرے لئے نیا نیا سا تھا۔

ذرا ہی دیر بعد کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے وہی ادھیڑ عمر ملازم کھڑا تھا جسے میں رات کو دیکھ چکا تھا۔

"بی بی جی! راؤ صاحب کہہ رہے ہیں' پنڈت ہردیال جی آ گئے ہیں' تیار ہو کر بیٹھک میں آ جائیں۔" ملازم نے کہا۔

اس پنڈت کا نام سن کر میں چونک اٹھا۔ بملا نے راجندر سے اسی کا ذکر کیا تھا۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ بملا نے میری تاکید پر عمل نہیں کیا۔ وہ مجھے جن یا بھوت ہی سمجھ رہی تھی۔ پچھلے جنم میں' میں اس کا شوہر تھا' اس کہانی اور میری تاکید پر بملا نے دھیان نہیں دیا تھا۔ یقیناً گزشتہ روز وہ پنڈت سے ملی ہو گی اور رات کو پیش آنے والا واقعہ اس حد تک بیان کر دیا ہو گا کہ کردار پر حرف نہ آئے۔ ملازم مجھے اطلاع دے کر چلا گیا تو میں نے فوراً بملا کا جسم چھوڑ دیا اور وہ جھٹکا کھا کر گر پڑی۔

جب وہ فرش سے حیران پریشان سی اٹھ رہی تھی تو میں نے آگے بڑھ کر اس کے بازو میں چٹکی بھر لی' پھر اسے غیر انسانی آواز میں مخاطب کیا۔ "تُو مجھے اب تک کوئی بھوت ہی سمجھ رہی ہے؟ ..... جواب دے بملا!" میری آواز میں سختی آ گئی۔

"نن ..... نہیں تو۔" وہ گھبرا کر بولی۔ "اب وہ اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

"پھر تُو نے پنڈت ہردیال کو کیوں بلایا ہے؟"

"مم ..... میں نے تو انہیں ..... انہیں نہیں بلایا۔ ہاں پتا جی....." وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔

میں نے اس کے سر کے بالوں کو گرفت میں لے کر جھٹکا دیا اور کہا۔ "سچ سچ بتا دے' کیا بات ہے؟"

وہ کراہتے ہوئے کہنے لگی۔ "بتاتی ہوں مگر میرے بال تو چھوڑ دو۔"

میں نے بال چھوڑ دیئے تو اس نے بتایا کہ اپنے باپ راؤ بہادر سے یہ بات کی تھی۔ راؤ بہادر ہی نے پنڈت ہردیال کو بلوایا تھا۔ نرمس کے ساتھ اس کا باپ مولوی کفایت اللہ لگا ہوا تھا اور یہاں یہ بدذات

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

پنڈت آدھمکا تھا۔ یہ آدم زاد کہیں بھی مجھے چین نہیں لینے دے رہے تھے۔

"جا اور اس پنڈت کو ٹال کر آ کہ وہ آئندہ نہ آئے۔ کہہ دیجیو کہ تجھے سپنا (خواب) نظر آیا تھا۔ ٹھیک ہے؟" میں نے پنڈت کو ٹالنے کا گُر بتایا۔

"ہاں ..... ہاں یہی ..... یہ کہہ دوں گی۔" وہ اپنی جان چھڑانے کو بولی۔

اسی وقت میرے ذہن میں ایک اور تدبیر آئی' مگر اس پر عمل کرنے سے پہلے میں نے بملا سے کہا۔

"خیال رکھیو کہ ابھی میں یہیں ہوں۔ تُو نے کوئی اور چکر چلایا تو بہت پٹے گی۔"

پھر میں' بملا کی خواب گاہ سے نکل کر نشست گاہ میں آ گیا۔ پتلے دبلے لمبوترے چہرے والے پنڈت ہردیال کو میں نے دیکھا۔ بظاہر وہ مجھے خطرناک معلوم نہیں ہوا۔ راؤ بہادر بھی اس کے مقابل دوسری کرسی پر بیٹھا تھا۔ پنڈت کی عمر پچاس سے اوپر لگتی تھی۔ وہ راؤ بہادر سے کہہ رہا تھا۔ "کوئی بھی آتما شریر کے بنا پچھلے جنم سے اس جنم میں نہیں آ سکتی۔"

"تم بکواس کر رہے ہو پنڈت جی!" یہ الفاظ میرے تھے' مگر زبان راؤ بہادر بہاری لال کی تھی۔ میں نے راؤ بہادر کے جسم پر قبضہ کر لیا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں شریمان جی! آپ تو میرا اپمان (توہین) کر رہے ہیں۔" پنڈت ہردیال کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

میں ایک قدم اور آگے بڑھ گیا اور بولا۔ "تجھے اپنے اپمان کا اتنا ہی خیال تھا تو یہاں آیا ہی کیوں؟"

"راؤ بہادر جی! ہوش میں آئیں۔ شاید آپ کو دولت کی گرمی چڑھ گئی ہے۔" پنڈت ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"ابے جا' بڑا آیا مجھے ہوش میں لانے والا۔ ہم جیسے امیر کبیر لوگ تجھ سے پنڈتوں کو دان دکھشنا نہ دیں تو....."

"بس بہت ہو گیا راؤ بہادر!" پنڈت غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب میں ایک پل یہاں نہیں رک سکتا۔"

"تو تیری خوشامد کون کر رہا ہے' دفع ہو جا۔ تُو اگر خود نہ جاتا تو میں تیری چٹیا پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کوٹھی کے پھاٹک تک لے جاتا یا نوکروں سے دھکے دے کر نکلوا دیتا۔"

پنڈت لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا نشست گاہ سے نکل گیا۔ وہ یقیناً کوئی خطرناک آدمی نہیں تھا ورنہ حقیقت جان لیتا کہ راؤ بہادر کے اندر کوئی اور بول رہا ہے یا پھر اسے اس انداز میں سوچنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ بہرحال جو بھی رہا ہو' اس سے مجھے نجات مل گئی تھی۔ پنڈت چلا گیا تو میں' راؤ بہادر کے جسم سے نکل آیا۔

جھٹکا کھا کر راؤ بہادر کا جسم سنبھلا تو اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے۔ اس کی نظریں پنڈت کی خالی کرسی پر تھیں۔

"ارے او راجو!" راؤ بہادر نے غالباً اپنے کسی ملازم کو پکارا۔

چند ہی لمحے بعد ادھیڑ عمر ملازم نشست گاہ کے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اس کا نام راجو تھا۔

"پنڈت جی کہاں چلے گئے؟ ابھی تو یہاں بیٹھے تھے۔"

"وہ تو پھاٹک کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتے گئے ہیں۔" راجو نے بتایا۔

"جلدی سے بھاگ کر جا اور بلا کے لے آ۔ معلوم نہیں کب اور کیوں اٹھ کر چلے گئے۔"

راجو پلٹا ہی تھا کہ میں نے اس کی ٹانگ پکڑ لی اور وہ گر گیا۔

"کیا ہو گیا تجھے؟" راؤ بہادر چیخا۔ "جتنی جلدی کو کہہ رہا ہوں' دیر لگا رہا ہے۔"

"دھوتی میں پیر الجھ گیا تھا۔" معلوم نہیں راجو نے بہانہ کیا تھا یا یہی سمجھا تھا۔

میں نے اسے نشست گاہ سے نکل جانے دیا' مگر پیچھا نہ چھوڑا۔ باہر آتے ہی وہ واقعی بھاگنے لگا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں سے اترتے ہی وہ ایک بار پھر لڑھک گیا۔ میں نے پھاٹک کی طرف دیکھا تو پنڈت ہردیال پھاٹک تک پہنچ چکا تھا راجو پھر اٹھا اور دوبارہ گر پڑا۔

"ہے بھگوان! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟" وہ روہانسا ہو گیا۔

پنڈت اس وقت تک پھاٹک سے نکل چکا تھا۔ میں نے راجو کو مزید کچھ دیر پھاٹک کی طرف نہ جانے دیا کہ کہیں وہ دوڑ کر پنڈت کو روک ہی نہ لے۔ یہ تو محض ایک احتیاط تھی ورنہ راجو اس پنڈت سے اب یہ جا کر بھی کہہ دیتا کہ راؤ بہادر بلا رہا ہے تو وہ لوٹ کر نہ آتا۔

میں واپس کوٹھی میں پہنچا تو بملا کو نشست گاہ کی طرف بڑھتے دیکھا بملا کے چہرے سے خوف اور فکرمندی کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں اس سے پہلے نشست گاہ میں پہنچ گیا کہ دیکھوں وہ اپنے باپ سے کیا کہتی ہے۔ بملا کے کچھ کہنے سے قبل راؤ بہادر بول اٹھا۔ "پنڈت جی آئے تھے پر جانے کیوں ایک دم اٹھ کر چل دیئے۔ راجو نے انہیں پھاٹک کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ پنڈت جی کو بلانے گیا ہے راجو' آتا ہو گا' تم بیٹھو۔ سنو' پنڈت جی آ جائیں تو ایک ایک بات انہیں بتا دینا۔ کوئی بات ایسی ہو کہ میرے سامنے نہ کہنے کی ہو تو اشارہ کر دینا' میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔"

"پتا جی! اب ..... اب تو مجھے یوں جان پڑتا ہے کہ ..... کہ....." بملا نے خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر اپنی دانست میں شاید بڑی صفائی سے ایک پرچہ راؤ بہادر کو تھما دیا۔

راؤ بہادر نے حیرت سے بملا کی جانب دیکھا اور پرچہ پڑھنے لگا۔ میں نے بھی پرچے پر نظر ڈالی اور پیچ و تاب کھا کے رہ گیا ہندی میں پرچے پر بملا نے صرف ایک جملہ لکھا تھا۔ "پتا جی! وہ بھوت اس وقت بھی ہماری کوٹھی میں موجود ہے' پنڈت جی کو بھی پرچہ پڑھوا دیں۔"

بملا کمبخت اب تک یہ مان کے نہیں دے رہی تھی کہ میں بھوت نہیں ہوں۔ وہ شاید اس غلط فہمی کا شکار تھی کہ میں صرف وہی بات جان سکتا ہوں جو زبان سے کہی جائے۔

پرچہ پڑھ کر راؤ بہادر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اسی وقت ایک ملازم اندر آیا اور اس نے رام بھروسے کے غائب ہو جانے کی اطلاع دی۔

"تو میں کیا کروں' گیا ہو گا نرگ (دوزخ) میں۔" راؤ بہادر پھٹ پڑا۔ "تُو اس حرام خور راجو کو جا

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کے دیکھ' پنڈت جی کو بلانے گیا تھا اور وہیں مر گیا۔"

ملازم ابھی دروازے سے نکلا نہیں تھا کہ "حرام خور" خود آ گیا اور کہنے لگا۔ "سرکار! ..... پنڈت جی تو چلے گئے۔ دور دور ان کا پتہ نہیں۔"

راؤ بہادر نے راجو کو قہرناک نظروں سے دیکھا' پھر چیخا۔ "چلے جاؤ یہاں سے' ذرا سا کام نہیں ہوتا تم لوگوں سے۔" راجو جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ راؤ بہادر پھر بول اٹھا۔ "پنڈت جی کو ان کے گھر جا کر بلا لا۔ موتی سے کہہ دے' وہ تجھے موٹر میں بٹھا کر لے جائے گا پنڈت جی کو ساتھ ہی لے کر آنا ہے۔"

مجھے پورا یقین تھا کہ پنڈت ہردیال اب راؤ بہادر کے بلانے پر نہیں آئے گا۔ دوبارہ وہ بھلا کیوں بے عزت ہونے آ جاتا' راجو بہرحال چلا گیا۔

"پنڈت جی کو بھی شاید اسی ..... اسی بھوت نے....."

"پتا جی!" بملا درمیان میں بول اٹھی' پھر اس نے جھک کر سرگوشی کی۔ "کیا خبر وہ یہیں موجود ہو۔"

"ہاں بملا! میں یہیں ہوں اور وہ پرچہ جو تُو نے اپنے باپ کو دیا ہے اس پر لکھے الفاظ بھی پڑھ چکا ہوں۔" میں اپنا غصہ ضبط نہ کر سکا۔

بملا تو خیر پہلے بھی میری غیر انسانی آواز سنتی رہی تھی مگر راؤ بہادر کے لئے یہ نئی بات تھی۔ وہ شاید بہت ڈرپوک آدمی تھا۔ اس کی گھگی بندھ گئی۔ "بب ..... بھوت ..... بھو....."

"تم بھی مجھے غلط سمجھ رہے ہو راؤ بہادر!" میں نرم آواز میں بولا۔ "میں بھوت نہیں' تمہاری بیٹی کا پتی (شوہر) ہوں۔"

راؤ بہادر پر میری بات کا کوئی اثر نہیں ہوا دہشت سے وہ ہوش کھو بیٹھا۔

بملا اسے سنبھالنے اٹھی تو میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اور بولا۔ "اسے خود ہوش آ جائے گا' تُو میرے ساتھ چل۔"

"کک ..... کہاں؟" وہ ہکلائی۔

"اپنے کمرے میں۔" میں نے جواب دیا۔

بملا کو اس کے کمرے میں لا کر میں نے دروازہ اندر سے بند کیا' پھر اسے مسہری تک لے آیا۔

"ہاں بتا اب تیرا کیا حشر کروں؟" میں سخت آواز میں بولا۔ "تُو مجھے اپنا پتی نہیں مانے گی؟"

"مانتی ہوں ..... بالکل مانتی ہوں۔" وہ روہانسی ہو کر کہنے لگی۔ "غلطی ہو گئی' معاف کر دو۔"

"اب اگر تُو نے کسی سے میرے بارے میں کچھ کہا تو تیرے باپ کو مار ڈالوں گا۔" میں نے دھمکی دی۔ "رام بھروسے کی لاش دیکھی تھی نا تُو نے۔"

بملا رونے اور گڑگڑانے لگی تو مجھے اس پر ترس آ گیا۔

"اچھا اب نہ رو' تجھے معاف کر دیا میں نے۔" میں نے کہا اور وہ اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگی۔

کچھ دیر کو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ میرا دھیان ستار کی طرف چلا گیا اسے اب تک یقیناً اپنی بیوی کی موت کا پتا چل گیا ہو گا۔ میں نے سوچا کہ اسے اس وقت اپنے گھر پر ہی ہونا چاہئے۔ اسی کے ساتھ میرے ذہن میں ایک ایسا خیال آیا کہ میں پھر بملا کے پاس نہیں رکا۔ بملا کو میں نے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا کہ وہاں سے جا رہا ہوں۔ مصلحتاً یہی مناسب تھا کہ بملا اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے' میں اسی کی کوٹھی میں موجود ہوں۔ ایسی صورت میں وہ مجھ سے ڈرتی رہتی اور کسی سے میرا ذکر نہ کرتی۔

میں' ستار کے گھر پہنچا تو دروازے کے سامنے گلی میں چارپائیوں پر کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ انہی لوگوں میں مجھے مولوی کفایت اللہ بھی نظر آ گیا وہ الگ ایک چھوٹی سی چارپائی پر ستار کے ساتھ بیٹھا تھا۔ میں آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ ستار کا سر جھکا ہوا تھا اور چہرے پر بلا کا حزن و ملال تھا۔ آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت رویا ہو گا۔ ہمت سے کام لے کر میں کچھ اور آگے بڑھا تو لوگوں کی گفتگو سے پتا چلا کہ ستار کی بیوی کو دفنایا جا چکا ہے وہ لوگ قبرستان سے لوٹ کر آئے تھے۔ میں ایسی جگہ تک پہنچ گیا تھا کہ مولوی کفایت اللہ کی دھیمی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ ستار سے مخاطب تھا۔ "میں نے تسخیر جن کا وظیفہ پڑھنے سے تمہیں منع کیا تھا لیکن تم نہیں مانے اور ایسا نقصان اٹھا بیٹھے کہ جس کی تلافی ممکن نہیں۔ کل بھی جب تم نے مجھ سے اپنی حالت بیان کی تھی اور پُراسرار پرندے کا ذکر کیا تھا تو اس وقت بھی تمہیں خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ پھر بھی تم بضد رہے تو میں نے تمہیں اپنی حویلی کی چھت پر از سر نو وظیفہ پڑھنے کی اجازت دے دی۔ تم ادھر وظیفہ پڑھتے رہے اور یہاں اس جن نے سانپ کے قالب میں آ کر تمہاری بیوی کو ڈس لیا۔ شواہد سے یہی ظاہر ہے کہ تمہاری بیوی کو قتل کرنے والا وہی جن ہے جسے تم قابو میں کرنا چاہتے ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اچانک نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتا۔ میرا تو مشورہ یہ ہے کہ اب تم....."

"اگر ..... اگر آپ کو یقین ہے' میری بیوی کا قاتل وہی جن ہے تو ..... تو پھر میں اسے ضرور قابو میں کروں گا تاکہ اس سے انتقام لے سکوں۔" ستار پُرجوش آواز میں بول اٹھا۔

"اس نے اگر تمہیں پھر کوئی نقصان پہنچا دیا تو؟ ..... ابھی تو جگہ بدل جانے کی وجہ سے ایک ہی دن شمار ہو گا چالیس روز تک تم کس طرح جانی اور مالی نقصان برداشت کرو گے؟ بات کو سمجھنے کی کوشش کرو ستار! تم ابھی ناتجربہ کار ہو۔" مولوی اسے نرمی سے سمجھانے لگا۔

"آپ ..... آپ شاید اس لئے ایسا کہہ رہے ہیں کہ میری وجہ سے چالیس دن تک آپ کو بھی پریشانی اٹھانا پڑے گی۔"

"قطعی نہیں۔" مولوی نے انکار میں سر ہلایا۔ "میں تو تمہاری بھلائی کو یہ بات کہہ رہا تھا۔ تم اگر اب بھی بضد ہو اور وظیفہ جاری رکھنا چاہتے ہو تو کل کی طرح بعد نماز عشاء حویلی پہنچ جانا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں' خدا حافظ!" مولوی اٹھ کھڑا ہوا۔

مجھے وہاں سے اس خبیث مولوی کے جانے ہی کا انتظار تھا۔ مولوی کی وہاں موجودگی کے سبب ہی تو اب تک میں نے اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا تھا۔ مولوی کے جاتے ہی میں ملعون ستار کی طرف لپکا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اپنی بیوی کی موت سے بھی اس نے سبق حاصل نہیں کیا تھا بلکہ مجھے قابو میں کر کے انتقام لینے کی فکر میں تھا۔

اگر ستار واقعی مولوی کفایت اللہ کی طرح کوئی خطرناک' قسم کا آدم زاد ہوتا تو میں اس کے جسم میں داخل نہ ہو پاتا۔

میں' ستار کا تین منزلہ مکان رات ہی کو دیکھ چکا تھا چھت خاصی بلندی پر تھی چارپائی سے اٹھ کر میں اندر گھر میں جانے لگا تو ستار کے باپ نے مجھے آواز دی۔ "ستار بیٹے! گھر میں باپردہ خواتین بھی ہیں' ابھی اندر نہ جاؤ۔"

اس وقت تک میں گھر کے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ میں ایسا بن گیا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ صدر دروازے کے قریب ہی اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔ میں تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا گیا' پہلی منزل' دوسری منزل اور پھر تیسری منزل' پھر چھت پر پہنچنے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی۔

مکان کی عقبی سمت بھی ایک پتلی گلی تھی۔ میں چھوٹی سی دیوار پر چڑھ گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے سر کے بل چھت سے نیچے گرنے لگا۔ تیزی سے نیچے گرتے ہوئے اچانک میں' ستار کے جسم سے باہر آ گیا۔ اسی کے چند لمحوں بعد میں نے ستار کی بھیانک چیخ سنی۔ جب پختہ زمین سے اس کا سر پوری قوت سے ٹکرایا تو زبردست آواز آئی۔ اس کا کاسہ سر ٹوٹ کر بکھر گیا اور مغز باہر نکل پڑا۔ یہ اس ضدی آدم زاد کا انجام تھا جو مجھے یعنی ایک جن زاد کو حصول دولت کی خاطر اپنا مطیع بنانا چاہتا تھا۔

ذرا سی دیر میں وہاں بھیڑ لگ گئی اور کہرام مچ گیا۔ ہر زبان پر یہی تھا کہ ستار نے خودکشی کر لی۔ صرف مجھے معلوم تھا کہ وہ خودکشی نہیں' قتل تھا۔ ایک قاتل سے بہتر اس بات کو اور کون جان سکتا ہے۔

☆======☆======☆

میں نے ایک قرض چکا دیا تو دوسری فکر ہوئی۔ نرگس تک پہنچنے کی راہ میں یاسف میرے راستے کی دیوار بن گیا تھا مجھے خبر نہیں تھی کہ اسے اپنی بہن طرطبہ کی موت کا علم ہوا ہے یا نہیں۔ قیاس یہی تھا کہ اسے کچھ پتہ نہیں ہو گا۔

یاسف میری معلومات کے مطابق ابھی تک اقبال ہی کے جسم میں تھا۔ مجھے یہ اندازہ بھی تھا کہ یاسف ابھی نرگس کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ ابھی دو ہی راتیں تو گزری تھیں۔ پہلی رات کو میرے چیخ اٹھنے کی وجہ سے اس کا کھیل بگڑ گیا تھا گزشتہ رات چھت پر ستار میری تسخیر کے لئے عمل کرنے بیٹھ گیا تھا۔ ایسی صورت میں بھلا یاسف کو کیسے کامیابی ہو جاتی۔ سو اسی وجہ سے مجھے کسی قدر اطمینان تھا لیکن اب ستار زندہ نہیں رہا تھا' یاسف' نرگس کو چھت پر بلا سکتا تھا۔

اقبال کو دن کے وقت دفتر میں ملنا چاہئے' میں نے سوچا اور ایل ڈی اے کے دفتر پہنچ گیا۔

یاسف مجھے اقبال کے جسم ہی میں ملا۔ اس نے اپنے قریب میری موجودگی کو محسوس کر لیا تو میں نے سرگوشی کی۔ "اے یاسف! یہاں سے اٹھ کر باہر چل۔ تجھ سے مجھے ایک بہت ضروری بات کہنی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو میں ہرگز تیرے پاس آنا گوارا نہ کرتا۔"

"لیکن تُو نے تو مجھ پر اور میری دوستی پر لعنت بھیج دی تھی' پھر کیوں آیا ہے میرے پاس؟" یاسف بہت دھیمی آواز میں بولا جیسے آپ ہی آپ بڑبڑا رہا ہو۔

"مجھے یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ تُو نے کسی آدم زاد کو میرا نام بتا دیا ہے اب میری یہ غلط فہمی دور ہو گئی ہے۔ اب اٹھ نا۔"

وہ اٹھا ہی تھا کہ ریٹا ادھر آ گئی۔ یہ وہی دیسی عیسائی لڑکی تھی جسے میں شکار کر چکا تھا۔

"اقبال! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" ریٹا جھک کر دھیمی آواز میں بولی۔ "کل سے بات ہی نہیں کر رہے۔ میری میز کی طرف تم ایک دفعہ بھی نہیں آئے' مجھے ہی مجبوراً آنا پڑا۔"

یاسف یقیناً لاعلم تھا کہ ریٹا میرے تصرف میں ہے۔ وہ اسی لئے اسے ٹالنے کی خاطر کہنے لگا۔

"آؤں گا' اس وقت ذرا ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔"

ریٹا کا منہ بن گیا۔ اس نے قدرے خفگی سے کہا۔ "ٹھیک ہے جاؤ' میں بھی اب تمہارے پاس نہیں آؤں گی۔ مجھے بھی بہت سے ضروری کام ہیں۔" وہ یہ کہتے ہی مڑ گئی۔

دفتر کی عمارت سے باہر آ کر خلوت ملتے ہی یاسف نے پہلا سوال ریٹا کے متعلق ہی کیا۔ "یہ لڑکی کون تھی' تجھ سے شاید قریب بلکہ بہت قریب رہ چکی ہے؟"

"اسے جہنم میں جھونک اور ایک روح فرسا خبر سننے کے لئے تیار ہو جا۔" میں بولا۔

"روح فرسا خبر۔" وہ چونک اٹھا۔ "تُو ایسی کیا خبر لے کر آیا ہے؟"

میں نے اسے طرطبہ کی موت کے بارے میں بتا دیا۔

"نہیں۔" اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ "یہ ..... یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ ..... طرطبہ تو بالکل ٹھیک تھی۔"

"حقیقت یہی ہے اے یاسف! جو میں نے بیان کی۔ طرطبہ ماری گئی اور اسے مارنے والے آدم زاد کو میں نے مار دیا۔"

"میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا اے علیالیش کہ تُو کیا کہہ رہا ہے۔" اس کی آواز بھرا سی گئی۔

پھر میں نے یاسف کو سب کچھ بتا دیا' اس کے سوا کہ طرطبہ نے میرے عشق میں جان دی۔ میں آخر میں بولا۔ "میری بات پر ہاموس گواہ ہے۔"

"اب کسی گواہی کی ضرورت نہیں رہی اے علیالیش! اس کا انجام ایک روز یہی ہونا تھا۔ وہ ..... وہ ایک بے وفا کو چاہتی تھی۔ اسے میں نے کئی بار سمجھایا بھی تھا کہ اے طرطبہ! تو پچھتائے گی۔ تُو ہی بتا اے علیالیش کہ مجھ سے زیادہ تجھے اور کون جانتا ہے۔"

یاسف کو جو بات میں نے نہیں بتائی تھی' وہ پہلے سے جانتا تھا۔

"اور سن کہ تُو نے اس آدم زاد کو طرطبہ کا انتقام لینے کی خاطر نہیں' غلام بننے سے بچنے کے لئے قتل کیا ہے۔ تجھے طرطبہ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"ایسا نہیں اے یاسف!" میں نے مصلحت کے تحت جھوٹ بولا۔ "مجھے تو پہلی بار تجھ سے حقیقت کا علم ہو رہا ہے۔ تُو اس وقت صدمے کے زیر اثر ایسی باتیں کر رہا ہے۔"

"جھوٹا ہے تُو۔" اس نے برملا کہا۔ "جان کر انجان بن رہا ہے اور تجھے یہ بھی بتا دوں کہ تُو مجھے یہ اندوہناک خبر دینے کیوں آیا ہے۔ سن سکے گا سچ ..... تجھے یہ جسم چاہئے جس پر میرا قبضہ ہے تاکہ تُو نرگس تک پہنچ سکے۔ یہ نہ ہوتا تو ہرگز تُو میرے پاس نہ آتا۔"

یاسف جو کچھ کہہ رہا تھا قطعی سچ تھا' مگر میں نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔

"نہ مان اے علیالیش کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے تو اب اس جسم کو چھوڑ کر جانا ہی ہے کہ میرا باپ ملیقا اکیلا ہی رو رہا ہو گا۔ تُو نے خوب دوستی نبھائی اے علیالیش! ..... خوب دوستی نبھائی۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اقبال کے جسم کو جھٹکا لگا اور یاسف چلا گیا۔

میں نے اقبال کے جسم کو گرنے نہیں دیا اور اس میں داخل ہو گیا۔ آخر کار میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اب اس وقت تک یاسف' اقبال کے جسم پر قبضہ نہ کر پاتا جب تک میں ہی اسے یہ موقع نہ دیتا۔ اقبال کا جسم اس لئے اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ نرگس تک اسی کے ذریعے پہنچنا ممکن تھا۔

دفتر میں گھسنے کے بعد خود ہی میں' ریٹا کی میز پر چلا گیا۔ حسین آدم زادیوں کو خفا کرنا میرا شیوہ نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے میں نے منا لیا۔

اس روز میں دفتر سے گھر پہنچا تو خلاف توقع نشست گاہ میں مولوی کفایت اللہ کو موجود پایا۔ میرا ماتھا ٹھنکا اور ذہن میں خطرے کی گردان ہونے لگی۔ میں اسے سلام کرتا ہوا اندر کمرے میں جانے لگا تو اس نے مجھے آواز دی۔ "اقبال بیٹے! ذرا میری بات سننا۔"

"مجبوراً مجھے رکنا پڑا۔ مولوی کے پاس اقبال کا باپ افضل بیٹھا تھا۔ میں یہ سوچنے لگا کہ اللہ خیر کرے' اس خطرناک آدم زاد کے قدم یہاں تک کیسے پہنچ گئے۔

نشست گاہ میں داخل ہو کر میں نظریں جھکائے مولوی کے سامنے جا کھڑا ہوا اور بولا۔ "جی فرمایئے۔"

"بیٹے! یہاں ادھر مونڈھے پر میرے پاس بیٹھ جاؤ۔" مولوی نے نرم آواز میں کہا۔ "میں دراصل یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے دم کئے ہوئے پانی کا تم پر کتنا اثر ہو رہا ہے۔"

خطرے کی گھنٹی بہت زور سے بجی۔ مجھے کچھ اور نہ سوجھا تو پیٹ میں سخت مروڑ کا بہانہ کر کے کچھ دیر کو جان بچا لی۔

"ٹھیک ہے بیٹے! میں بیٹھا ہوں' تم آ جاؤ۔" مولوی نے وقتی طور پر مجھے بیت الخلاء جانے کی اجازت دے دی۔ وہ نہ ٹلنے والی موت کی طرح وہیں موجود رہا۔

کروں تو کیا کروں؟ میں سخت مشکل میں پھنس گیا۔ اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں' اقبال کے جسم سے نکل بھاگتا۔ مجھے معلوم تھا کہ مولوی میری آنکھیں دیکھ کر حقیقت تک پہنچ جائے گا اور پھر میرا بچنا ممکن نہیں میں بیت الخلاء جانے کی بجائے سیدھا اندر والے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں کوئی اس

وقت نہیں تھا۔

وہاں بچھے ہوئے پلنگ پر لیٹتے ہی میں' اقبال کے جسم سے باہر آ گیا۔ عین اسی لمحے مجھے یاسف کے وجود کی مخصوص خوشبو محسوس ہوئی۔

میں اگر چاہتا تو یاسف کو خطرے سے آگاہ کر دیتا لیکن دانستہ ایسا نہیں کیا۔ میں دور سے یہ تماشا دیکھنا چاہتا تھا کہ مولوی کفایت اللہ اس کا کیا حشر کرتا ہے۔ یاسف یقیناً اسی وقت آیا تھا اس نے میرے اور مولوی کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سنی تھی۔ یہی سبب تھا کہ وہ دھوکا کھا گیا۔ اقبال کا خالی جسم دیکھتے ہی اس نے اپنا قبضہ جما لیا۔ میں اس سے دور ہو گیا اسی کے ساتھ نڈھال اقبال اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا جسم جنات کی آمدورفت سے نڈھال ہو رہا تھا آج اس کے جسم کو کئی بار جھٹکوں کی وجہ سے اذیت برداشت کرنا پڑی تھی۔ ذرا ہی دیر ہوئی تھی کہ پھر اقبال کی پکار پڑی۔ اس مرتبہ اسے پکارنے والا افضل تھا۔

"آیا ابا!" یاسف نے اقبال کی آواز میں جواب دیا۔

پھنسا بیٹا! میں نے سوچا اور اسے تیز قدمی سے نشست گاہ کی طرف جاتے دیکھا جہاں ایک خطرناک آدم زاد اس کا منتظر بیٹھا تھا۔ میں نے اسے نشست گاہ کے دروازے ہی پر ٹھٹک کر رکتے دیکھا۔ یاسف کو بھی علم تھا کہ مولوی کتنا خطرناک آدمی ہے۔ مولوی دروازے کے قریب ہی مونڈھے پر بیٹھا تھا۔

"اب میں تجھے نہیں بھاگنے دوں گا۔" مولوی کی تیز آواز بلند ہوئی۔ غالباً مولوی نے اس کی آنکھیں دیکھ لیں تھیں۔

اقبال چیختا ہوا گھر کے اندر بھاگا۔ مولوی اس کے تعاقب میں تھا۔ اس نے جلد ہی اقبال کو دبوچ لیا اور گھسیٹتا ہوا نشست گاہ میں لے گیا۔ مولوی کی پھرتی قابل دید تھی۔ اس بڑھاپے میں بھی مولوی کا جسم چست تھا۔

"میں نے تجھے اس جسم کے اندر قید کر دیا ہے' تُو فرار نہیں ہو سکتا۔" میں نے دور سے مولوی کی آواز سنی اور دیکھا کہ وہ اقبال کے سر کے بال پکڑے ہوئے ہے۔ مولوی نے لازماً بہت تیزی کے ساتھ کوئی ایسا عمل کیا تھا کہ یاسف' اقبال کے جسم سے نکل نہ سکے۔ اگر مجھے بروقت خطرے کا احساس نہ ہو جاتا اور میں اس کا تدارک نہ کر لیتا تو یاسف کی جگہ میری یہ درگت بن رہی ہوتی۔ عامل حضرات عام طور پر آدم زادوں یا آدم زادیوں کے جسم سے جنات کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں' مگر یہاں الٹا ہی چکر چل رہا تھا۔ خبیث اور زبردست مولوی نے زیر دست یاسف کی راہ فرار مسدود کر دی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اقبال کے جسم کو ذریعہ بنا کر یاسف کو سزا دے رہا تھا۔ ہوتا یوں ہے کہ جب کوئی جن کسی قالب کو اختیار کر لیتا ہے خواہ وہ قالب حیوان کا ہو یا انسان کا' تو جسم کی تکلیف روح کو ہی محسوس ہوتی ہے۔ حیوان یا انسان کی روح اس کے جسم میں ہونے کے باوجود مغلوب ہو جاتی ہے۔ سو یوں اذیت جنات ہی کو ہوتی ہے۔

بیٹھک' یعنی نشست گاہ کا اندرونی دروازہ بھی کھلا ہوا تھا جس سے اقبال کی ماں رحیمن بھی یہ منظر

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

دیکھ رہی تھی۔ مولوی کفایت اللہ سے وہ پردہ نہیں کرتی تھی۔ اس نے جو مولوی کے ہاتھوں اپنے لخت جگر کو یوں پٹتے دیکھا تو برداشت نہ کر سکی۔ میں گھر کے اندر سے یہ نظارہ کر رہا تھا۔ رحیمن بیٹھک کے دروازے کی طرف لپکی۔

"ہائے ہائے مولوی صاحب! یہ کیا کر رہے ہیں؟ چھوڑ دیں میرے بالے کو۔" رحیمن قریب پہنچ کر اپنے بیٹے کو مولوی سے چھڑانے لگی۔

"تم الگ ہٹ جاؤ بالے کی ماں!" اقبال کا باپ افضل اپنی بیوی سے کہنے لگا۔ "بالے پر جن کا اثر ہے۔ مولوی صاحب بالے کو نہیں اس جن کو سزا دے رہے ہیں جو بالے کے جسم میں گھسا ہوا ہے۔ جاؤ تم اندر۔"

اسی اثنا میں اقبال' مولوی سے زور آزمائی کرنے لگا۔

"تیری یہ مجال کمینے!" مولوی ہانپتے ہوئے بولا اور پھر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر پھونکا۔

اسی کے ساتھ اقبال کے پیر کانپے اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ افضل نے رحیمن کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیٹھک سے نکال دیا۔

"بھائی افضل! کہیں سے کنکریاں منگواؤ' اس جن کو میں ایسی سزا دوں گا کہ یہ پھر کبھی انسانوں کی بستی میں آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔" مولوی نے اقبال کے باپ سے کہا۔

گھر میں اس وقت اقبال کے دونوں بڑے بھائی نہیں تھے اس لئے افضل ہی کو کنکریاں چن کر لانے کے لئے باہر جانا پڑا۔

"اٹھ کر بیٹھ جا۔" مولوی نے اقبال کے کولہے پر لات جمائی۔ پھر مولوی کچھ پڑھنے لگا۔

اقبال کراہتا ہوا اٹھ کے بیٹھ گیا۔ دو زانو ہو کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے زمین پر رکھ لئے اور جھومنے لگا۔

جلد ہی افضل کنکریاں چن لایا اور مولوی کو دے دیں۔ مولوی نے ایک کنکری پڑھ کر اقبال کو ماری۔ اقبال چیخ اٹھا۔ "نہیں۔" یہ آواز اب اقبال کی نہیں' یاسف کی غیر انسانی آواز تھی۔ مولوی نے چیخنے چلانے کے باوجود کنکریاں مارنا بند نہیں کیں۔ یاسف کی چیخیں سارے گھر میں گونجتی رہیں۔

کنکریاں ختم ہو گئیں تو مولوی نے اسے مخاطب کیا۔ "بول اب کون ہے تُو؟"

جواب میں خاموشی رہی تو مولوی نے افضل سے مزید کنکریاں لانے کو کہا۔

"نہیں ..... نہیں۔" یاسف چیخا۔ "مجھے نہ مارو اور جانے دو۔ اب میں اس پر نہیں آؤں گا۔" یاسف کے لہجے میں التجا تھی۔

"رک جاؤ افضل بھائی!" مولوی بولا' پھر یاسف سے مخاطب ہوا۔ "تُو نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا' بتا کہ تیرا کیا نام ہے؟"

"میں یاسف بن ملیقا ہوں۔" اسے جواب دینا ہی پڑا۔ اس نے غالباً دانستہ اپنے نام کے ساتھ باپ کا نام بھی لگا دیا تھا۔

یاسف نے زبان کھول دی تھی۔ میں ڈرا کہ کہیں وہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی میرا بھانڈا نہ پھوڑ دے۔

"تیرا نام تو کچھ سنا ہوا سا لگتا ہے۔" عیار مولوی بولا۔ "کیا تُو پہلے بھی ادھر آ چکا ہے؟"

"نہیں۔" یاسف نے جھوٹ بولا جس سے میرے دل کو اطمینان ہوا۔

"کب سے تُو اقبال کے جسم میں ہے؟" مولوی نے سوال کیا۔

"صرف تین دن ہوئے ہیں۔" اس مرتبہ یاسف نے جھوٹ نہیں بولا۔

"جھوٹا ہے تُو۔" مولوی برہم ہو گیا۔ "تُو اقبال کے نکاح سے بھی پہلے اس کے جسم پر قبضہ کئے ہوئے ہے۔ مجھے چلانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"اللہ گواہ ہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ پہلے اس پر کسی اور کا اثر ہو گا۔" یاسف کی اس بات پر میں پھر خوفزدہ ہو گیا۔

"اگر تُو سچا ہے تو اپنے باپ ملیقا کی قسم کھا۔" مولوی نے شرط رکھی۔

یاسف نے فوراً قسم کھا لی۔

مولوی کے چہرے سے تذبذب کا اظہار ہونے لگا۔ وہ غالباً اس امکان پر غور کر رہا تھا کہ یاسف کی بات درست ہو سکتی ہے۔ ذرا دیر کو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ پھر اچانک مولوی یوں چونک اٹھا جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ مولوی نے کہا۔ "یاسف! تُو اپنے دوست علیالیش کو جانتا ہے نا؟"

"نا ..... نہیں۔ مم ..... میرا ..... میرے کسی دوست جن کا نام علیالیش نہیں۔" یاسف کی غیر انسانی آواز میں ارتعاش تھا۔

مولوی تیزی سے آگے بڑھا اور غصے کے عالم میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اس کے ہاتھ بھی چل رہے تھے اور ٹانگیں بھی۔ یاسف پٹتے ہوئے پھر چیخنے لگا۔

"بولے گا جھوٹ مجھ سے ..... بول ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا' جلا کے خاک کر دوں گا ..... بتا علیالیش تیرا دوست ہے کہ نہیں؟ ..... مجھے سب کچھ یاد آ چکا ہے۔ تُو مجھے اب دھوکا نہیں دے سکتا یاسف!" مولوی ہانپتے ہوئے کہے جا رہا تھا۔ پھر اس نے افضل کو مزید کنکریاں لانے بھیج ہی دیا۔

یہ مثل اس وقت صادق آ رہی تھی کہ مار کے آگے بھوت بھی بھاگتے ہیں۔ ضرب الامثال تجربات ہی کی روشنی میں تو بنتی ہیں۔ دوسری مرتبہ یاسف تشدد برداشت نہ کر سکا۔ کنکریاں کھا کر وہ زمین پر تڑپ رہا تھا لیکن سفاک مولوی کو اس پر ترس نہیں آیا۔ وہ پڑھ پڑھ کر کنکریاں مارتا رہا۔

مولوی کے پاس ابھی کنکریاں ختم نہیں ہوئی تھیں کہ یاسف کی قوت برداشت جواب دے گئی۔

"ہاں ..... ہاں وہ ..... وہ میرا دوست ہے۔" یاسف نے کراہتے ہوئے تیز آواز میں اعتراف کر لیا۔ وہ زمین پر پڑا ہوا تھا۔

"اب سچ آیا نا تیری زبان پر ..... لاتوں کے بھوت باتوں سے کب مانتے ہیں۔" مولوی کے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔ پھر اس نے بقیہ کنکریاں اقبال کے باپ کو تھما دیں اور یاسف سے پوچھا۔ "علیالیش اس وقت کہاں ہے؟"

میں اتنی دور تھا کہ یاسف میرے وجود کی مخصوص خوشبو محسوس نہ کر پاتا۔

"کچھ دیر پہلے تک وہ بھی یہیں تھا' پھر چلا گیا۔" یاسف نے بتا دیا۔

"تو تم دونوں ہی نے یہ گھر دیکھ لیا ہے اور اقبال کو اپنا آلہ کار بنا رکھا ہے۔" مولوی کی آواز میں غصہ تھا۔ "بولو کس لئے؟ تم دونوں کیوں ایسا کر رہے ہو؟"

مولوی نے بہت خطرناک سوال کیا تھا۔ اگر یاسف اس سوال کا صحیح جواب دے دیتا تو پھر مولوی نہ جانے کیا کرتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

"ہمیں ہمارے قبیلے کے سردار نے بطور سزا قبیلے سے نکال دیا ہے۔ تبھی سے ہم در بدر ہو گئے ہیں' ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ آدم زادوں کی اس بستی میں آ گئے۔" یاسف کہنے لگا۔

"تاکہ تم آدم زادیوں کے قریب بھی رہ سکو۔" مولوی کی آواز جیسے زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ "تمہیں اگر تمہارے قبیلے سے نکال بھی دیا گیا تھا تو تم کسی ویرانے کا رخ کر سکتے تھے۔ بولو' کیا تمہارے لئے ایسا ممکن نہیں تھا؟"

"مولانا! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہمیں یہی کرنا چاہئے تھا۔" اقبال کے جسم میں موجود یاسف اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "آپ کو اللہ کا واسطہ مولانا! میرا قصور معاف کر دیں۔" اس نے آگے بڑھ کر مولوی کے پیر پکڑ لئے اور رونے لگا مولوی کے غصے کو وہ آنسوؤں ہی سے ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔ پھر اس نے مولوی کے قدموں میں سر رکھ دیا۔

"ایسا نہ کر۔" مولوی نے جھک کر اس سے اپنے پیر چھڑا لئے۔ "سر صرف اللہ کے آگے جھکاتے ہیں۔" مولوی پیچھے ہٹ گیا۔

"مولانا! اگر آپ نے مجھے معاف کر دیا تو یقین رکھیں پھر کبھی اقبال پر نہیں آؤں گا۔" یاسف گڑگڑانے لگا۔

"معافی مجھ سے نہیں اللہ سے مانگ اے بدکار!" مولوی بولا۔ "تو کیا' آج کے بعد کوئی بھی جن اس گھر میں نہیں آ سکے گا میں اسے کیل دوں گا۔"

کسی گھر کو کیل دینے کا مطلب مجھے اس وقت تک معلوم نہیں تھا۔ مولوی کی بات سے میں صرف اتنا سمجھ سکا کہ وہ کوئی خطرناک عمل کرے گا جس کے بعد کسی جن زاد کا داخلہ اس گھر میں ممکن نہ ہو مولوی کی بات سن کر یاسف ایک بار پھر اپنی رہائی کی التجا کرنے لگا۔

"میں تجھے ایک شرط پر چھوڑوں گا مجھے اس ذلیل علیالیش کے بارے میں سب کچھ بتا دے جو تیرے علم میں ہے۔ اس ظالم و بدکار نے پہلے میرے ایک عزیز کی بیوی کو سانپ بن کر ڈس لیا' پھر اس عزیز کو بھی قتل کر دیا' وہ کمینہ ناقابل معافی اور واجب القتل ہے۔" مولوی کی آواز سے دکھ اور غصے کا اظہار ہونے لگا۔ "ایک ہی گھر سے آج یکے بعد دیگرے دو جنازے اٹھے۔ اگر وہ حرامزادہ مجھے مل جائے تو

اسے تڑپا تڑپا کے ماروں۔" مولوی نے غالباً دانستہ یہ ذکر نہیں چھیڑا کہ میں اس کی بیٹی نرگس پر مرمٹا ہوں۔

بدذات مولوی مجھے گالیاں دے رہا تھا اور میں خاموشی سے گالیاں سننے پر مجبور تھا۔

"آپ درست فرماتے ہیں مولانا! علیالیش واقعی بڑا ہی بے رحم ہے۔ اس کی وجہ سے کل میری بہن طرطبہ کی جان چلی گئی۔" یاسف بولا۔ پھر شاید اس نے مولوی کو اعتماد میں لینے کی غرض سے طرطبہ کے قتل کا واقعہ بیان کر دیا' پھر مزید کہا۔ "میں تو ابھی اپنی بہن کا غم نہیں بھولا مولانا! اسے علیالیش ہی نے بہلا پھسلا کر ستار کا سراغ لگانے کو بھیجا تھا۔"

"حیف صد حیف۔" مولوی اظہار افسوس کرنے لگا۔ "کاش ستار میری بات مان لیتا اور تسخیر جن کا وظیفہ نہ پڑھتا ..... مگر شاید اس کی موت ایک جن کے ہاتھ ہی لکھی تھی۔ اللہ اس کی مغفرت کرے اور اے یاسف! تیری بے گناہ بہن طرطبہ کے مارے جانے کا بھی مجھے ملال ہوا' اسے بھی اللہ جوار رحمت میں جگہ دے۔"

میرے اندازے کے مطابق یاسف کا تیر صحیح نشانے پر بیٹھ گیا تھا۔ مولوی کفایت اللہ کا دل نرم پڑ گیا تھا۔ یاسف اسے اُلو بنانے میں کامیاب رہا' یہ امر میرے لئے باعث خوشی تھا۔

پھر مولوی نے یاسف سے متعدد سوالات کئے جن کا تعلق مجھ سے تھا لیکن یاسف نے کوئی جواب درست نہیں دیا۔ اس روز پہلی بار مجھے یاسف کی دوستی پر اعتبار آ گیا۔ اپنی بہن طرطبہ کی ہلاکت کا ذکر چھیڑ کر وہ مولوی کی نظر میں مظلوم بن گیا تھا اور اب اس مظلومیت سے پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔

"قتل چاہے کسی جن کا ہو یا انسان کا' دونوں کی سزا برابر ہے۔" مولوی کچھ دیر بعد بولا۔ "تیری بہن طرطبہ' مرحوم ستار کے ہاتھوں ماری گئی۔ سو اگر تُو یا تیرا باپ ملیقا' ستار سے قتل کا بدلہ لیتا تو جائز تھا لیکن علیالیش کو یہ حق نہ تھا۔ سو وہ مجرم ہے۔ پھر اس نے ستار کی بیوی کو تو ناحق مارا اس غریب کا بھلا کیا قصور تھا۔ ان معصوم بچوں کو کس جرم کی سزا ملی جو یتیم ہو گئے۔ بول یاسف! کیا تیرا دوست ظالم' سفاک' بے رحم اور قاتل نہیں؟"

"یقیناً ہے مولانا!" یاسف نے فوراً کہا۔ "اب آپ اس قاتل و بدکار کو میرا دوست نہ کہیں۔"

"لگتا ہے کہ تجھے بھی علیالیش ہی کی صحبت نے خراب کیا تھا ورنہ تیرے باپ ملیقا نے تو تجھے یہ تربیت نہ دی ہو گی۔"

"ہاں مولانا! میرے باپ نے ہمیشہ مجھے یہ نصیحت کی کہ خلق خدا کو نہ ستاؤں' خواہ وہ جنات ہوں کہ انسان۔ میرے باپ نے تو مجھے یہ تاکید بھی کی تھی کہ آدم زادوں کی آبادیوں کا رخ نہ کیا کروں لیکن پھر ..... میں' علیالیش کے بہکائے میں آ گیا اور ذلت اٹھانا پڑی۔"

"اے یاسف! مجھ سے عہد کر کہ اب صحبت بد میں نہ رہے گا اور نہ کبھی اپنے باپ کی تاکید کے مطابق انسانوں کی بستیوں میں آئے گا۔"

"میں عہد کرتا ہوں مولانا کہ ایسا ہی کروں گا۔" یاسف بولا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

مولوی کفایت اللہ نے پھر کچھ پڑھنا شروع کر دیا اس کے موٹے موٹے ہونٹ تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ پڑھنے کے بعد اس نے آگے بڑھ کر اقبال پر دم کیا۔

"جا یاسف! میں نے تجھے اللہ کے نام پر آزاد کیا۔"

مولوی کے الفاظ ختم ہوتے ہی اقبال کے جسم نے جھٹکا کھایا اور ایک طرف لڑھک گیا۔

"اسے کیا ہوا مولوی صاحب!" اقبال کے باپ نے گھبرا کر پوچھا۔

"اس کے جسم سے ابھی ایک جن باہر نکلا ہے۔ اسی کے اثر سے آزاد ہو کر اس پر غفلت طاری گئی ہے۔ انشاء اللہ اسے ابھی ہوش آ جائے گا۔ اسے یہاں سے اٹھوا کر اندر لے چلو۔" مولوی جواب دیا اور آگے بڑھا۔

پھر افضل اور مولوی نے اقبال کے بے ہوش اور کسی قدر زخمی جسم کو اٹھایا اور اندر کمرے میں لا پلنگ پر لٹا دیا۔ میں اس دوران راستے سے ہٹ گیا تھا۔ اتنی دیر وہاں مولوی کی موجودگی کے باوجود رہنے سے میرا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ میں اب صحن سے کمرے کا منظر دیکھ رہا تھا سبھی اس کمرے میں تھے۔

مولوی کے بیٹھنے کو اقبال کی بہن بیٹھک سے ایک مونڈھا اٹھا لائی۔ افضل پلنگ کی پائنتی پر بیٹھ گیا رحیمن سرہانے کھڑی تھی۔

اقبال کے چہرے اور جسم پر مولوی کی مار پیٹ کے نشانات میں نے دیکھتے تھے۔ ان پر کوئی مرہم لگا جانے لگا۔ اقبال کو ذرا دیر کے بعد ہوش آ گیا اور وہ جسمانی تکلیف سے کراہنے لگا۔ وہ نقاہت آمیز آواز میں حیرت سے بولا۔ "مجھے کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں بیٹے!" مولوی نے بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا' پھر پانی منگوا کر دم کیا پلایا۔

"میرا سارا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔" اقبال کی آواز مجھے سنائی دی۔

"انشاء اللہ تم جلد ہی بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔" مولوی نے اسے دلاسا دیا' پھر اپنی جیب سے گھڑی نکال کر اس میں وقت دیکھنے کے بعد افضل سے کہنے لگا۔ "مغرب کا وقت ہونے والا ہے۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ میں مغرب کی نماز بادشاہی مسجد ہی میں پڑھتا ہوں بعد مغرب حاجت مندوں سے فارغ ہو کر پھر آؤں گا کہ تمہارے گھر کو کیل دوں۔ یاسف جن تو خیر شریف باپ کا بیٹا تھا مگر اس کا دوست علیالیش جن بہت خطرناک اور بدمعاش ہے اس کا مستقل بندوبست ضروری ہے کہ وہ یہاں داخل نہ ہو سکے۔ جب تک نہ آ جاؤں تم اقبال کو کہیں نہ جانے دینا۔" مولوی یہ کہتے ہی مونڈھے سے اٹھ گیا۔

مجھے مولوی پر اس سے ڈرنے کے باوجود شدید غصہ آ رہا تھا۔ قریب ہی گھڑونچی پر مجھے پیتل گلاس رکھا نظر آ گیا۔ مولوی کمرے سے نکلا تو میں پیچھے ہٹ گیا وہ جب صحن عبور کر کے گھر کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو اس کی پشت میری طرف ہو گئی۔ میں نے بھاری گلاس اٹھا کر پیچھے مولوی کے سر پر کھینچ مارا۔ گلاس سر کے پچھلے حصے پر زور سے لگا اور مولوی کے منہ سے بے اختیار

نکل گئی۔ بدبخت کی آنکھوں میں یقیناً ستارے ناچ گئے ہوں گے۔ وہ لڑکھڑایا ضرور مگر گرا نہیں۔

اقبال کا باپ افضل کمرے سے بھاگتا ہوا نکلا اور مولوی کے قریب پہنچ کر بولا۔ "کیا ہوا مولوی صاحب؟"

مولوی نے اپنے سر کے پچھلے حصے پر ہاتھ پھیرا۔ گلاس قریب ہی پڑا تھا۔

"ارے ..... آپ کے سر سے تو خون نکل رہا ہے۔" افضل نے مولوی کے ہاتھ پر لگا ہوا خون دیکھ کر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ حرامزادہ علیالیش ابھی یہیں ہے۔" مولوی بولا اسی کے ساتھ اس کے ہونٹ حرکت کرنے لگے۔

بیٹا علیالیش' بھاگ لے یہاں سے اس وقت ورنہ پھر یہ خبیث مولوی تجھے قید کر لے گا۔ یہ سوچتے ہی میں وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے' سو میں نے بھاگ کر مولوی ہی کی حویلی میں پناہ لی۔ اس طرح مجھے اپنی محبوبہ نرگس کے دیدار کا موقع بھی مل گیا۔ وہ اپنی حویلی کے صحن میں تھی' مگر میں اس سے دور ہی رہا۔ آداب عشق تو بہرحال ملحوظ رکھنا ہی پڑتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ یہ سوچ کر میں خود کو تسلی دے رہا تھا ورنہ حقیقت کچھ اور تھی میں اگر اس سراپا ناز کے قریب جاتا تو وہ چوکنا ہو جاتی۔ پھر اس حویلی میں بھی میرا ٹھہرنا محال ہو جاتا۔ کمبخت نے نرگس کو نہ جانے کیا کیا سکھا پڑھا رکھا تھا کہ اسے اپنے قریب کسی جن کی موجودگی کا پتا چل جاتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ کہ وہ جن کو اپنے پاس سے بھگانا بھی جانتی تھی۔ وہ جھکی ہوئی صحن کی جھاڑو نکال رہی تھی۔

نرگس کا یوں جھکنا' بار بار دوپٹے کا ڈھلک جانا اور پھر دوپٹہ درست کرتے ہوئے اس کے حسین جسم کا مخصوص انداز میں حرکت کرنا' گویا مجھ پر قیامت ڈھا رہا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ نرگس نہ ہو' شاخِ گل ہو۔

میں اسے یونہی دیکھے گیا اور جانے کب وہ جھاڑو دیتی ہوئی میرے قریب آ گئی۔ مجھے تو اس وقت ہوش آیا جب دم گھٹتا محسوس کیا۔ وہ لبِ لعلیں حرکت میں تھے۔ غلطی میری ہی تھی۔ مجھے حواس میں رہنا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی کی حویلی سے بھی مجھے بھاگنا پڑا۔

وہ بڑی ٹیڑھی کھیر تھی اسے سیدھا کرنا آسان نہیں تھا۔ میں جو خود کو آدم زادیوں پر پٹو ڈالنے میں ماہر سمجھتا تھا' نرگس نے مجھ سے بھی کوڑی بلوا دی تھی۔

اقبال کے گھر میں نرگس کا باپ موجود تھا اور یہاں نرگس۔ میرے لئے اب تیسرا ٹھکانہ بملا کی کوٹھی رہ گئی۔ میں نے سوچا تھا کہ اقبال کے گھر سے مولوی پھوٹ لے گا تو دوبارہ اقبال کے جسم پر قابض ہو جاؤں گا۔ بملا کی کوٹھی نواح شہر میں تھی۔ سارے ہی دولت مند آدم زاد ہم جنات کی طرح شہر سے باہر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ شاید اسی لئے ان کے عادات و خصائل ہم سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ جنات کی اکثریت بھی انہی پیسے والے آدم زادوں کی طرح بے رحم اور سفاک ہوتی ہے۔ اپنا مطلب نکالنے میں مہارت اور ایسے آدم زاد ایک سی صفات رکھتے ہیں۔ [illegible] طرف جاتے ہوئے بھی مجھے خیال نرگس ہی کا

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

تھا۔ وہ مجھے تگنی کا ناچ نچا رہی تھی اور پیچھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دے رہی تھی۔ اس کے قریب صرف ایک ہی آدم زاد پہنچ سکا تھا جسے وہ چاہتی تھی اسی وجہ سے اس آدم زادے کا بھاؤ بڑھ گیا تھا۔ خدا جانے آدم زادیوں کی یہ کون سی قسم تھی کہ ایک کے سوا کسی دوسرے کو قریب آنے دینا ان کے نزدیک کفر تھا۔ کثرت ایسی ہی آدم زادیوں کی تھی یہ الگ بات کہ ہم جیسے جنات کسی آدمی کے جسم میں گھس کر انہیں دھوکہ دے جائیں یا پھر کہیں تنہا پا کر ڈرانے دھمکانے کے بعد راہ و رسم پیدا کرلیں۔ کبھی کبھی تو سب کچھ بڑی خاموشی سے ہو جاتا۔ کچھ کہنے سننے کی ضرورت بھی پیش نہ آتی اور کام بن جاتا۔ ایسا عموماً بزدل قسم کی آدم زادیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ خوف کے سبب ان کی قوت گویائی سلب ہو جاتی اور جب خوف کم ہوتا تو وہ جیسے کسی اور ہی جہان میں ہوتیں۔ شاید وہ اسے کوئی حسین خواب سمجھنے لگتی ہوں گی۔

ابھی میں شہر کی حدود ہی میں تھا کہ خلاف توقع یاسف پر میری نظر پڑ گئی۔ یہاں میں یہ وضاحت کر دوں کہ ہم جنات بھی آدم زادوں کی طرح جسمانی اعضاء کے مالک ہوتے ہیں' فرق صرف مادے کا ہے۔ آدم زادوں کے اور ہمارے مادے مختلف ہیں۔ آدم زادوں کا خمیر مٹی سے اٹھا ہے اور ہمیں تیز ہوا کی رگڑ سے جو آگ پیدا ہوتی ہے' اس سے بنایا گیا ہے۔ ہمیں بھی تکلیف و اذیت محسوس ہوتی ہے۔ ہمارے نادیدہ وجود یا جسم پر بھی چوٹ لگتی ہے۔ ہمیں بھی آگ سے پیدا ہونے کے باوجود جلایا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال بڑی آسانی سے دی جا سکتی ہے۔ آدم زاد مٹی سے بنے ہیں مگر مٹی ہی کا کوئی سخت ڈھیلا انہیں زخمی کر سکتا ہے۔ سو کھلا یہ کہ ہر مٹی یکساں نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہر آگ ایک جیسی نہیں۔

یاسف میرے قریب ہی تھا میں نے اسے روک لیا اور پوچھا۔ "مولوی کفایت اللہ سے تم نے جو عہد کیا تھا' پورا نہیں کیا؟"

"اگر انہی مولویوں کی باتوں میں آ گئے ہم تو جی لئے اے علیالیش!" وہ ہنس کر بولا۔ "کیا تو وہاں موجود تھا' گیا نہیں تھا؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "تجھے بہت مارا اس خبیث مولوی نے۔ میں تیرا ممنون ہوں دوست کہ تو نے اسے میرے بارے میں صحیح باتیں نہیں بتائیں واقعی تجھ جیسے دوست پر بھروسا کیا ہے۔ تو ناحق نرگس کی خاطر مجھ سے لڑ بیٹھا۔ ویسے نرگس کے باپ کو میں نے بھی آج مزہ چکھا ہی دیا۔ پھاڑ دیا بدبخت کا۔"

"وہ کیسے اے علیالیش! مولوی تو بہت عیار ہے' وہ تیرے داؤ میں کیسے آ گیا؟" یاسف نے حیرانی کر معلوم کیا۔

میں نے مولوی کو زخمی کرنے کا واقعہ بیان کر دیا اس پر یاسف بہت خوش ہوا۔ پھر میں نے اس سے دریافت کیا۔ "تو ادھر کہاں گھوم رہا ہے؟"

"تجھے بتا دیا تو پھر تو بھی اس آدم زادی کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ جائے گا' اس لئے رہنے دے۔"

"اے یاسف! پہلے بھی تو ہم ایک تھے نا۔" میں نے نئی آدم زادی کے ذکر کی وجہ سے یاسف

بات میں دلچسپی لی اور اظہار دوستی کرنے لگا۔ "اب آخر ایسی کیا بات ہو گئی کہ تو مجھے اپنے کسی راز میں شریک نہیں کر رہا؟"

"پہل تو نے ہی کی تھی اے علیالیش!" وہ بولا۔ "ورنہ تو کبھی میں نے تجھ سے کچھ نہیں چھپایا۔"

"پچھلی باتوں پر خاک ڈال دے کہ اب مجھے تیری دوستی پر یقین آ گیا ہے۔"

یاسف بہرحال مجھ سے زیادہ چالاک نہیں تھا اسی لئے باتوں میں آ گیا اور بتانے لگا۔ "اس کا نام زینت ہے' تعلق ایک غریب گھرانے سے ہے۔ زینت کے والدین سے ایک حماقت ہو گئی جس کا خمیازہ زینت کو بھگتنا پڑا۔ ہوا یہ کہ لڑکے والے زینت کو دیکھنے آئے تھے اور پسند کر لی اس کی چھوٹی بہن نگہت۔ والدین نے سوچا کہ چلو پہلے چھوٹی ہی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ انہوں نے نگہت کی شادی کر دی۔ بس یہی برا ہوا۔ یہ برسوں پہلے کی بات ہے' جب زینت صرف سولہ سال کی تھی اور نگہت....."

"اب کیا عمر ہے زینت کی؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"تیس کے قریب ہو گی لیکن تو پہلے پوری بات تو سن لے۔" یاسف نے کہا۔ "دراصل دو مہینے پہلے ہی زینت سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ تو اس وقت اقبال کے جسم میں تھا۔ خیر تو میں تجھے یہ بتا رہا تھا کہ چھوٹی بہن کی شادی پہلے ہو جانے کی وجہ سے یہ بات مشہور ہو گئی کہ زینت میں یقیناً کوئی عیب ہے اور اسی وجہ سے والدین نے اس کی شادی نہیں کی۔ سو یوں حسین و خوبصورت ہونے کے باوجود شادی کی عمر نکل گئی۔ زینت کی تباہی میں اس کے بڑے بھائی افتخار کا بھی ہاتھ ہے۔ خود اس کی شادی بھی نہیں ہوئی۔ اس کا سبب خود افتخار ہے۔ وہ غنڈہ ہے' گھٹیا درجے کا غنڈہ۔ زینت کا ایک آدھ رشتہ آیا بھی تو افتخار کی پھنے خانی آڑے آ گئی اور بدنامی بھی۔ مجھے یہ ساری باتیں خود زینت ہی نے بتائی ہیں۔"

"زینت نے۔" میں حیرت سے بولا۔

"ہاں اس نے مجھے اور میں نے اسے قبول کر لیا ہے۔ اسے میں نے اپنے بارے میں بتا دیا ہے کہ جن زاد ہوں۔"

"پھر بھی وہ تجھ سے راضی ہے؟"

"ہاں اور کیا..... پہلی مرتبہ تو میں نے چپکے سے ایک رات کام دکھا دیا تھا۔ وہ نیند میں تھی۔ دوسری بار جاگ رہی تھی تو ڈر گئی۔ دو چار مزید ملاقاتوں میں اس کا خوف کچھ کم ہوا تو پوچھنے لگی' میں کون ہوں؟ بتانے پر وہ خوفزدہ ہوئی تو میں نے اسے سمجھایا۔ پھر جب پورے ایک مہینے وہ میرے تصرف میں رہی تو اس نے حالات سے صلح کر لی۔ اب وہ بھی خوش ہے اور میں بھی۔ نرگس کے معاملے میں پھنس کر میں کئی دن ہو گئے' اس سے نہیں ملا۔ سو آج ادھر آ نکلا۔" یاسف نے مجھ سے کچھ نہیں چھپایا۔

یاسف کی زبانی زینت کے حسن کا ذکر سن کر میں للچا گیا۔ میرے لئے یہ بات بھی باعث کشش تھی کہ زینت اب تک صرف یاسف کے تصرف میں آئی تھی اور اس واقعے کو بھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ ہرچند کہ بملا' زینت سے عمر میں کم تھی مگر وہ گویا صلائے عام تھی۔ وہ صرف کسی ایک اہل دل کے لئے مخصوص نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ یاسف کو اگر میں ادھر لگا دوں اور خود زینت کو اپنی آغوش کی زینت

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

بنالوں تو یہ سودا مہنگا نہیں رہے گا اس طرح میں اپنے دوست یاسف کا اعتماد ایک بار پھر حاصل کر لیتا۔

"چھوڑ اے یاسف! زینت کا قصہ۔ میں تجھے ایک ایسی آدم زادی کا دیدار کراتا ہوں جسے تُو نرگس کا نعم البدل سمجھے گا اسے ایک نظر دیکھ کر اگر تُو بھی اس کے حُسن کا قصیدہ نہ پڑھنے لگے تو کہنا۔ بول' چلتا ہے میرے ساتھ؟"

"وہ ہے کون؟ کچھ اس کے بارے میں بتا تو سہی۔"

"ارے اسی ظالم کی خاطر تو میں نے اقبال کے جسم کو چھوڑا تھا کہ تُو نے اقبال پر اپنا قبضہ جما لیا۔"

یہ کہتے ہوئے مجھے ایک اور بات یاد آ گئی جو میرے لئے الجھن کا سبب بنی ہوئی تھی۔ ستار نے جب مجھے غلام بنانے کی خاطر وظیفہ شروع کیا اور میں دوسری شب مولوی کفایت اللہ کی حویلی میں پہنچا تو یاسف مل گیا۔ یاسف نے اس وقت مجھ سے کہا تھا' میں جانتا ہوں کہ تُو گزشتہ رات سے کس عذاب میں گرفتار ہے' پہلے کسی آدم زاد کے قبضے میں جانے سے بچنے کی سبیل کر۔ اس وقت صورت حال ایسی تھی کہ میں یاسف سے نہیں پوچھ سکا کہ اسے کس طرح یہ بات معلوم ہو گئی؟ وہ سوال اب میری زبان پر آ گیا۔

"میں تو تیری ٹوہ میں لگا ہی رہتا تھا۔" یاسف نے جواب دیا۔ "سو نرگس کی حویلی کے اردگرد منڈلانا میرا معمول تھا۔ مولوی نے میری ہی موجودگی میں اس ملعون ستار کو وظیفہ بتایا تھا۔ کاش مجھے یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ وہ میری بہن طرطبہ کو قتل کر دے گا تو میں پہلے ہی اس کا گلا گھونٹ دیتا۔"

"مگر ایک دوست کی حیثیت سے تو مجھے تُو اس سے آگاہ کر دیتا اے یاسف!" میں نے گلہ کیا۔

"تجھے تو معلوم تھا کہ میں کہاں ہوں۔"

"ضرور آگاہ کرتا' مگر اس وقت جب نرگس کو اپنے تصرف میں لے آتا۔ وظیفہ پورا ہونے میں تو ابھی بہت دن تھے۔"

"تجھے شاید ابھی یہ تجربہ نہیں کہ جب کوئی آدم زاد کسی جن زاد کو اپنا مطیع بنانے کے لئے عمل شروع کرتا ہے تو کتنی تکلیف و اذیت ہوتی ہے۔"

"تُو ٹھیک کہتا ہے اے علیالیش! میں نے اس کے بارے میں صرف سنا ہی سنا ہے کہ جنات عمل کے دوران بڑی اذیت سے گزرتے ہیں۔ مجھ سے تو یہ کہہ رہا تھا تُو کہ پچھلی باتوں پر خاک ڈال دوں اور خود گڑے مُردے اکھیڑنے لگا..... اس کی بات کر کہ جس کا دیدار کرانے کو کہہ رہا تھا۔ کیا وہ بھی نرگس کی طرح تیرے ہاتھ نہیں آئی؟"

"ہاتھ کیسے نہ آتی۔ ہر آدم زادی تو نرگس کی طرح نہیں۔"

"یہ سنائی تُو نے خوشخبری۔" یاسف کہنے لگا۔ "اب تو اس کے دیدار کا شوق اور بڑھ گیا۔"

"تو پھر تجھے میرا شوق بھی پورا کرنا پڑے گا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "زینت کا دیدار میں بھی کروں گا۔"

"سیدھی سیدھی بات کر اے علیالیش! دوستی میں زیادہ چالاکی نہیں دکھاتے۔" یاسف بولا۔ "تُو مجھے اس آدم زادی کو دکھا دے جسے نرگس کا نعم البدل بتا رہا ہے۔ میں تجھے زینت کا دیدار کرا دوں گا پھر

اگر بات بن گئی تو ہم دونوں دوست پہلے ہی کی طرح پھر ایک ہو جائیں گے' یعنی زینت بھی تیری اور وہ آدم زادی بھی میری۔"

یاسف نے خود ہی میری مشکل آسان کر دی۔ مجھے یقین تھا کہ بملا کو دیکھ کر یاسف بے اختیار ہو جائے گا۔

"تو پھر چل اے یاسف! پہل میری طرف سے سہی۔" میں نے کہہ دیا۔ "مجھے تیری شرط منظور ہے۔"

پھر وہی ہوا جس کا مجھے پہلے سے اندازہ تھا۔ بملا اداس اداس سی تھی۔ مجھے اس کا سبب معلوم تھا اس نے مجھ سے بہت ڈانٹ کھائی تھی' اس پر کہ وہ مجھے اپنا شوہر تسلیم کیوں نہیں کرتی۔

"پسند آئی ..... واقعی بہت پسند آئی' یہ آدم زادی۔" یاسف بے خود سا ہو کر بولا۔ "تُو نے ٹھیک ہی کہا تھا اے میرے دوست علیالیش۔"

یاسف اب میرے ساتھ عمارت سے نکل کر کوٹھی کے لان میں آ گیا تھا۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی' وہ اتنی اداس کیوں تھی؟" یاسف نے سوال کیا۔

جواب میں اسے میں نے تفصیل کے ساتھ وجہ بتا دی' پھر کہا۔ "تجھے بھی خود کو بملا کے سامنے سوہن ہی ظاہر کرنا ہے۔ یوں بھی ہم دونوں کی آوازیں غیر انسانی ہیں اور ان میں زیادہ فرق نہیں۔ بملا مجھ سے پہلے ہی ڈری ہوئی ہے' تیرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں کرے گی۔ اب اپنے وعدے کے مطابق تُو بھی ساتھ چل کر زینت کو دکھا دے۔"

یاسف فوراً راضی ہو گیا۔ وہ مجھے غریبوں کی ایک آبادی میں لے آیا۔ زینت کا گھر بھی زیادہ بڑا نہیں تھا' صرف دو کمرے اور ایک بیٹھک تھی۔ اس کے والدین ایک کمرے میں سوتے تھے اور زینت الگ دوسرے کمرے میں جہاں اس کے بھائی افتخار کی چارپائی بھی بچھی تھی لیکن اکثر یہ چارپائی خالی ہی پڑی رہتی تھی۔ افتخار ہفتے میں ایک آدھ دن ہی رات کو گھر پر سوتا تھا۔ اس کی راتیں عموماً لاہور کے بازار حُسن ہیرا منڈی میں گزرتی تھیں۔ وہ زینت سے دس برس بڑا تھا۔ زینت سے بڑی دو بہنیں اور تھیں جو بچپن ہی میں مر چکی تھیں۔ یہ تمام باتیں یاسف نے مجھے راستے ہی میں بتا دی تھیں۔ ظاہر ہے ان باتوں کا علم اسے زینت ہی سے ہوا تھا۔

عمر زیادہ ہونے کے باوجود زینت جیسے بھری بہار تھی۔ قد لمبا' چہرہ کتابی' ٹھوڑی میں نمایاں گڑھا' جسم نہ زیادہ ہلکا نہ بہت بھاری' رنگت اجلی ہی تھی۔ ایک رخسار پر چھوٹا سا سیاہ مسا تھا کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ زینت بہرحال مجھے اچھی لگی اور اس گھر سے نکلتے ہی میں نے یاسف کو یہ بات بتا بھی دی۔ معاملہ طے ہو گیا۔ وہ رات مجھے زینت کے ساتھ اور یاسف کو بملا کے قرب میں بسر کرنا تھی۔ ہم دونوں ہی بخوشی اس پر راضی ہو گئے تھے۔ آدم زادیوں کو خبر بھی نہیں تھی کہ دو جن زاد ان کے بارے میں کیا فیصلہ کر چکے ہیں۔

ابھی رات زیادہ نہیں گزری تھی اس لئے میں نے یاسف سے کہا۔ "کیا خیال ہے' ایک چکر بھائی

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

دروازے کا لگا لیں؟"

"سوچ لے' مولوی کفایت اللہ مجھ سے پہلے ہی بہت ناراض ہے۔ تُو اسے زخمی بھی کر چکا ہے۔ کہیں ہم کسی چکر میں نہ پھنس جائیں۔" یاسف نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"اے یاسف! کیا تُو بھول گیا کہ اس کمینے نے کیا دعویٰ کیا تھا؟"

"کس سلسلے میں؟"

"اس نے تجھی سے تو کہا تھا' تُو کیا آج کے بعد کوئی بھی جن اس گھر میں نہیں آ سکے گا۔ میں اسے کیل دوں گا۔ یہ کیلنا کیا ہوتا ہے؟ اے یاسف!"

"مجھے نہیں معلوم..... کسی عمل ہی کو کہتے ہوں گے۔"

"میں وہاں چل کر یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ مولوی کا دعویٰ کس حد تک صحیح تھا' وہ تجھے رعب میں لینے کو بھی تو بڑ ہانک سکتا ہے۔"

"تیرے کہنے پر میں ساتھ تو چلتا ہوں لیکن اقبال کے گھر میں نہیں جاؤں گا۔"

میں ہنسا۔ "تُو اس بدذات مولوی سے ڈر گیا ہے' بس اور کوئی بات نہیں۔"

"اگر وہ پڑھ پڑھ کر تیرے کنکریاں مارتا تو تجھے پتا چلتا۔ جب بھی کنکری پڑتی ایسا لگتا کہ جیسے بیک وقت سارے جسم میں ہزاروں سوئیاں اتر گئی ہوں۔ توبہ توبہ' زندگی میں کبھی مَیں نے ایسی اذیت برداشت نہیں کی۔ انتہائی خطرناک آدم زاد ہے وہ مولوی۔"

"مجھے یاد ہے' تُو پہلے بھی ایک بار مولوی کی حویلی میں جانے سے ڈر گیا تھا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ تیرے ساتھ ہونے سے کم از کم اتنا سہارا تو ہو گا کہ اگر گھر کے باہر کسی خطرے کی بو محسوس ہو تو بروقت مجھے آگاہ کر دے۔ مولوی کی حویلی' اقبال کے گھر سے ملی ہوئی ہے اس لئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔"

جب ہم بھائی دروازے پہنچے تو عشاء کی اذان ہو چکی تھی۔ یاسف باہر ہی منڈلاتا رہا اور میں چوکنا سا اقبال کے گھر میں داخل ہو گیا۔ میں نے سارے ہی گھر کا چکر لگایا اور اقبال کے پاس بھی گیا مگر کچھ نہ ہوا۔ اقبال ابھی تک آرام کر رہا تھا اور اس کی ماں رحیمن اسی کمرے میں نماز پڑھ رہی تھی۔

میں نے یہی سوچا کہ مولوی کفایت اللہ نے یاسف کو ڈرانے کے لئے جھوٹ بولا ہو گا۔ مقصد ظاہر تھا کہ یاسف دوبارہ اس گھر میں نہ آئے۔ ایسا ہی ہوا بھی تھا۔ یاسف نے گھر میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کی تھی' مگر میں علیالیش تھا۔ اگر آج رات مجھے زینت کے ساتھ نہ گزارنا ہوتی تو یہ موقع بہت غنیمت تھا' میں فوری طور پر اقبال کے جسم میں گھس جاتا۔

کچھ دیر اقبال کے گھر میں رہ کر میں باہر آ گیا۔ یاسف میرا منتظر تھا۔

"کیا ہوا اے علیالیش!" اس نے پُراضطراب آواز میں دریافت کیا۔

"ہونا کیا تھا؟" میں طنزیہ آواز میں ہنسا۔ "اس خبیث مولوی نے تجھ سے جھوٹ بولا تھا' غلط دعویٰ کیا تھا۔ تجھے اس نے اُلو بنا دیا۔ میں سارے گھر میں گھوم پھر کے آیا ہوں۔"

"حیرت ہے' میں نے تو سنا تھا کہ مولوی جھوٹ نہیں بولتے۔"

"ان آدم زادوں کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں۔ انہیں خود اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی عادت ہوتی ہے' پرلے درجے کے جھوٹے ہوتے ہیں یہ۔"

"پھر اب تیرے کیا ارادے ہیں اے علیالیش! کیا تُو پھر اقبال کے جسم کو آلہ کار بنائے گا؟"

"کیوں نہیں' وہی تو ایک پُل ہے' پار اترنے کے لئے۔ تجھے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں؟" میں نے دریافت کیا۔

"نہیں اے دوست! دنیا بھری پڑی ہے' آدم زادیوں سے۔ بس ذرا تلاش کی بات ہے۔ مجھے کوئی شوق نہیں اپنے جسم میں سوئیاں چبھوانے کا۔" یاسف نے صاف صاف کہہ دیا۔ "نرگس تجھی کو مبارک۔"

ابھی ہماری گفتگو جاری ہی تھی کہ سامنے سے مولوی کفایت اللہ آتا دکھائی دیا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی تھی جس پر وہ پھندنے والی ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔

"اس کی ٹوپی اتار کے بھاگ لیتے ہیں۔" مجھے شرارت سوجھی۔

یاسف نے منع بھی کیا مگر میں باز نہ آیا میں نے سپاٹا بھرا اور کسی چیل کی طرح جھپٹا مارتا ہوا فضا میں بلند ہوتا گیا' مولوی نے منہ اٹھا کر اوپر دیکھا مگر میں چشم زدن میں اس کی ٹوپی سمیت وہاں سے تھری فور ہو گیا۔ یاسف مجھ سے پہلے ہی آگے آگے اڑا جا رہا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچا تو وہ بولا۔ "اے علیالیش! مان جا میرے دوست' مولوی سے چھیڑ چھاڑ نہ کر۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ اسے تیرا نام معلوم ہے۔ تنگ آ کر وہ کہیں تجھے قابو میں کرنے کا عمل شروع....."

"میں اب اس سے ڈرنے والا نہیں۔" میں نے یاسف کی بات کاٹ دی۔ "ان آدم زادوں سے جتنا ڈرو یہ اتنے ہی شیر ہوتے جاتے ہیں۔ ابھی تُو دیکھتا رہ' میں اسے کس طرح تپاتا ہوں۔"

مولوی کی ترکی ٹوپی میرے پاس تھی۔ میں نے ایک جگہ اتر کر اس میں غلاظت بھری اور یاسف کو وہیں رکنے کے لئے کہہ کر دوبارہ بھائی دروازے کی طرف لپک لیا۔

میں نے اوپر سے دیکھا تو مولوی اپنی حویلی کے صحن سے گزرتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے سر پر اب ململ کی دو پلو ٹوپی تھی۔ وہ شاید حویلی سے کہیں باہر جا رہا تھا۔ تاک کر میں نے غلاظت بھری ترکی ٹوپی اس کے اوپر پھینکی۔ اس کے پاک صاف کپڑے غلاظت میں لتھڑ گئے۔ یہ دیکھتے ہی میں وہاں سے ہوا ہو گیا۔

ذرا ہی دیر بعد میں زور سے ہنس ہنس کر یاسف کو یہ واقعہ سنا رہا تھا۔ اپنے ہاتھ میں نے راوی کے پانی میں پہلے ہی دھو لئے تھے۔

"اب تیری خیر نہیں اے علیالیش!" یاسف بھی ہنستے ہوئے بولا۔ "مولوی اس پر بھنوٹ ہو جائے گا۔"

"وہ بھی کیا یاد کرے گا کہ کسی جن زاد سے پالا پڑا تھا۔ خیر اب لعنت پڑھ اس پر۔ تُو بملا کے پاس چلا جا اور میں' زینت کے ساتھ عیش کرتا ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

پھر یاسف اور میں ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے۔ میں' زینت کے گھر پہنچا تو گلی میں بھیڑ لگی تھی۔ گھر کے سامنے ایک شخص چاقو ہاتھ میں لئے ہوئے چیخ رہا تھا۔ کئی افراد اسے پکڑے ہوئے تھے۔ "چھوڑ دو مجھے' میں اس کا پیٹ فاڑ دوں گا۔" چاقو والا بپھرا جا رہا تھا۔ وہ نشے میں لگتا تھا۔

"سنو تو افتخار بھائی! تم سے کسی نے غلط کہا ہے۔" ایک آدمی چاقو والے کو سمجھانے لگا۔

"ہاں گنڈا ہوں میں ..... مگر محلے میں کبھی کی میں نے گنڈا گردی؟ فر وہ ملاّ کون ہوتا ہے یہ کہنے والا کہ ہمیں محلے سے نکال دو۔ اس نے میری بھین کا نام کیسے لیا؟ میں سالے کی جبان کاٹ دوں گا ..... نئیں کرتے ہم اپنی بھین کی سادی۔ وہ کون.....؟"

میں سارا قصہ سمجھ گیا۔ محلے ہی کے کسی ملاّ نے زینت کے بھائی افتخار کو غنڈہ کہہ دیا تھا اور زینت کو گھر میں بٹھا لینے پر بھی معترض تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ ملاّ محلے والوں کو اس پر اکسا رہا تھا کہ زینت کے گھر والوں کو محلے سے نکال دیا جائے۔ ملاّ کی دانست میں اس طرح محلے کا ماحول پاک صاف ہو جاتا۔ کہیں سے اڑتی ہوئی یہ خبر افتخار تک بھی پہنچ گئی تھی۔ وہ تو تھا ہی چھٹا ہوا' چاقو نکال کر بھاگا ملاّ کے پیچھے۔ ملاّ نے قریبی مسجد میں داخل ہو کر اپنی جان بچائی تھی۔ لوگوں کی چہ میگوئیوں سے مجھے تمام بات معلوم ہوئی۔

"نسا کر کے مجد میں نئیں جاتے اس وجہ سے میں رک گیا۔ اب تم لوگ ملاّ کو مجد سے نکالو باہر۔" افتخار اصرار کئے جا رہا تھا۔ اس غنڈے کو نشے کی حالت میں بھی خوف خدا تھا ورنہ ملاّ کو وہ چیر پھاڑ ڈالتا جس نے نہ صرف اسے بُرا کہا تھا بلکہ اس کی بہن زینت کو بھی نہیں بخشا تھا۔

لوگوں نے بڑی مشکل سے افتخار کو سمجھا بجھا کر وہاں سے چلے جانے پر آمادہ کیا۔ وہ جھومتا جھامتا گلی سے نکل گیا تو قریبی مسجد کے بند حجرے سے لوگوں نے ملاّ جی کو باہر نکالا۔ صورت ہی سے وہ بڈھا شیطان لگتا تھا۔ چہرے پر بلا کی خباثت تھی۔ چاند گھٹی ہوئی اور تھوتنی باہر کو نکلی ہوئی تھی' جسم بھاری تھا اور عمر ساٹھ سے اوپر معلوم ہوتی تھی۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی اور توند باہر تھی۔ ٹخنوں سے اوپر تہمد باندھے ہوئے تھا' سر پر سوراخوں والی ہوادار ٹوپی تھی اسے دیکھ کر کراہت کا احساس ہوتا تھا۔

"ملاّ جی! اب کوئی ایسی ویسی بات نہ کہہ دینا کسی سے۔" ایک آدمی نے ملاّ کو سمجھایا۔

"میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔" ملاّ چمار کی طرح اینٹھ گیا۔ "جس محلے میں کوئی کنواری لڑکی بن بیاہی بیٹھی رہے اس کے تمام رہنے والوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے تم جانو اور افتخار جانے۔ ہم لوگ آئندہ اس معاملے میں نہیں پڑیں گے۔"

"میں اس غنڈے کے خلاف پرچہ درج کرا دوں گا۔ آخر وہ سمجھتا کیا ہے۔ مجھے سب معلوم ہے کہ وہ ہیرا منڈی میں طوائفوں کی دلالی کرتا ہے۔"

میں تو سمجھا تھا کہ اب اس محلے میں لوگ سو سا چکے ہوں گے مگر یہاں تو اور ہی چکر چلا ہوا تھا۔ ملاّ جی کا گھر بھی اسی گلی کے نکڑ پر تھا۔ ایک نوجوان وہاں سے نکلا اور ملاّ جی کو مخاطب کیا۔ "چلو ابا! گھر چلو۔ باجی نے رو رو کے بُرا حال کر لیا ہے۔"

معلوم ہوا کہ ملاّ دس بچوں کا باپ تھا اور بیوی مر چکی تھی دو بچے بس بڑے تھے' ایک تو وہی سولہ

سترہ سالہ نوجوان' دوسری اس سے ایک سال بڑی بیٹی اکبری۔ ملاّ اب دوسری شادی کی فکر میں تھا اسی غرض سے ابھی دو روز پہلے اس نے زینت کے لئے پیغام بھیجا تھا۔ زینت کے والدین نے ٹکا سا جواب دے دیا تو ملاّ تپ گیا اور یوں گویا کھبا نوچنے لگا۔ مجھے ان باتوں کا علم زینت کے گھر میں جا کر ہوا۔ اس کے والدین اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ زینت کا باپ وحید تو اس پر تھوڑا بہت راضی بھی تھا مگر ماں معصوم النساء ہرگز دس بچوں کے باپ کو اپنی بیٹی دینے پر آمادہ نہیں تھی۔

"اب تجھے چین آ گیا' سارے محلے میں تھو تھو ہو رہی ہے۔" وحید اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا۔

"اپنا دام کھوٹا نہ ہو تو پرکھنے والے کا کیا دوش۔" بڑھیا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر افتخار ایسا نہ ہوتا تو....."

"اسے جھونک جہنم میں' یہ سوچ کہ کل کلاں کو میری آنکھ بند ہو گئی تو کیا کرے گی تُو؟ اچار کا سا گھڑا کب تک گھر میں لئے بیٹھی رہے گی؟" اس کا اشارہ زینت کی طرف تھا۔ "برسوں بعد تو ایک رشتہ آیا تھا' وہ بھی تُو نے ٹھکرا دیا۔"

"سب کچھ تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔ اس وقت میری نہیں سنی کہ دیکھو پہلے بڑی کے ہاتھ پیلے ہو جانے دو پھر محمت کو بیاہنا' مگر کبھی سنی ہے تم نے میری۔"

بڈھے اور بڑھیا کی نوک جھونک جانے کب تک چلتی' مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا' پتا چل گیا تھا۔ اسی وجہ سے ملاّ پر مجھے بہت غصہ آنے لگا۔ بھلا بتاؤ' وہ زینت پر دانت جمائے بیٹھا تھا۔ تاکا بھی تو اس نے کس کو۔ دوسرے کمرے سے زینت کی سسکیاں سنائی دیں تو میں اور بھی کھول اٹھا میں نے اندر داخل ہوتے ہی زینت کے حسین چہرے کو آنسوؤں میں بھیگا ہوا دیکھا۔ قریب پہنچ کر جب اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ چونک اٹھی۔ پھر لیٹے لیٹے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے شاید کمرے میں کسی غیر انسان کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔ اپنی ذلت پر اس کا آنسو بہانا بے جا نہیں تھا۔ قصوروار اس کے والدین تھے اور سزا وہ بھگت رہی تھی۔ کمرے میں لالٹین جل رہی تھی جس کی لَو ابھی دھیمی نہیں کی گئی تھی۔

"تم آ گئے؟" زینت نے بھرائی ہوئی آواز میں مجھے یاسف سمجھ کر مخاطب کیا۔

"ہاں۔" میں نے دانستہ دھیمی آواز میں جواب دیا۔

وہ اٹھی اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ آنسو پونچھتی ہوئی وہ دوبارہ چارپائی پر آ بیٹھی اور کہنے لگی۔ "یہ نہیں ہو سکتا کہ ..... کہ تم مجھے ..... اپنے ساتھ کہیں لے جاؤ؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ "ملاّ نے آج یہاں جو فساد برپا کیا ہے' مجھے اس کا پتا چل گیا ہے۔ تم فکر نہ کرو' آج کے بعد اس کی غلیظ زبان پر کبھی تمہارا نام نہیں آئے گا' میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔" یہ کہتے ہوئے میری نگاہ اس کے چہرے پر تھی کہ کہیں اسے یہ شبہ تو نہیں ہو گیا' یاسف کی جگہ کوئی اور ہے۔

زینت یوں بھی کچھ دیر پہلے تک ایک اور ہی ذہنی فضا میں تھی' پھر یہ کہ یاسف ہی کی طرح میری آواز بھی غیر انسانی تھی۔ اسے اپنے عاشق کے بدل جانے کا احساس نہیں ہو سکا۔ اس کے چہرے اور

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

رویے سے میں نے یہی اندازہ لگایا۔

"میں ابھی اس ملا کی خبر لے کر آتا ہوں' اتنے میں تم منہ دھو لو اور لالٹین کی لو کم کر دو۔" میں پھر بولا۔

"سارے محلے پر عذاب نازل کر رہا تھا کمینہ! اب پتا چلے گا اسے۔" زینت کا حوصلہ میری آمد سے بڑھ گیا۔ "جب بھی گھر سے نکل کر کہیں اڑوس پڑوس میں جاتی تھی تو اس طرح تاکتا تھا بوڑھا گدھ کہ آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے پورا کا پورا نگل جائے گا۔"

"اب وہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا' مطمئن رہو۔ بلکہ وہ تمہیں دیکھ کر اس طرح بھاگے گا جیسے کعبے سے کافر بھاگتا ہے' میں آتا ہوں ابھی۔"

میں وہاں سے ملا کے گھر پہنچ گیا اور یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ اتنی جلدی ملا سو گیا۔ وہ شاید جلدی سونے اور صبح جلدی اٹھنے کا عادی تھا' اس کے علاوہ ڈھیٹ بھی لگتا تھا۔ ایک لڑکی یا عورت کو محلے بھر میں رسوا کر کے وہ بڑے آرام سے آ کے سو گیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ بچے اندر کمروں میں سو رہے تھے اور ملا آنگن میں موجود نیب کے پیڑ تلے چارپائی بچھائے خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ اس کے خراٹے سارے گھر میں گونج رہے تھے۔ اس کے بچوں کو یقیناً خراٹے سننے کی عادت ہو گی ورنہ اس "خرخراہٹ" میں کون سو سکتا ہے۔ زور زور سے سانس لینے کے سبب اس کی توند کبھی اور پھول جاتی' کبھی پچک جاتی۔ اس حسین چاندنی رات پر ملا کا وجود گویا ایک سیاہ دھبہ تھا۔

ملا کی چارپائی کے سرہانے کھڑے ہو کر میں نے چند لمحے اطراف اور ماحول کا جائزہ لیا پھر قریب ہی پڑا ہوا ایک بڑا سا تنکا اٹھا لیا' اسے بہرحال جگانا تو تھا۔

"خوں اوں' خوں اوں۔" اور "خر' خر" کی آوازیں کان میں تنکا داخل ہوتے ہی بند ہو گئیں۔ اسی وقت میں نے تازہ تازہ استرا پھری ہوئی چندیا پر زوردار چپت جڑ دی۔

"کون ہے؟" کہتا ہوا ملا ایک دم کسی کٹھ پتلی کی طرح اٹھ کر بیٹھ گیا اور کنوتیاں بدل بدل کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

گینڈے جیسی گردن اِدھر اُدھر گھومی تو میں نے اس پر بھی ایک ہاتھ جما دیا۔ گدی صاف ہی تھی اس لئے ہاتھ کرارا پڑا۔

ملا حواس باختہ سا ہو کر چارپائی سے اتر آیا۔ میں اس عرصے میں سوچ چکا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ چارپائی کے پائنتی بندھی ہوئی رسی کھولنے میں مجھے دیر نہیں لگی۔ ملا "ارے ارے" ہی کرتا رہ گیا۔ خود بخود گویا رسی کا کھلنا اس کے لئے حیران کن ہی رہا ہو گا۔

"اب تُو شرافت سے چارپائی پر لیٹ جا تاکہ میں تیرے دونوں پیر باندھ دوں۔" میں نے پہلی بار ملا کو مخاطب کیا۔

وہ میری غیر انسانی آواز سن کر اچھل پڑا پھر مجھے یوں لگا جیسے وہ بھاگنے کی فکر میں ہو اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے پر عمل کرتا میں نے اسے جکڑ لیا۔

"اگر تُو چیخا چلایا تو سمجھ لے میں تیرا گلا دبا دوں گا۔" میں نے اسے دھمکی دی۔

"تت ..... تُو ..... کہیں تُو کک ..... کوئی بدروح تو نہیں؟" وہ ہکلایا۔

"بدروح تو خیر تُو ہے' میں تو ایک نیک روح جن ہوں۔" یہ کہتے ہی میں نے اسے وہیں آنگن میں گرا لیا اور اس کے دونوں پیر باندھنے لگا۔

خلاف توقع ملا نے جلد ہی اپنے حواس پر قابو پا لیا اور کہنے لگا۔ "اچھا تو جن ہے تُو۔" لفظ "جن" اس نے یوں ادا کیا تھا جیسے جن اس کی نظر میں کم اوقات مخلوق ہو۔ پھر وہ مزید بولا۔ "تجھے شاید معلوم نہیں کہ میرا نام ملا رحیم الدین ہے۔ کئی جنوں کو تو میں نے بوتل میں بند کر کے دریائے راوی میں بہا دیا ہے۔" وہ الٹا مجھے دھونسانے لگا۔ "میرے پاؤں نہ باندھ ورنہ بعد میں بہت پچھتائے گا تُو۔"

میں اس کی بکواس کو سنی ان سنی کرتا رہا اور پاؤں باندھ کر اسے نیب کے پیڑ سے الٹا لٹکا دیا۔

"دیکھ مجھے اب بھی کھول دے ورنہ ایسا عمل پڑھوں گا کہ....."

"چپ!" میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ "ابے تُو مجھے رعب میں لینے کی کوشش کر رہا ہے' گینڈے کی اولاد!" اسی کے ساتھ ملا کی پھولی ہوئی توند کو میں نے گھونسہ مار کے پچکا دیا اور فوراً ہی منہ بھی دبا لیا کہ کہیں چیخ نہ اٹھے۔ اس کی چیخ حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔ میری دوسری ضرب سے اس کی پسلیاں کڑکڑا اٹھیں۔ میرا مقصد اسے ہلاک کرنا نہیں' صرف ڈرا دھمکا کر راہ پر لانا تھا۔ میں اسے مار بھی رہا تھا اور چیخنے بھی نہیں دے رہا تھا لیکن ہاتھ ہلکا ہی رکھا تھا۔

ذرا سی دیر میں اس کے کس بل نکل گئے۔ یہ اندازہ میں نے اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں سے لگایا۔ میں نے اسے مارنا بند کر دیا منہ سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے پھر میں نے خاموش رہنے کو کہا تو وہ کراہتے ہوئے کہنے لگا۔ "مارتے بھی ہو اور چیخنے بھی نہیں دیتے۔"

"تُو شاید مجھے بچوں کی کہانیوں والا کوئی جن سمجھ کر ڈرا رہا تھا۔ اب پڑھ نا عمل' بڑا عامل کی دم بن رہا تھا۔"

"معاف کر دو' غلطی ہو گئی۔" وہ گھگھیانے لگا۔

میں نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے سوال کیا۔ "تیری بیوی کو مرے کتنے دن ہوئے ہیں؟"

"پچھلے ہفتے میں نے بڑی دھوم دھام سے اس کا چالیسواں کیا تھا۔" اس نے الٹا لٹکا ہونے کے باوجود فخریہ لہجے میں بتایا۔ "ساری برادری کو بلایا تھا۔ پوری پانچ دیگیں پکوائی تھیں۔"

"اس خوشی میں کہ تیری بیوی مر گئی اور اب تُو دوسری بیوی لانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ ابے کمینے! بیوی کے ایصال ثواب کی خاطر اگر تجھے کھانا ہی کھلانا تھا تو کسی یتیم خانے بھجوا دیتا۔ عزیز و اقارب کو کھلانے سے کیا ملا؟ بول نا۔"

"میں نے بھی تو دوسروں کے چالیسویں کھائے ہیں۔ برادری یہ نہ کہتی کہ خود تو ملا رحیم الدین ہمارے یہاں چالیسواں کھا گیا' اپنی بیوی مری تو پوچھا تک نہیں۔ پھر کسی کو پتا کیسے چلتا کہ میں نے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

چالیسواں کیا بھی یا نہیں ..... پھر بھی تم کہتے ہو تو اب نہیں کروں گا چالیسواں۔"

"اب تو بیٹا! خود تیرا چالیسواں ہو گا۔"

"ارے نہیں' ایسی باتیں نہ کرو' ابھی میں نے اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔"

"کیوں' کیا زینت کو نہیں دیکھا؟" میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم ..... تم اسے کیسے ..... کیسے جانتے ہو؟"

"ابے وہ میری ہی تو محبوبہ ہے جس پر تُو ڈورے ڈالنے کے چکر میں تھا۔"

"نن ..... نہیں تو۔" وہ اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔" میں تو کارِ خیر سمجھ کر باقاعدہ اسے بیوی بنانا چاہتا تھا۔ بے چاری کی اتنی عمر ہو گئی کوئی رشتہ ہی نہیں جڑا۔"

"ایک تو ہی لم ڈھینگ رہ گیا تھا اس کارِ خیر کے لئے۔" میں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔ "بڑا نیک بن رہا ہے میرے سامنے۔ ابھی کچھ دیر پہلے محلے والوں سے کیا کہہ رہا تھا تُو ..... اسے اپنی بیوی بنانے کی خاطر سارے محلے پر عذاب نازل کرا رہا تھا تُو۔ کوئی شادی کرے نہ کرے تُو خدائی فوجدار ہے ..... محلے والوں کو تُو نے یہ نہیں بتایا کہ اندر ہی اندر کیا گُل کھلا رہا تھا۔"

"یقین کرو' چاہے جیسی قسم لے لو مجھ سے' اگر مجھے ذرا بھی یہ خبر ہوتی کہ کوئی جن اس پر عاشق ہے تو قطعی رشتہ نہ بھیجتا۔"

"میں رشتہ بھیجنے نہ بھیجنے کی بات نہیں کر رہا' تیرے خبث باطنی کا ذکر کر رہا ہوں۔ زیادہ ہوشیاری نہ دکھا ملا! ورنہ پھر تیری ذھنائی شروع کر دوں گا۔ زینت کے والدین نے جب رشتے سے انکار کر دیا تو پھر تُو نے حرامی پن دکھانا شروع کر دیا۔ بول' اتنے دن سے تُو کہاں مرا ہوا تھا؟ جب تیری بیوی زندہ تھی تو تجھے کبھی یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ محلے میں ایک کنواری لڑکی اپنے گھر بن بیاہی بیٹھی ہے کہیں اس کی شادی کرا دی جائے؟ پھر یہ کہ پہلے کیا تجھے زینت کے بھائی افتخار کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا؟ جواب دے۔"

"معلوم تھا۔" وہ بھیگی بلی بن گیا اور پھر کہنے لگا۔ "میرے پیر کٹے جا رہے ہیں' اللہ کے واسطے مجھے نیچے اتار دو۔"

"اپنے جسم پر تُو نے اتنا بد گوشت چڑھایا ہی کیوں تھا' لوگوں کے چالیسویں کھا کھا کر۔ اب تو تیرا چالیسواں ہو کے رہے گا۔"

"رحم کرو مجھ پر' میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔" وہ رونے لگا۔

"ایک شرط ہے' میں تجھے معاف کر دوں گا۔ اگر اب تُو نے زینت یا اس کے گھر والوں کے خلاف زبان کھولی تو گدی سے تیری زبان کھینچ لوں گا۔ اسی کے ساتھ زینت پر بُری نظر ڈالی تُو نے تو یہ دونوں چیاں چیاں سی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ بول شرط منظور ہے؟"

مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ملا رحیم الدین نے اپنا بھٹا سا سر بھی اقرار میں ہلا دیا اور زبان بھی۔ میں نے اسے پیڑ سے اتار لیا۔

"اور آخری بات یہ سن لے ملا کہ تُو نے میرا ذکر کیا کسی سے تو اسی طرح تجھے الٹا لٹکا کر تیری چاند پر اتنے جوتے ماروں گا کہ مغز باہر آ جائے گا۔" میں نے چلتے چلتے دھمکی دی۔

ملا زمین پر بیٹھا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے مجھے یقین دلایا کہ اپنا منہ بند رکھے گا۔

میں جب زینت کے پاس پہنچا تو وہ بھی سنوری اپنی چارپائی پر نیم دراز تھی۔ تکیہ اس نے سرہانے کی دیوار سے ٹکا رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کاجل تو تھا' ہاں بانسوں میں گجرا نہ تھا' مگر مجھے کمی محسوس نہیں ہوئی۔ وہ تو خود ایک کھلا ہوا خوشبودار پھول تھی۔ لالٹین کی دھیمی روشنی میں بھی اس کی اجلی رنگت سے جیسے تیز روشنی ہو رہی تھی۔

جب میں نے اس سے ملا کی کٹائی کا واقعہ بیان کیا تو اسے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گئی۔ میرا انداز بیان ہی ایسا تھا۔

"آؤ اب ہم ایک ہو جائیں۔" میں زیادہ دیر صبر نہ کر سکا۔

"ہم الگ تھے ہی کب۔" وہ جیسے گنگنا اٹھی۔

صبح جب میں اس سے رخصت ہو رہا تھا تو وہ بولی۔ "پھر کب آؤ گے؟"

"جب کہو گی۔"

"روز آیا کرو' پہلے کی طرح۔ اس مرتبہ بھی تم کئی راتوں کے بعد آئے ہو اور ہاں تمہاری آواز آج مجھے کچھ بدلی بدلی سی لگ رہی ہے۔"

"موسم جو بدل رہا ہے۔"

"تو کیا جنات پر بھی موسم کا اثر ہوتا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں نہیں' ہم بھی تو آخر اللہ ہی کی مخلوق ہیں۔"

"تم نے مجھے اب تک اپنا نام کیوں نہیں بتایا؟ جب پوچھتی ہوں ٹال جاتے ہو۔"

"کرنا کیا ہے' تمہیں نام پوچھ کر؟"

"نہ بتاؤ' تمہاری مرضی۔" اس کا منہ بالکل یوں بن گیا جیسے کوئی محبوبہ اپنے عاشق سے اظہار خفگی کرتی ہے۔

"سنو زینت! نام نہ بتانے کی ایک وجہ ہے۔ یہ جو آدم زاد ہوتے ہیں نا' ان میں بعض بعض بڑے ہی لعنتی ہوتے ہیں۔ ایسے آدم زادوں کو اگر کسی جن کا نام معلوم ہو جائے تو وہ اسے اپنا غلام بنانے کے لئے عمل شروع کر دیتے ہیں۔ میرا مطلب اس سے ہرگز یہ نہیں کہ تم بھی کسی کو میرے نام سے آگاہ کر دو گی۔ صرف احتیاطاً ہم کسی آدم زاد کو اپنا نام نہیں بتاتے' خواہ وہ ہمارا دوست ہی کیوں نہ بن جائے۔ تمہی بتاؤ' بھولے سے نام زبان پر آ سکتا ہے نا؟" میں نے اس سے حقیقت نہیں چھپائی۔

"اگر ایسی کوئی بات ہے تو پھر اب میں نہیں پوچھوں گی۔" وہ کہنے لگی' پھر بولی۔ "میں تمہیں کسی نام سے پکارنے لگوں تو؟"

aazzamm@yahoo.com

"مجھے کوئی اعتراض نہیں تم جو چاہو میرا نام رکھ لو۔" میں نے کہہ دیا۔

چند لمحے خاموش رہ کر وہ بولی۔ "محبوب کیسا رہے گا؟ ..... یعنی محبوب علی ..... میں تمہیں صرف محبوب کہا کروں گی۔"

"وہ تو میں یوں بھی تمہارا محبوب ہوں۔ بولو ہوں نا؟"

شرما کر اس نے سر جھکایا ہی تھا کہ دروازے پر زوردار دستک ہوئی' زینت کچھ گھبرا گئی اور جلدی سے اٹھ کر بستر کی شکن شکن چادر درست کرنے لگی۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر گویا مجھے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور کھلے ہوئے لمبے بالوں کو لپیٹتی ہوئی زور سے بولی۔ "کون؟"

"دروازہ کھول زینت! میں ہوں۔" باہر سے نسوانی آواز آئی۔ میں اس آواز کو پہچان گیا۔ یہ زینت کی ماں معصوم النساء کی آواز تھی۔

زینت نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تو بڑھیا فوراً اندر آ گئی اور تیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لینے لگی جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو۔ پھر اس نے کمرے میں موجود دونوں چارپائیوں کے نیچے بھی جھانک کر دیکھا۔ اس کے چہرے سے حیرانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کیا تلاش کر رہی ہو اماں!" زینت نے پوچھ ہی لیا۔

سوال کا جواب دینے کی بجائے بڑھیا اپنی بیٹی سے پوچھنے لگی۔ "یہ تُو بند کمرے میں کس سے باتیں کرتی رہتی ہے؟"

"میں تو سو رہی تھی اماں! تم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ابھی آنکھ کھلی ہے۔" زینت نے جھوٹ بول دیا۔ اس کے جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنا بڑھیا کے بس میں نہیں تھا۔

"رات کو تیرے ابا نے بھی کسی سے تیرے باتیں کرنے کی آواز سنی تھی۔ وہ سونے سے پہلے پانی پینے باہر آئے تھے۔ مجھ سے کہا تو میں بولی' تمہارے کان بج رہے ہوں گے۔ اب میں خود نماز پڑھنے کے لئے وضو کرنے کو نکلی تھی کہ تیرے کمرے سے آوازیں آئیں۔ میں نے دروازے کے قریب آ کے سنا تو کوئی مردانہ سی آواز بھی آئی۔"

"وہم ہو گا اماں تمہارا' خود ہی دیکھ لو یہاں کوئی نہیں۔"

"مجھے تو کوئی اثر لگتا ہے یہاں' پہلے بھی ایک آدھ دفعہ مجھے شبہ ہوا ہے۔ آج ہی تیرے ابا کو بھیج کر حاجی جی کو بلواتی ہوں۔ وہ پڑھ کر گھر میں دم کر دیں گے تو پھر کوئی بری روح یہاں نہیں آئے گی۔ چل اب وضو کر کے تُو بھی نماز پڑھ لے۔" بڑھیا جانے کے لئے پلٹی۔

"بہت زور کی نیند آ رہی ہے' اماں! کل سے پڑھ لوں گی۔" زینت نے بہانہ کیا۔

"تیری انہی باتوں سے تو جی جلتا ہے۔" بڑھیا بکتی جھکتی کمرے سے چلی گئی۔

بڑھیا کے جاتے ہی میں نے زینت سے سرگوشی کی۔ "یہ حاجی جی کون ہیں؟"

رشتے میں اماں کے بھائی لگتے ہیں۔ ہر مہینے کی آخری جمعرات کو وہ ہمارے یہاں بھی آ جاتے ہیں۔ بس وہ اِدھر آئے' اُدھر ہمارے گھر عورتوں کی قطار لگی۔" زینت کے لہجے میں بیزاری تھی۔

"وہ کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"تعویذ گنڈے دیتے ہیں وہ' فی عورت اکنی سے کم نہیں لیتے۔ کسی بچی پر پچھل پیری کا اثر بتاتے ہیں' کسی عورت پر جنات کا اثر' کسی کے پیٹ میں درد اٹھتا ہو تو کہہ دیتے ہیں' بھوت اندر گھس کر اچھل کود مچاتا ہے۔ مجھے تو ان کی باتوں پر ذرا بھی یقین نہیں۔"

"اس کے علاوہ کوئی کام دھندا بھی کرتے ہیں؟"

"مجھے زیادہ پتا نہیں ویسے اماں کہہ رہی تھیں ایک دفعہ کہ انہیں نذرانہ ہی اتنا مل جاتا ہے کہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"ویسے جمعرات کل ہی ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "مہینے کی آخری جمعرات۔"

"اماں بھول گئی ہوں گی ورنہ انہیں آج ہی بلوانے کو نہ کہتیں۔"

"آتے کس وقت ہیں؟" میں نے معلوم کیا۔

"صبح ہی صبح آ دھمکتے ہیں اور پھر شام کو جیبیں اکنیوں سے بھر کے جاتے ہیں۔" زینت نے بتایا' پھر کہنے لگی۔ "مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"کل میں بھی تماشا دیکھنے آؤں گا۔" میں نے کہا۔ دراصل "عورتوں کی قطار" کا ذکر سن کر مجھے "حاجی جی" سے دلچسپی ہو گئی تھی ورنہ تو میں موصوف کی حقیقت جان ہی گیا تھا۔ بہت سے جعل سازوں نے یہ پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ حافظ جی بھی مجھے ایسے ہی لگتے تھے۔ ان سے ڈرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ اگر وہ زینت کے گھر میں آ کے دم کر جاتے تو میرا کیا بگڑتا۔

زینت کے گھر سے نکل کر میں نے بملا کی کوٹھی کا قصد کیا ہی تھا کہ یاسف خود ہی ادھر نکل آیا ہم دونوں اس محلے سے باہر آ کے ایسی جگہ رک گئے جہاں آدم زادوں کا گزر نہ ہو۔ یاسف مجھے بہت ہی خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بملا کی بہت تعریف کی۔ جواباً میں نے بھی بخل سے کام نہیں لیا۔ رات کو جو ہنگامہ برپا ہوا تھا' اس سے بھی یاسف کو میں نے آگاہ کر دیا اور یہ بھی کہ زینت اب اسے یا مجھے کس نام سے پکارا کرے گی۔

"تو اے پیارے محبوب! میں تو اب جاؤں گا بھائی دروازے' تیرے ارادے کدھر کے ہیں؟" میں نے یاسف سے کہا۔

"میں تو اب بھی تجھ سے یہی کہوں گا اے علیالیش کہ ادھر کا دھیان چھوڑ دے۔" یاسف مجھے سمجھانے لگا۔ "آخر بملا اور زینت میں کمی کیا ہے؟ چل انہیں بھی چھوڑ اور بہت ہیں۔"

"تجھے یہی تو خبر نہیں اے میرے دوست کہ اس ظالم جیسا اور کوئی نہیں؟"

"اچھا تو پھر صبح ہی صبح اس طرف نہ جا۔ مولوی ابھی اپنی دکان پر نہیں گیا ہو گا۔ جب وہ دکان پر چلا جائے تو پھر وہاں جانا خطرناک نہیں۔ بات کو سمجھنے کی کوشش کر۔ مولوی اس وقت تجھ سے تپا ہوا ہے' خدانخواستہ تجھے اس نے دیکھ لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

یاسف جو کچھ کہہ رہا تھا میری بھلائی ہی میں تھا۔ میں نے اسی لئے اس کی بات مان لی۔ اس کے

aazzamm@yahoo.com
aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ساتھ میں ایک ایسے گھر میں چلا آیا جو ویران پڑا تھا۔ مکان کا کچھ حصہ گر بھی گیا تھا۔ مالک مکان شاید اسے منہدم کرا کے دوبارہ تعمیر کرانا چاہتا ہو گا۔ ہم جنات' آدم زادوں کی بستیوں میں ایسے ٹھکانے نظر میں رکھتے ہیں۔

☆======☆======☆

میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا اور یاسف کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ سو ہم دونوں ہی سو گئے۔ پھر دوپہر ہی کو میری آنکھ کھلی۔ یاسف نہیں جاگا اور میں وہاں سے چل دیا۔

اپنے معمول کے مطابق اس وقت اقبال کو دفتر میں ہونا چاہئے تھا۔ اب مجھے اسی کے جسم میں داخل ہونا تھا۔ سو بھائی دروازے جانے کا ارادہ ترک کر کے میں' اقبال کے دفتر پہنچ گیا۔ وہ مجھے وہاں نہیں ملا تو خیال آیا' شاید کل کی "ٹھکائی" کا اثر ابھی باقی ہے۔ پھر یہ کہ طویل عرصے اس کا جسم میرے اور یاسف کے قبضے میں رہا تھا۔ اس کا اثر بھی ہو گا۔ ممکن ہے کہ مولوی کفایت اللہ نے مزید آرام کا مشورہ دیا ہو اور اس کے جسم سے جنات کے اثرات ختم کرنا چاہتا ہو۔ یہی سوچ کر میں بھائی دروازے آ گیا۔

وہاں پہنچ کر جی چاہا کہ ایک نظر مولوی کی حویلی میں جھانک لوں۔ کیا خبر نرگس کی ایک جھلک نظر آ ہی جائے۔ اسی خیال سے میں حویلی میں داخل ہوا ہی تھا کہ جیسے کسی جال کے اندر پھنس کے رہ گیا۔ اس کے ساتھ مجھے یوں لگا کہ میری اطراف نادیدہ جال سمٹنے لگا ہو۔ چند ہی لمحے بعد چاروں طرف سے میرے جسم پر اتنا شدید دباؤ پڑا کہ میری چیخ نکل گئی۔

میں صدر دروازے سے دباری عبور کر کے صحن میں پہنچا ہی تھا کہ اس آفت میں گھر گیا۔

معاً میں نے نرگس کو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اسی طرف آتے دیکھا۔ اس نے شاید میری چیخ سن لی تھی۔

"تُو آخر آج تو پھنس ہی گیا۔" نرگس مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر آ کر رک گئی وہ اس طرح سے مخاطب تھی جیسے مجھے دیکھ رہی ہو۔ "تُو نے ہمیں بہت دن سے ستا رکھا تھا کمینے! بول' تیرا نام علیالیش ہے نا؟" اسے میرا نام یقیناً اپنے باپ مولوی کفایت اللہ سے پتا چلا ہو گا۔

نرگس کا دیدار کر کے جیسے میں اپنی تکلیف بھول گیا اور بولا۔ "ہاں اے جان آرزو میں تیرا عاشق تیرا سودائی علیالیش ہوں۔"

"چپ۔" اس نے مجھے ڈانٹ دیا۔ "تیری صورت پر تو میں تھوکنا بھی پسند نہ کروں۔"

"عشق کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے اے نرگس! پھر تیرے ساتھ تو میرا نکاح بھی ہو چکا ہے۔" میں نے پانسا پھینکا۔

"یہ تُو کیا بھونک رہا ہے کتے! تیرے ساتھ میرا نکاح کیوں ہوتا۔ میرا نکاح تو اقبال سے ہوا ہے۔" اس کا حسین چہرہ غصے کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔ یوں وہ اور حسین نظر آنے لگی۔

"اقرار تو میں نے ہی کیا تھا' اقبال نے نہیں۔ اگر تجھے میری بات پر یقین نہیں تو خود اقبال سے پوچھ کر دیکھ لے۔ جب نکاح پڑھایا جا رہا تھا تو میں ہی اقبال کے جسم میں تھا۔ میری بات کا ثبوت یہ ہے

اقبال کو کچھ بھی یاد نہیں ہو گا۔" میں نے نرگس کو بتایا۔ نادیدہ جال میرے جسم کو پوری طرح جکڑ کر اب مزید سمٹنے سے رک گیا تھا۔ دباؤ برقرار تھا مگر اتنا نہیں کہ میرے لئے ناقابل برداشت ہو جائے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ میں اپنے جسم کے کسی بھی حصے کو خفیف سی جنبش دینے پر قاصر نہیں تھا۔

نرگس کے چہرے سے الجھن مترشح تھی۔ چند لمحے بعد اس نے کہا۔ "لیکن تُو نے اقبال کے جسم پر قبضہ کیوں کیا؟" میری چال کامیاب ہوتی جا رہی تھی۔ نرگس کو میں نے چکر میں ڈال دیا تھا۔

"تیرے عشق میں دیوانہ ہو کر..... تجھے تو میں کئی بار اپنے سینے سے بھی لگا چکا ہوں۔"

"آہستہ بول۔" اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ بھی گویا میری کامیابی ہی تھی کہ وہ اپنے اور میرے درمیان ہونے والی گفتگو کو راز رکھنا چاہتی تھی' خواہ سبب کوئی ہو۔

"کیوں' کیا تجھے یہ خطرہ ہے کہ تیری ماں یہ بات نہ سن لے۔" میں نے یہ الفاظ دانستہ کہے کہ معلوم ہو جائے اس کی ماں کہاں ہے۔ ماں کے خوف سے وہ اور دباؤ میں آ جاتی۔

"وہ حویلی میں نہیں ہیں' اقبال کو دیکھنے گئی ہیں' مگر کوئی اور تو سن سکتا ہے۔ تُو ایسی بے شرمی کی باتیں کھلے عام کر رہا ہے۔" نرگس کا غصہ اب خاصی حد تک کم ہو چکا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ "میرے نکاح کو تو بہت عرصہ ہو گیا۔ تُو کب سے اقبال کے جسم میں تھا؟"

"بہت دن ہو گئے اقبال نے اپنی بہن شہناز کے ذریعے تجھے یہ پیغام بھیجا تھا کہ اسے جلد نوکری ملنے والی ہے۔ اقبال نے اسی رات کو تجھے چھت پر بھی بلایا تھا۔ تُو نے ایک دن بعد....."

"تو وہ ..... وہ اقبال نہیں تُو تھا۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔

"ہاں نرگس! میں ..... میں ہی تجھ سے ملا تھا اس رات کہ جب تُو وحیدن کے جاگ جانے کی وجہ سے میری بانہوں....."

"بکواس نہ کر۔" نرگس نے مجھے مزید کچھ کہنے سے روک دیا' پھر بولی۔ "لیکن کل ..... کل تو اقبال کے جسم میں کوئی اور جن تھا۔"

"ہاں' وہ میرا رقیب یاسف تھا۔ موقع پا کر وہ اقبال کے جسم میں گھس گیا۔" میں نے بتایا۔ "لیکن وہ صرف دو تین راتیں ہی اقبال کے جسم میں گزار سکا اور پکڑا گیا۔ یہ میرے عشق ہی کا اعجاز ہے کہ اس عرصے میں یاسف کوشش کے باوجود تیرے قریب نہیں آ سکا۔"

"لیکن تُو کہاں چلا گیا تھا کہ یاسف کو اقبال کے جسم پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا؟" نرگس نے سوال کیا۔ وہ اب جھجکے بغیر مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔

"ستار بدبخت کو تو جانتی ہو گی تُو! اس نے میرے لئے عمل شروع کر دیا تھا۔" میں یہ بات گول کر گیا کہ عیاشی کی خاطر اقبال کا جسم چھوڑ کر گیا تھا۔ صنف نازک چاہے کوئی جنیہ ہو کہ آدم زادی اسے یہ سننا گوارا نہیں ہوتا کہ اس کا عاشق کہیں اور بھی منہ مارتا ہے۔ جس رات کو میں' ہملا کے پاس تھا اسی رات ستار نے وظیفہ پڑھنے کا آغاز کیا تھا۔ مجھے اسی لئے جھوٹ بولنے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کا موقع مل گیا۔ میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ستار کے عمل کرنے کی وجہ سے مجبوراً مجھے اقبال کا جسم چھوڑ کر

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

فرار ہونا پڑا۔ اب میں اس آدم زاد کا سراغ لگانا چاہتا تھا جو میری آزادی چھین کر مجھے غلام بنانے کے درپے تھا۔ رقیب تو آخر رقیب ہی ہوتا ہے۔ وہ تاک میں تھا کہ اقبال کے ذریعے تجھ تک پہنچ جائے۔ دوسری رات کو اس نے تجھے چھت پر بلوا بھی لیا مگر میں شدید تکلیف و اذیت میں مبتلا ہونے کے باوجود تیری عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے یہاں پہنچ گیا۔ تُو میری ہی چیخ سن کر چھت سے اتر آئی تھی۔ پھر اگلی رات کو ستار کمینہ تیری حویلی کی چھت پر عمل کرنے آگیا۔ یوں تُو دوسری شب کو بھی اقبال کے جسم میں موجود یاسف سے نہیں مل سکی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا تجھے خبر ہی ہے ..... نرگس! میرا قصور اگر کوئی ہے تو صرف یہ کہ میں نے تجھ سے محبت کی' یقین کر کہ میں نے کبھی نہ کسی جنیہ کو آنکھ اٹھا کے دیکھا اور نہ ہی کسی آدم زادی کو تیرے سوا چاہا۔ تجھے تو میں نے شریف احمد تک سے بچا لیا ورنہ تیری زندگی تباہ ہو جاتی کیوں کہ وہ عیار صرف اپنی ماں کی خوشنودی کے لئے تجھ سے شادی کر رہا تھا۔ تجھے یہ سن کر یقیناً حیرت ہو گی کہ تیرا خالہ زاد کسی بھی عورت کے قابل نہیں تھا۔" نرگس کو شیشے میں اتارنے کی خاطر میں ہر حربہ آزما رہا تھا۔

میں نے نرگس کے چہرے کو متغیر دیکھا۔ یقیناً میری بات اس کے دل کو لگی تھی۔ وہ جیسے آپ ہی آپ بڑبڑانے لگی۔ "تبھی تو خالہ کی وفات کے بعد شریف نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔"

مجھے علم ہی نہیں تھا کہ بعد میں شریف احمد پر کیا گزری۔ نرگس کے ان الفاظ سے اندازہ ہوا کہ شریف احمد کی شادی کسی اور لڑکی سے ہو گئی تھی۔

نرگس بہرحال مجھے نہیں اقبال کو چاہتی تھی۔ اس کے باوجود میں بڑی مہارت سے اور ہوشیاری کے ساتھ اسے اپنی وفا کا یقین دلا رہا تھا۔

"مگر تُو نے کیا کیا کہ شریف احمد عین وقت پر میرے ساتھ نکاح سے انکار کرنے لگا؟" ذرا توقف کے بعد نرگس نے سوال کیا۔ "کیا اسے بھی تُو نے اپنے اثر میں لے لیا تھا؟"

"ہاں نرگس! اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ میں تجھے برباد ہونے سے بچا سکتا۔" یوں گویا میں نے اس پر احسان جتایا۔

"اس میں تیری خودغرضی بھی تو شامل تھی۔"

"کوئی جن زاد ہو کہ آدم زاد' عشق اسے خودغرض بنا دیتا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ تیرے عشق نے مجھے خودغرض بنا دیا تھا۔" میں بولا۔ "اگر میں خودغرض نہ بن جاتا تو پھر تیرے ساتھ میرا نکاح کیسے ہوتا' میں تجھے جائز طریقے سے حاصل کرنے کا آرزومند تھا اور آخرکار اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔"

"غلط کہتا ہے تُو۔" نرگس نے تیز آواز میں کہا۔ "نکاح سے پہلے کیا تُو نے مجھے ورغلانے اور گناہ کے راستے پر ڈالنے کی کوشش نہیں کی؟"

"وہ ..... وہ میرے عشق کی دیوانگی تھی۔ میں تجھے اپنے قریب دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ سچ بتا' کیا تیرا بھی یہی حال نہیں ہوا تھا؟ اگر اس رات وحیدن جاگ نہ جاتی تو....."

"بار بار یہ بات نہ کر۔" اس کے حسین چہرے کو میں نے رنگ بدلتے دیکھا۔

"تیرا حکم ہے تو اب میں یہ ذکر نہیں کروں گا لیکن مجھ سے نکاح کے بعد اب....."

تُو نے میرے ساتھ نکاح کی ہامی بھری ہو گی' مگر میں نے تو تجھے نہیں اقبال کو قبول کیا تھا۔ نکاح ہر دو طرف سے رضامندی' یعنی ایجاب و قبول کو کہتے ہیں۔ پھر تیرے ساتھ میرا نکاح کیسے جائز ہو گیا؟"

نرگس نے آخر وہ بات کہہ ہی دی جس کا مجھے خدشہ تھا۔ مولوی کفایت اللہ بدبخت نے لازماً اسے دینی تعلیم سے پوری طرح آشنا کیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ان پڑھ آدم زادی ہوتی تو اسے بڑی آسانی سے میں بے وقوف بنا لیتا۔

اس پر بھی میں نے ہار نہیں مانی۔ بلی اگر کھائے نہیں تو اوندھا ہی دے' یہ سوچ کر میں بولا۔ "تُو نے اقبال کو قبول کیا لیکن اقبال نے تجھے قبول نہیں کیا کیوں کہ اس کی جگہ میں تھا۔ یوں تو پھر اقبال سے بھی تیرا نکاح نہیں ہوا۔ شرعاً توبہ قید ہوش و حواس قبولیت ضروری ہے۔"

میں نے ایسی دلیل دی تھی کہ نرگس لاجواب ہو گئی۔ پھر وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولی۔ "تجھے مجھ سے عشق ہے نا؟"

نرگس کا یہ سوال میرے لئے خطرے کی گھنٹی تھا۔ اس کے باوجود مجھے اقرار تو کرنا ہی پڑا۔

"کیا تجھے اس پر بھی یقین ہے کہ عشق ایثار و قربانی کا نام ہے؟" وہ مجھے گھیرنے لگی۔

"اے نرگس! تُو صاف بات کر کہ ان باتوں سے تیرا مقصد کیا ہے؟"

"میں تجھ سے قربانی چاہتی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیسی قربانی؟" میں سمجھ کر بھی دانستہ ناسمجھ بن گیا۔

"تُو میرے اور اقبال کے درمیان سے ہٹ جا۔" وہ بات نرگس کی زبان پر آ ہی گئی جس کا اندیشہ مجھے پہلے سے تھا۔

"میں یہ قربانی دینے پر آمادہ ہوں' مگر تجھ سے صرف ایک التجا ہے۔" میں نے مصلحت وقت کو مدنظر رکھ کر کہا۔

"بول' اگر تُو نے کوئی ناجائز التجا نہ کی تو میں تیری التجا رد نہیں کروں گی۔"

"مجھے علم ہے کہ تیرے والد محترم قبلہ مولانا کفایت اللہ نے تجھے ایسا علم بخشا ہے جو مجھے تیرے قریب نہیں آنے دیتا۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں اے نرگس' اے میری زندگی' اے میری قرار جاں کہ تُو مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ کرے۔ میں تجھے قریب سے آ کر دیکھنا چاہوں تو دیکھ سکوں۔ تُو جب مجھے اپنے قریب محسوس کر کے کچھ پڑھنے لگتی ہے تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے اور ..... اور پھر میں اپنی نظروں کی پیاس بجھائے بغیر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں؟" میں نے یہ الفاظ انتہائی رقت آمیز آواز میں ادا کئے۔

وہ بھی بہت چنٹ تھی' فوری طور پر داؤ میں نہ آئی اور بولی۔ "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تُو اپنی حد میں رہے گا۔"

"میں تجھے تیری ہی قسم کھا کر یقین دلا سکتا ہوں کہ دنیا میں تجھ سے زیادہ مجھے کوئی اور عزیز نہیں۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اپنی زندگی خطرے میں کیوں ڈالتا۔ کیا مجھے یہ خبر نہیں کہ تیرے والد محترم حضرت مولانا کتنے صاحب علم آدمی ہیں۔"

"اگر تُو میرے ابا جی کا اتنا احترام کرتا ہے اور انہیں صاحب علم کہہ رہا ہے تو پھر تُو نے کل انہیں زخمی کیوں کیا؟ ان کی ٹوپی اتار کر بھاگنے کی گستاخی کیوں کی؟ پھر اسی ٹوپی میں غلاظت بھر کے یہاں ان پر کیوں پھینکی؟"

"میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ تیری قسم نرگس! یہ تو کمینے یاسف کی شرارت تھی۔ اس پر یاسف سے میرا جھگڑا بھی ہو گیا۔ دراصل کل حضرت مولانا کے ہاتھوں وہ بہت پٹا تھا' سو انتقاماً ذلالت پر اتر آیا۔ قبلہ مولانا صاحب کی دکان میں آگ بھی اسی بدذات نے لگائی تھی۔ مجھے اس کا علم بعد میں ہوا ورنہ وہ ایسا نہ کر پاتا۔ تُو خود سوچ کہ بھلا کوئی عاشق اپنی محبوبہ کے نیک اطوار والد کو دکھ دینے کا تصور بھی کر سکتا ہے' میں تو حضرت مولانا کی دل سے عزت کرتا ہوں۔"

"چل میں تیری بات مان لیتی ہوں لیکن تُو نے ستار کی بے گناہ بیوی کو سانپ بن کر کیوں ڈسا؟ پھر ستار کو بھی مار ڈالا۔ تُو اس قدر سفاک اور ظالم ہو کر مجھ سے عشق کا دعویٰ کرتا ہے۔ عاشق تو بڑے نرم اور گداز دل ہوتے ہیں۔"

"نہ میں نے ستار کی بیوی کو ڈسا اور نہ ہی ستار کو مارا۔" میں قطعی مکر گیا۔ "ان دونوں کو قتل کرنے والی یاسف ہی کی بہن طرطبہ تھی۔"

"لیکن کیوں؟ طرطبہ سے تو ستار کی کوئی دشمنی نہیں تھی اگر اس کا کوئی دشمن ہو سکتا تھا تو وہ صرف تُو ہی تھا کہ وہ تجھے قابو میں کرنے کے لئے وظیفہ پڑھ رہا تھا۔"

"ٹھیک کہتی ہے تُو۔ ستار سے میری ہی دشمنی تھی مگر طرطبہ سے میری حالت نہ دیکھی گئی۔ میں شدید تکلیف و اذیت کا شکار تھا۔ وہ بدنصیب جنیہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔ سو میرے منع کرنے کے باوجود نہیں مانی۔ یاسف نے حضرت مولانا کے سامنے خود کو مظلوم ظاہر کرنے کے لئے یہ جھوٹ بولا تھا کہ طرطبہ پہلے ہی مر گئی تھی یا اسے میں نے بہکایا تھا۔ طرطبہ تو اس وقت ہلاک ہوئی جب ستار مارا گیا۔ وہ ستار سے میرا انتقام لینے کی خاطر اس کے گھر گئی۔ ستار کو وہاں نہ پا کر اس نے ناگن بن کر ستار کی بیوی کو ڈس لیا' پھر دوسرے دن وہ ستار کے جسم میں داخل ہو کر اسے گھر کی چھت پر لے گئی اور سر کے بل پچھلی گلی میں چھلانگ لگا دی۔ جوش انتقام میں وہ ہوش کھو بیٹھی تھی اسی لئے ستار کے جسم سے نہیں نکل سکی۔ وہ بھی ستار ہی کے ساتھ ماری گئی۔ طرطبہ نے مجھے ایک آدم زاد کا غلام بننے سے تو بچا لیا مگر اپنی جان دے دی۔ کاش ..... کاش اے نرگس! میں تیرے عشق میں گرفتار نہ ہوتا تو یوں طرطبہ اپنی جان سے نہ جاتی۔ میں اسے کسی نہ کسی طرح روک لیتا' مگر بخدا مجھے طرطبہ سے عشق نہیں تھا۔ مجھے تو تُو نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ اسی دیوانگی نے تو مجھے اس وقت بھی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے لیکن اس پر مجھے کوئی ملال نہیں۔ میں اگر مارا بھی گیا تو اپنے عشق پر صداقت کی مہر ثبت کر جاؤں گا۔"

میری آواز آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے بھرا گئی۔

نرگس مجھے کچھ دیر عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔ میں محسوس کر چکا تھا کہ میری باتوں کا اس کے دل پر ضرور اثر ہوا ہے۔

"میں چاہوں تو تجھے ایک یقینی موت سے بچا سکتی ہوں۔" آخرکار نرگس کے حسین لب ہلے۔ "لیکن تجھے ایک وعدہ کرنا پڑے گا کہ اب کبھی اقبال کے جسم میں داخل نہیں ہو گا۔"

"مر جانے دے مجھے اے نرگس!" میں رو دیا۔ "مجھے رہا نہ کر' میں ..... میری وجہ سے تجھے ..... بڑا دکھ ہوا ..... تُو اپنے محبوب سے بچھڑی رہی۔ میں ..... میں تو غیر ہوں تیرے لئے ..... ایک جن زاد ..... مجھ پر رحم نہ کر۔ حضرت مولانا کو آ جانے دو' وہ ..... وہ تو مجھے مجرم ہی سمجھتے ہیں نا' تو ..... تو پھر وہ اسی قید کی حالت میں جلا ڈالیں گے۔ اگر ..... اگر تیرے عشق میں ایک ..... ایک جن زاد اپنی جان سے گزر بھی گیا تو کیا ہوا' تو ..... تجھے تو تیرا محبوب مل جائے گا۔"

"نہیں' یہ تجھ پر ظلم ہو گا۔" نرگس بول اٹھی۔ "تُو نے بہرحال مجھ پر ایک احسان ضرور کیا ہے کہ مجھے شریف احمد سے بچا لیا' سو میں احسان فراموش نہیں۔ میں تجھے ابا جی کے ہاتھوں قتل نہیں ہونے دوں گی لیکن اس سے پہلے تجھے اقبال کے جسم میں داخل نہ ہونے کا عہد ضرور کرنا پڑے گا۔"

"مجھ میں تیرا حکم ٹالنے کی ہمت کہاں ..... مگر تُو بھی تو عہد کر ..... خدا کی قسم کھا کر مجھے یقین دلا کہ اپنے قریب آنے سے نہیں روکے گی۔" میں نے پلٹا کھایا۔

نرگس لاکھ ایک خطرناک عالم کی بیٹی سہی مگر تھی تو ایک کم عقل آدم زادی' سو مات کھا ہی گئی' کہنے لگی۔ "میں اپنے خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کرتی ہوں اے علیالیش کہ تجھے کبھی اپنے قریب آنے سے نہیں روکوں گی۔"

"اور اے نرگس! تیرے سر کی قسم کہ میں اب اقبال کے جسم میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کروں گا۔" میں نے بھی اسے غچہ دینے کے لئے جھوٹا عہد کر لیا۔

ابھی میرے الفاظ ختم ہوئے تھے کہ عقب سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی لیکن میں آنے والے کو نہیں دیکھ سکا۔ مڑ کر دیکھنا یا اپنے جسم کو حرکت دینا میرے لئے ممکن ہی نہیں تھا۔ میرے سارے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی' اس وقت جب میں نے لعنتی مولوی کفایت اللہ کو دیکھا۔ اب وہ میرے لئے "حضرت مولانا" نہیں رہا تھا۔

مولوی بدبخت کی آنکھوں میں جیسے خون اترا ہوا تھا۔

"نرگس!" وہ دھاڑا۔ "تُو یہاں سے چلی جا۔"

"لل ..... لیکن ابا....."

"جا' میں نے کہہ دیا تجھ سے چلی جا۔" کمینہ مولوی آپے سے باہر ہو گیا۔ "اس حرام زادے علیالیش کو میں نے پہچان لیا' اب میں اسے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ "مرنے سے پہلے کلمہ پڑھ لے۔"

اب اس کے سوا کوئی اور چارہ کار ہی نہیں تھا کہ میں' خبیث مولوی کفایت اللہ کا حکم مان لیتا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

یوں بھی کلمہ پڑھنا اچھی بات ہے' ہر مومن اور مومنہ کو پڑھتے رہنا چاہئے۔ میں بھٹکا ہوا ایک جن زاد سہی مگر تھا تو اہل ایمان کی نسل سے۔ مجھے اگر غصہ آیا تو صرف اس بات پر کہ مولوی مجھ بے بس کو عالم بالا کی سیر کرانے سے پہلے کلمہ پڑھنے کو کہہ رہا تھا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ایک ذی روح کو قتل بھی کرو اور خود اللہ میاں کی نظر میں بھلا بننے کے لئے اس سے کلمہ بھی پڑھواؤ۔ دیکھ لے اے اللہ تعالیٰ' ہم تیرے کتنے نیک اور فرمانبردار بندے ہیں کہ مقتول کا خاتمہ ایمان پر کیا' گویا ؎

وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا۔

اس سے قطع نظر میری ہوا تو اتنی سنٹ تھی کہ اگر وہ بدذات مولوی یہ کہتا کہ بیٹا علیالیش' مرغا بن جا اور ککڑوں کوں کی آواز نکال تو میں ہرگز انکار نہ کرتا۔ میں فوراً کہتا' جی حضرت مولانا ابھی تعمیل حکم کرتا ہوں لیکن ہائے افسوس' بھری جوانی میں وقت آخر آگیا تھا۔ وہاں تو کوئی مجھ پر رونے والا بھی نہ تھا' نہ کوئی جن نہ جنیہ۔ میں ایک دن یوں آدم زادوں کی ایک بستی میں مارا جاؤں گا' یہ تو سوچا بھی نہیں تھا۔ ویسے سچ بات تو یہ ہے کہ کچھ سوچنے کی فرصت تھی بھی کہاں۔ میری عمر ابھی تھی ہی کتنی۔ مشکل سے ڈیڑھ سو سال ہو گی عمر۔ ہاموس تو ہزار سال سے اوپر ہو گا۔ ہم جنات کی عمریں صدیوں پر محیط ہوتی ہیں۔ پانچ سو برس تک تو جن زاد جوان ہی شمار ہوتے ہیں۔

کبھی کبھی تو اس پر مجھے بڑی حیرت ہوتی کہ یہ آدم زاد اتنی سی عمر میں کیا کیا فتنے اٹھا دیتے ہیں۔ ابھی ساٹھ سال کے نہیں ہوتے کہ کسی بوڑھے گدھ کی طرح کھال لٹکنے لگی۔ دو چار سال اور گھسٹ گھسٹا لئے کہ ٹیں ہو گئے۔ بھلا یہ بھی کوئی جینے میں جینا ہوا۔ میں نے ایک مرتبہ غلطی سے محفل وعظ میں شرکت کر لی تھی۔ کئی ہزار سالہ ایک جن کو دور دیس سے وعظ کے لئے بلایا گیا تھا۔ اس نے اپنے وعظ میں کہا تھا کہ پہلے آدم زاد بھی سینکڑوں سال کے ہوتے تھے اور یہ نہیں ہوتا تھا کہ گویا ادھر پیدا ہوئے' ادھر بچگان کی قطار لگائی اور ٹھنڈے ٹھنڈے ٹہل لئے۔ وعظ کہنے والے عمر رسیدہ جن نے طویل عمری کے باب میں حضرت نوح علیہ السلام کی مثال بھی دی تھی جنہیں اس نے آدم علیہ السلام ثانی بھی کہا تھا۔ واعظ جن نے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر نو سو برس سے زیادہ بتائی تھی اور بطور ثبوت قرآن کی آیات بھی پڑھ کر سنائی تھیں۔ میں' یاسف کو اشارہ کر کے وہاں سے پھوٹ لیا تھا کہ اسی نے مجھے محفل وعظ میں پھنسایا تھا۔ پھوٹ لینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں نے وعظ کہنے والے کے بارے میں پہلے سے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ واعظ موصوف کو جوش خطابت میں یہ ہوش نہیں رہتا تھا کہ ثواب دارین حاصل کرنے والے چپکے چپکے خاصی بڑی تعداد میں کھسک چکے ہیں۔ جو بے چارے مجبوراً پھنسے ہوئے ہیں' منتظمین ہیں۔

میں بھی اس وقت بری طرح پھنس گیا تھا مگر یہ محفل وعظ نہیں' مقتل تھا جہاں سے کھسک لینا تو دور کی بات ہے' ہلنا بھی مشکل تھا۔ میری محبوبہ کی حویلی کا صحن' صحن مقتل بننے والا تھا' سو میں نے باآواز بلند انتہائی رقت کے ساتھ کلمہ پڑھ ہی دیا۔ رقت کا خیال میں نے بہ ہزار دقت رکھا تھا کیونکہ میری فاختہ اڑی ہوئی تھی۔ رقت کا تاثر میں نے کچھ تو اپنی ممکنہ مرگ ناگہانی کی وجہ سے دیا تھا' کچھ یہ سوچ کر کہ

شاید اس پتھر دل مولوی کو مجھ پر رحم آ ہی جائے۔

مولوی بدبخت تو خیر موم نہ ہوا' وہ گلبدن کہ جس کی خاطر عاشقی اختیار کی تھی' آڑے آگئی۔

"آپ میری بات تو سن لیں ابا جی!"

"تُو ابھی تک گئی نہیں یہاں سے۔"

"علیالیش بے گناہ ہے ابا جی!"

"تو پھر گناہگار کون ہے؟ کیا میں گناہگار ہوں؟" مولوی کسی پاگل ہاتھی کی طرح چنگھاڑا۔

"آپ کو اس کی طرف سے غلط فہمی ہو گئی ہے۔"

"بالکل نہیں' میں اسے خوب جانتا ہوں۔ اسی حویلی میں ایک رات یہ اور اس کا دوست دونوں ہی اقرار جرم کر چکے ہیں۔ تجھے کچھ خبر نہیں۔"

میں نے یہ سوچ کر کہ کہیں میری "حمایتن" یعنی پیکر حسن و رعنائی نرگس کچھ اور نہ سمجھ بیٹھے' اس کے "ابا جی" کی وہاں موجودگی کا بھی خیال نہ کیا اور جھٹ بول پڑا۔ "اے نرگس! تُو ہی حضرت قبلہ مولانا کو بتا دے کہ میں نے جرم عشق کا اقرار تجھ سے بھی کر لیا ہے یا نہیں۔ یہی اقرار پہلے حضرت مولانا سے کیا تھا۔"

موت کی دہشت کے سبب یہ بات میرے ذہن سے نکل ہی گئی کہ شریف و نیک اور باحیا بہو بیٹیوں کے "ابا حضور" بھی موجود ہوں تو ایسی کوئی بات نہیں کہنا چاہئے۔ مجھ سے یہ غلطی ہو چکی تھی' سو خمیازہ بھگتنا پڑا۔ مولوی نے نہ جانے کیا پڑھا اور مجھ پر پھونکا کہ نادیدہ جال کی گرفت ایک دم سخت ہونے لگی۔ میرے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔

"بے غیرت! حرام زادے ..... بے شرم' بے حیا' بے ایمان بے....." مولوی نے شاید کسی ایسے ہی موقع کے لئے "بے" سے شروع ہونے والے سارے الفاظ یاد کر رکھے تھے' سو بولے چلا گیا۔ میری مجبوری سنتا تھی' سنتا رہا اور چیختا رہا۔

جی تو یہ چاہ رہا تھا کہ مرنے سے پہلے دل کی بھڑاس نکال لوں' مولوی ظالم کو بھی وہ کھری کھری سناؤں' اس کی سات پشتیں یاد رکھیں لیکن مجھے چیخنے سے کب فرصت تھی۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ مجھے کھری یا کھوٹی سنانے کی فرصت نہ ملی ورنہ وہ نازنین' وہ خوش اندام اپنے ابا جی کو مزید غضب ناک ہونے سے نہ روکتی۔

"تُو کہتی ہے تو میں گرفت ڈھیلی کئے لیتا ہوں مگر اسے چھوڑوں گا نہیں۔ اس حرامی نے کل رات میری ٹوپی اتار لی' بھرے بازار میں' پھر اسی ٹوپی میں غلاظت بھر کر مجھ پر پھینک دی اور مجھے ناپاک کر دیا۔" مولوی بھنایا۔

"اس نے ایسا نہیں کیا ابا جی! آپ کو یہی تو بتا رہی تھی میں۔ وہ اس کا شیطان دوست یاسف تھا۔ اسی نے انتقاماً ایسا کیا تھا کیونکہ اسے کل آپ کے ہاتھوں مار کھانا پڑی تھی۔ علیالیش سے تو اس پر یاسف کا جھگڑا بھی ہو گیا۔" نرگس اپنے باپ کو سمجھانے لگی۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

مولوی نے نادیدہ جال کا دباؤ تو ہٹا لیا مگر مجھے آزاد نہ کیا۔ پھر وہ نرگس سے کہنے لگا۔ "کل وہ اس پر الزام دھر رہا تھا' آج یہ اسے بُرا کہہ رہا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے' یہ دونوں کمینے اس طرح مل کر مجھے چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"یقین کریں حضرت مولانا! میں تو آپ کی اتنی عزت کرتا ہوں کہ میرا اللہ ہی جانتا ہے۔" میں روتے ہوئے بولا۔ شدید اذیت سے گزر کر مجھے خود بخود رونا آ رہا تھا۔ پھر اس سے مولوی کو اُلو بنانے کے لئے کیوں فائدہ نہ اٹھاتا۔ "میں تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو سوچ رہا تھا۔ بھلا آپ جیسے اللہ کے نیک بندے اس جہان میں اب کتنے رہ گئے ہیں؟"

"میں تو بڑا گناہگار بندہ ہوں' کیوں مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہا ہے۔"

ہے تو واقعی تُو بڑا گناہ گار ورنہ کباب میں ہڈی نہ بنتا۔ میں نے یہ سوچا تو ضرور مگر مجھے سچ بولنے کا ہیضہ نہیں تھا' سو بولا۔ "نہیں حضرت مولانا! آپ کے دست حق پر بیعت تو میرے لئے باعث سعادت ہو گی۔" آگے میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مجھے اپنی فرزندی میں لے لیں' مگر وہ پھر بھڑک اٹھتا۔

مولوی کو مزید پرچانے کی غرض سے نرگس بھی بول اٹھی۔ "ابا جی! یہ مجھ سے عہد کر چکا ہے کہ اب اقبال کے جسم پر قابض نہیں ہو گا۔ اس نے قسم بھی کھالی ہے۔" نرگس نے خوفِ فساد کے سبب یہ نہیں بتایا کہ میں نے اسی کے "سر عزیز" کی قسم کھائی تھی۔

"قسم تو اس نے آئندہ کے لئے کھائی ہو گی۔ جو ناقابل معافی گناہ یہ پہلے کر چکا ہے ان کی سزا تو صرف اور صرف موت ہے۔" مولوی بھی ایک ہی بدمعاش تھا۔ بدذات اپنی بیٹی کی سفارش بھی مان کے نہیں دے رہا تھا' بولا۔ "یہ قاتل ہے۔ اس نے ستار اور اس کی بیوی کو قتل کیا ہے۔ شرع کی رو سے قصاص واجب ہے۔"

نرگس بھی تھی تو اس کی بیٹی' دبے لفظوں میں کہنے لگی۔ "مگر ابا جی' قصاص لینا ہم پر تو فرض نہیں' یہ تو ستار کے ورثاء کا حق ہے۔"

"تو پھر ہو گیا فیصلہ..... میں بلواتا ہوں' ستار کے والدین کو۔"

"لیکن حضرت مولانا' ان دونوں کو میں نے قتل نہیں کیا۔" میں بول اٹھا۔ "نرگس کو میں سب کچھ بتا چکا ہوں' وہ دونوں طرطبہ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔"

"کیا بکتا ہے تُو۔" مولوی برہم ہو گیا۔ "وہ تو پہلے ہی ماری گئی تھی۔ یاسف نے مجھے کل خود یہ بتایا تھا۔"

"میں اسی کے جھوٹ کی سزا تو بھگت رہا ہوں قبلہ و کعبہ۔" میں نے پھر مکر کیا اور زار و قطار رونے لگا۔

اسی وقت نرگس کی ماں آ گئی اور آتے ہی کہنے لگی۔ "یہ تم باپ بیٹی صحن میں کیوں کھڑے ہو؟ مجھے بوا رحیمن سے باتوں میں ذرا دیر ہو گئی۔ وہ کل کا واقعہ سنا رہی تھیں کہ کس طرح یاسف جن' ان کے پیروں میں سر رکھ رہا تھا۔" اس کا اشارہ مولوی کی جانب تھا۔ "اری باپ کے لئے کھانا بھی نکالا کہ

نہیں؟" اس نے آگے بڑھتے ہوئے نرگس سے کہا۔ "تجھے بتا کر گئی تھی کہ کوفتے نعمت خانے میں رکھے ہیں' گرم کر کے دے دیجیو۔ بس میرا تو گھر سے نکلنا قیامت ہے۔ گھڑی بھر کو کہیں جاؤں تو....."

"تم اندر جاؤ۔" مولوی نے اپنی بیوی سے کہا۔ "ابھی کوفتے گرم کرنے کی ضرورت نہیں' جب کہوں گرم کر دینا اور سنو' اب ادھر نہ آنا۔"

"لو اور سنو' کیوں نہ آؤں ادھر' کیا یہاں انگریز پلٹن کا پہرا لگا ہے؟" بڑھیا سنک گئی ؎

آثار کہہ رہے تھے عمارت عظیم تھی

جوانی میں اس نے مولوی سے بڑے ناز اٹھوائے ہوں گے' تبھی مولوی کو گھر کی مرغی دال برابر سمجھ رہی تھی۔ آخر تھی بھی تو نرگس کی ماں۔ میاں چاہے عالم فاضل ہو کہ کوئی بزرگ ہستی' آدم زاد بیویاں انہیں جوتی کی نوک پر رکھتی ہیں۔

"زیادہ فضول باتیں نہ کرو اور جاؤ اندر۔ میرا خیال ہے کہ تم نے ابھی ظہر کی نماز بھی نہیں پڑھی ہو گی' جا کے نماز پڑھو۔" مولوی نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"اے لو' اچھا یاد دلایا تم نے۔ وضو تو کر لیا تھا میں نے وہیں اور نماز بھی پڑھنے والی تھی کہ تمہارا خیال آ گیا کہ کھانا کھانے آ گئے ہو گے۔ یہ نرگس کہیں بھول نہ جائے کہ کوفتے کہاں رکھے ہیں۔ یہی سوچ کر آ گئی کہ گھر جا کے نماز پڑھ لوں گی۔ بوا رحیمن روکتی رہ گئیں مگر میں نہیں رکی۔" اس کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں اسے نظر نہیں آیا۔ اس کی وجہ یہی ممکن تھی کہ مولوی نے بیٹی کو تو علم سکھایا تھا' بڑھیا کو اس معاملے میں کورا ہی رکھا تھا۔

"اب جاؤ گی بھی کہ یہیں کھڑی تقریر جھاڑتی رہو گی۔" مولوی نے اسے ٹوکا۔

"کھڑے رہو باپ بیٹی دھوپ میں' مجھے کوئی شوق نہیں۔ ذرا کی ذرا میں مجھے تو پسینہ آ گیا۔" بڑھیا برآمدے کی طرف بڑھ گئی۔

"میں بتاتی ہوں ابا جی کہ علیالیش قاتل نہیں ہے۔" پھر نرگس کو میں نے جو کچھ اپنی صفائی میں بتایا' قدرے اختصار سے اس نے بیان کر دیا۔

میں نے محسوس کیا کہ مولوی کچھ نرم پڑنے لگا ہے۔ نرگس اگر میرے حق میں نہ بولتی تو شاید یہ ممکن نہ ہوتا۔

"ابا جی! سارا کیا دھرا اسی شیطان یاسف کا ہے۔ اپنی جان بچانے کے لئے اس نے غریب علیالیش پر الزامات لگا دیئے۔"

"عقل کام نہیں کرتی کہ ان دونوں خبیثوں میں سے کون جھوٹا ہے اور کون سچا۔ کم بختوں کو اہل ایمان ہونے کا دعویٰ بھی ہے اور کمینہ پن بھی نہیں چھوڑتے۔"

"حضرت قبلہ مولانا! میں آپ سے مؤدبانہ ایک سوال کرنے کی جسارت....."

"بول' کیا سوال ہے تیرا؟"

"آدم زاد بھی جس طرح اللہ کی مخلوق ہیں' ہم جنات بھی ہیں۔ پھر آدم زادوں کو یہ حق کس نے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

دیا کہ وہ ہمیں اپنا غلام بنالیں؟ میں اس گستاخانہ سوال کے لئے معذرت طلب ہوں۔"

"تُو ٹھیک کہتا ہے' اشرف المخلوقات ہونے کا مطلب قطعی یہ نہیں کہ اللہ کی کسی اور مخلوق کو غلام بنالیا جائے۔ ہاں فتنہ گر اور کافر جنات کے لئے یہ حکم نہیں۔ جنات میں اکثریت اب فتنہ پروروں کی ہے۔ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو آدم زادوں کو ستاتے ہیں۔ سو ایسوں کو نکیل ڈال دی جائے تو بے جا نہیں۔ میں ذاتی طور پر اس کے حق میں بھی نہیں۔ اللہ جانے اور اس کے بندے' ہم کون کسی کو اس بہانے غلام بنانے والے۔"

"گستاخی معاف حضرت مولانا! پھر تو ستار کو میرا نام آپ نے....."

"صرف تجھے سزا دینے کی خاطر کہ تُو نے میری دکان کو آگ لگا کر مجھے مالی نقصان پہنچایا تھا۔" مولوی نے میری بات کاٹ دی۔

"ابا جی! وہ بھی یاسف کی حرکت....."

"یہ تُو کیوں بار بار اس کی حمایت میں بولے جا رہی ہے؟ ہر قصور یاسف نے کیا' یہ بالکل بھولا ہے۔" مولوی چڑ گیا۔

"میں ..... میں تو اس لئے کہہ رہی تھی کہ ..... کہ کہیں کسی بے گناہ پر ظلم نہ ہو جائے۔ اس کا عذاب تو ہم پر ہو گا نا۔" نرگس اپنی صفائی میں کہنے لگی۔

جیتی رہو چندا! میں نے دل ہی دل میں اسے شاباش دی۔ اگر تم جیسی عقل سے پیدل آدم زادیاں اس جہان بے ثبات میں ظہور کرتی رہیں تو ہم جن زادوں کے عیش ہی عیش ہیں۔

نرگس کی بات کا کوئی جواب دینے کے بجائے مولوی نے مجھے قہرناک نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "لگتا ہے کہ تُو نے میری بیٹی کو کوئی ایسی پٹی پڑھائی ہے کہ یہ بھی تیرے گن گا رہی ہے۔ سچ اور جھوٹ کا ابھی پتا چلا جاتا ہے۔ اگر تیری زبان نہ کھلوائی تو میرا نام بھی مولوی کفایت اللہ نہیں۔"

پھر مولوی نے "پڑھنت" شروع کر دی۔ اس مرتبہ نرگس کچھ نہ بولی۔ اس کے بے داغ دامن پر میری وجہ سے داغ لگا جا رہا تھا تو وہ کیوں "داغدار" ہوتی۔

مولوی بدبخت کی "پڑھنت" کا انجام جلد ہی میری چیخوں کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ میری وہی حالت ہو گئی جو ستار کے عمل کرنے کے دوران میں ہوئی تھی۔ اس پر یہ ستم مزید ہوا کہ نادیدہ جال کا دباؤ بڑھتا ہی چلا گیا۔

"سچ بول دے ورنہ مار ڈالوں گا تجھے۔" مولوی نے مجھے بندر بھبکی دی۔

میں نے انتہائی تکلیف کے عالم میں بھی اپنے اوسان خطا نہ ہونے دیئے۔ میری زندگی کا انحصار زبان نہ کھولنے پر تھا۔ سچ بول دیتا تو یقینی طور پر مارا جاتا۔ سو اذیت سہتا رہا' یہاں تک کہ میری جگر خراش چیخیں سن کر "ممولن" یعنی نرگس کی ماں صحن میں آ گئی۔ میں اسے "ٹپائی" تو نہیں دے رہا تھا مگر "سنائی" ضرور دے گیا۔

"ارے یہ کون بے چارہ چیخا جا رہا ہے اتنی زور زور سے؟" بڑھیا نے دور ہی سے ہانک لگائی۔ وہ یا

تو نماز پڑھ چکی تھی یا پھر دو چار رکعت چھوڑ کر آ گئی تھی۔

مولوی تو دبادب "پڑھائی" میں لگا ہوا تھا' کیا بولتا' ہاں نرگس نے بڑھیا سے ضرور کچھ "کھسر پسر" کی۔ وہ اپنی ماں کے قریب جا کے کھڑی ہو گئی تھی۔ میری تو جان پر بنی تھی۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ آخرکار "انا غفیل" ہو گیا' یعنی مجھے ہوش نہ رہا۔

مجھ پر زیادہ عرصے بے ہوشی طاری نہ رہی۔ یہ عرصہ غالباً چند منٹ کا ہو گا۔ اندازہ اس سے ہوا کہ بڑھیا کو میں نے مولوی کی خبر لیتے دیکھا۔

"ارے کیوں ایک مظلوم کی آہ لے رہے ہو؟" بڑھیا اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی۔ نرگس نے یقیناً اپنی اماں کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔

"تُو بھی اپنی بیٹی کی بولی بولنے لگی۔" مولوی اس پر غرایا۔ وہ پڑھنا ترک کر چکا تھا اور اب میں اذیت میں نہیں تھا۔

"جنات بھی تو اللہ کی مخلوق ہیں۔ اللہ کا کلام اس لئے تو نہیں کہ تم کسی کو تکلیف پہنچاؤ۔"

بیٹی کو تو مولوی نے رعب میں لے لیا مگر بیوی دھونس میں نہیں آئی۔ مولوی تنگ آ کر کہنے لگا۔

"اب اگر کچھ ہوا تو تمہی دونوں ماں بیٹی اس کی ذمہ دار ہو گی۔ میرا کیا ہے' چھوڑے دیتا ہوں اسے۔ اگر یہ پھر تمہارے داماد اور بیٹی کے پیچھے پڑ گیا تو مجھ سے نہ کہنا۔"

"کیوں رے بول' کیا نام ہے تیرا..... مجھ سے وعدہ کر کہ اب ادھر کبھی نہیں آئے گا۔" بڑھیا نے اس طرف دیکھا جدھر سے میری چیخیں سنی تھیں۔

"اماں! پیاری اماں! بچا لو مجھے۔" میں نے فریاد کی۔ "ورنہ تو ..... قب ..... قبلہ مولانا مجھ بے گناہ کی جان لے لیں گے۔"

"ہائے ہائے بے چارہ کس چاؤ سے مجھے اماں کہہ رہا ہے۔" بڑھیا کا کلیجہ میری فریاد سن کر جیسے منہ کو آ گیا۔ "میرا سجو بھی اسی طرح مجھے اماں اماں کہتا تھا' برا ہوا اس چیچک کا جو میرے سجو کو اچک لے گئی۔ آج کو زندہ ہوتا تو....." بڑھیا نے باقاعدہ "بھونکڑا" دینا شروع کر دیا۔

"چپ ہو جاؤ خدا کے لئے۔ یہ تمہیں اس وقت ساجد کہاں سے یاد آ گیا۔ تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے میں نے کہ اللہ کی امانت تھی' اس نے واپس لے لی۔ دس برس سے زیادہ ہو گئے۔ مگر تمہاری سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آئی۔" مرحوم بیٹے کے ذکر پر آخر پتھر دل مولوی بھی اندر سے شاید پگھل ہی گیا اور مجھ سے بولا۔ "جا اپنے ساجد کے صدقے تجھے آزاد کیا میں نے۔" پھر اس نے کچھ پڑھ کر پھونک ماری۔ نادیدہ جال کی گرفت ختم ہو گئی۔

میں نیم جان ہونے کے باوجود وہاں سے اس طرح بھاگا جیسے کتے کا کاٹا پانی سے بھاگتا ہے۔ اس وقت میری حالت غیر ہو رہی تھی جب مطلوبہ ویران مکان تک پہنچا۔ یہ وہی مکان تھا جہاں میں' یاسف کو سوتا چھوڑ گیا تھا۔ وہ ظالم ابھی تک نیند کے مزے لے رہا تھا۔ میری "ہائے ہائے" سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

aazzamm@yahoo.com

"کیا ہوا تجھے اے علیالیش!"

"یہ پوچھ کہ کیا نہیں ہوا..... ہائے۔"

"تیری حالت تو واقعی بہت خراب لگتی ہے۔" یاسف فکرمند ہو گیا۔ "کسی حکیم کو لے کر آؤں؟"

"یہ..... یہ روحانی زخم ہیں اے یاسف! کسی طبیب کے بس کا روگ نہیں۔" میں نے کراہتے ہوئے بتایا۔

"تو پھر تجھے ہاموس کے پاس اٹھا کر لے چلوں؟"

"اور اگر میں راستے ہی میں آخری منزل کی طرف کوچ کر گیا تو؟"

"خدا نہ کرے اے میرے دوست! تُو گھبرا مت' میں یہیں ہاموس کو بلائے....."

"وہ نہیں آئے گا یہاں کہ یہ آدم زادوں کی بستی ہے۔ پھر..... پھر اگر تیری غیر موجودگی میں میرا کام تمام ہو گیا تو وقت آخر کوئی سورۃ یٰسین سنانے والا بھی نہ ہو گا۔"

"مجھے میرے باپ ملیقا نے بچپن میں کچھ قرآنی آیات ایسے مواقع کے لئے یاد کرائی تھیں کہ جب روحانی اذیت پہنچے تو انہیں پڑھ کر مریض پر دم کر دیا جائے' انشاء اللہ شفا ہو گی۔ میں وہ آیات پڑھ کر ابھی دم کرتا ہوں لیکن..... اس کے لئے تو پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ میں آیا ابھی راوی میں غوطہ لگا کر۔" یہ کہتے ہی یاسف غائب ہو گیا۔

یاسف کو واپسی میں چند ہی لمحے لگے۔ پھر اس نے جب قرآنی آیات پڑھ کر مجھ پر دم کیں تو جیسے مجھے قرار آ گیا۔ ایسا سکون ملا کہ میری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں اور میں گہری نیند سو گیا۔ اللہ کے کلام میں واقعی بڑا اثر ہے۔

☆======☆======☆

آنکھ کھلی تو یوں لگا کہ کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔ یاسف میرے قریب ہی موجود تھا۔ اس نے میرا حال پوچھا۔ اس وقت اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں اب' تُو نے تو واقعی کمال کر دیا۔" میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اب تُو بھی جا کے راوی میں ایک غوطہ لگا آ۔ پھر تجھ سے بات ہو گی کہ تیری یہ حالت ہوئی کیسے۔" یاسف نے مجھے مشورہ دیا۔

میں نے یاسف کا مشورہ مان لیا اور راوی کنارے پہنچ گیا۔ اس سے پہلے کہ میں دریا میں غوطہ لگاتا ایک آدم زادی کی گھٹی گھٹی سی چیخ مجھے سنائی دی جیسے کسی نے اسے چیخنے سے روکنے کے لئے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ کچھ ہی فاصلے پر جھاڑیاں تھیں۔ چیخ ادھر ہی سے سنائی دی تھی۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔

"خاموشی سے پڑی رہ' اگر چیخی چلائی تو گلا دبا دوں گا۔" یہ کسی آدم زاد کی آواز تھی جو بھیڑیے کی طرح غرایا تھا۔

آدم زادوں میں طرح طرح کے درندے بھی ہوتے ہیں۔ مگر شکلیں آدمیوں جیسی ہی ہوتی ہیں۔ وہ بھی کوئی درندہ ہی تھا جو کسی بھولی بھالی آدم زادی کو اٹھا لایا تھا۔ میرے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ

دیکھوں' معاملہ کیا ہے۔

میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک آدم زاد نے کسی کو پچھاڑ رکھا تھا لیکن ابھی "چھری" نہیں پھیری تھی۔ آدم زادی دولتیاں جھاڑ رہی تھی۔

"اے' یہ بہت بُری بات ہے۔" میں بول اٹھا۔ "پہلے پچکارا تو مار لیتا۔"

آدم زاد میری غیر انسانی آواز سن کر اتنی زور سے اچھلا کہ پچھڑی ہوئی الھڑ نار کو موقع مل گیا۔ وہ نیچے سے نکل گئی اور "بچاؤ' بچاؤ" کہتی ہوئی دریا کی طرف بھاگی۔

میں نے جھپٹ کر اسے پکڑ لیا ورنہ بھری جوانی میں دریا برد ہو جاتی۔ بوکھلاہٹ میں اسے سمتوں کا دھیان نہیں رہا ہو گا۔ اتنے میں آدم زاد اسے کوئی کبوتری سمجھ کر کسی شکرے کی طرح اس پر جھپٹا۔ میں نے لات ماری تو بلبلا کر دور جا گرا۔ وہ سمجھا' شاید یہ آدم زادی کی کارروائی ہے۔ گالیاں بکتا ہوا وہ اٹھا اور دوسری مرتبہ بھی اسے زمین چاٹنا پڑی۔ آدم زادی کی کلائی میں نے پکڑ رکھی تھی۔ وہ لانچا باندھے تھی اور لمبا کڑھا ہوا کرتہ جسم کے اوپری حصے پر تھا' نہ سر پر دوپٹہ تھا اور نہ چادر۔ ماشاء اللہ خاصی صحت مند تھی اسی لئے گینڈے جیسے اس آدم زاد کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ دوپٹہ یا چادر وغیرہ زور آزمائی کے نتیجے میں کہیں گر گرا گئی ہو گی۔

"گینڈے صاحب" اس مرتبہ بڑے نپے تلے قدم رکھتے ہوئے بڑھے۔

"بس کر بے۔" میں نے اسے ڈانٹ پلائی۔ "ایک عورت کے سامنے شیر بن رہا ہے۔ ابھی تجھے بکری بنا دوں گا تو ممیانے لگے گا۔"

"گینڈا" ایک دم ٹھٹک کر رک گیا۔ حالانکہ ابھی شام ہی تھی مگر اس کے چہرے پر بارہ بجنے لگے۔ بعض چہرے اچانک غلط وقت بتانے لگتے ہیں۔ الھڑ نار بھی سہم گئی۔

"اسے کہاں سے اٹھا کر لایا ہے؟" جواب دے۔

"اپ..... اپنے گھر سے۔"

"ابے تو کیا گھر میں جگہ نہیں تھی جو یہاں گھیر لایا اسے۔"

پھر مزید سوال جواب کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ وہ آدم زادی مسمات خدیجہ اس آدم زاد شوکت عرف شوکی کے بڑے چچازاد کی بیوہ تھی۔ شوکت بہت دن سے اسے دانہ ڈال رہا تھا لیکن وہ دانہ چگنے پر اتارو نہیں تھی۔ خدیجہ کا شوہر اسے ایک عدد بیٹے کا تحفہ دے کر بہ عارضہ تپ دق دنیا سے ٹہل گیا تھا۔ اس کے شوہر کو مرے ابھی سال بھر ہوا تھا۔ بیٹا دو سال کا تھا۔ کچھ آدم زادیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ایک مرد کا منہ دیکھ کر کسی دوسرے کے منہ پر اپنا تھوک بھی ضائع نہیں کرتیں۔ خدیجہ بھی ایسی ہی لگتی تھی' مگر بعد میں اسی روز کچھ اور ہی عقدہ کھلا۔

وہ اس حمق میں مبتلا تھی کہ اب صرف اپنے بیٹے کے لئے جئے گی۔ دوسری شادی سے انکاری تھی اور اسی چکر میں اپنی بھابیوں کے سینے پر مونگ دل رہی تھی۔ اس کی ایک بھابی ہی نے شوکت کو پیچھے لگایا تھا۔ بھابی بداطوار کا خیال یہ تھا کہ اگر ایک بار بھی "پھول ٹٹی" لٹ گئی تو خدیجہ راہِ راست پر آ کر شوکت

aazzamm@yahoo.com
aazzamm@yahoo.com

کی جورو بننے پر راضی ہو جائے گی۔ بھابی ہی نے اسے بہلا پھسلا کر شوکت کے ساتھ بھیجا تھا کہ اس کے ساتھ جا کے شوہر کی قبر پر فاتحہ پڑھ آ۔ خدیجہ غریب نے کبھی قبرستان دیکھا نہیں تھا' تھی بھی ان پڑھ۔ سو شوکت اسے ادھر لے آیا جہاں نہ کوئی بندہ تھا نہ بندے کی ذات۔ اسے خبر نہیں تھی کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو کھلی آنکھوں بھی ٹپائی نہیں دیتے۔

آدم زادیوں کے ساتھ اگر ہم جیسے جن زاد زور زبردستی پر اتر آئیں تو بات سمجھ میں بھی آتی ہے لیکن خود بھی آدمی ہو کر اپنی ہی نسل کے ساتھ ایسی حرکات نازیبا قطعی درست نہیں۔ آدمی کو آدمی کا دشمن نہیں بننا چاہئے۔ مجھے تو حیرت اس پر تھی کہ خود ایک آدم زادی دوسری کی عزت و آبرو لٹوانے کو آمادہ ہو گئی تھی۔

خدیجہ کی اس بھابی کا نام شوکت نے شبو بتایا تھا۔

"کتنے بچے ہیں شبو کے؟" میں نے معلوم کیا۔

"ابھی کہاں..... اس کی شادی کو چھ مہینے ہی ہوئے ہیں۔"

شوکت کا جواب سن کر میں کھٹکا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ اس آفت کی پرکالہ کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ پھر اس نے شوکت سے کس طرح ایسی بات کر لی؟

"تیرا کیا رشتہ ہے شبو سے؟"

میرے سوال پر شوکت کچھ سٹپٹایا' پھر بتایا۔ "وہ میرے ماموں کی بیٹی ہے۔"

"بہن کہتے ہوئے کیا شرم آ رہی ہے تجھے۔" میں نے طنز کیا۔

"سگی بہن تو نہیں نا جی!"

پھر شوکت کو یہ بھی قبولنا پڑا کہ شبو کی شادی سے پہلے وہ اور شبو گل کھلا چکے تھے اور اب بھی گل کھلانے سے باز نہیں آئے تھے۔ میرا اندازہ درست ہی نکلا۔ خدیجہ حیران حیران سی یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ اپنی اس بھابی کو وہ بڑے چاؤ سے چھوٹے بھائی کے لئے بیاہ کر لائی تھی' بعد میں خدیجہ نے مجھے روتے ہوئے بتایا تھا۔

میں نے ان دونوں کو اپنے بارے میں بتایا تھا کہ ایک نیک جن زاد ہوں اور جہاں گناہ ہوتا دیکھتا ہوں فی الفور وہاں پہنچ جاتا ہوں۔

اس پر خدیجہ بولی تھی۔ "پھر تو جی آپ اللہ کے بڑے نیک بندے ہوئے۔"

"اور کیا' تم کیا مجھے کوئی لچا لفنگا جن سمجھ رہی ہو۔"

اس کے بعد شوکت نے کان پکڑ کر توبہ کی کہ آئندہ کبھی گناہ نہیں کرے گا۔

"اور اگر شبو نے ورغلایا تو؟" میں نے سوال کیا۔

"منع کر دوں گا اسے۔ آخر مجھے اللہ کو بھی منہ دکھانا ہے۔"

"پنج وقتہ نماز بھی پڑھا کر۔" میں کسی سچ مچ کے نیک جن کی طرح اسے نصیحت کرنے لگا۔

"نماز سیکھی تھی میں نے پر جی بھول گیا اب کہ اس میں کیا پڑھتے ہیں۔"

"پھر سیکھ لینا' زیادہ مشکل نہیں۔" میں نے کہا اور پھر میرے کہنے پر اس نے خدیجہ سے دست درازی کرنے پر معافی مانگ لی۔

اس معاملے میں میری دلچسپی کا سبب صرف خدیجہ تھی۔ اس کی عمر ابھی بائیس سال سے زیادہ نہیں لگتی تھی۔ اتنی سی عمر میں بے چاری ایک بچے کی ماں بن کر بیوہ بھی ہو گئی تھی۔ اس کی بھری جوانی یوں ہی رائیگاں جا رہی تھی۔ مجھے اس پر بڑا افسوس ہوا۔ سو اسی لئے پوچھ لیا کہ کہاں رہتی ہے۔

"خدیجہ! تجھے یتیموں ویسوں کی طرف سے کوئی تنگی ہو تو بتا دینا۔" میں نے ہمدردی جتائی۔ "میں تیری خبرگیری کو تیرے پاس آتا جاتا رہوں گا۔"

"جھگڑا تو سارا اسی کا تھا جی!" شوکت بول اٹھا۔ "چھوٹا بھائی سلیم اللہ اس کا سارا خرچہ اٹھاتا ہے۔ دو بڑے بھائی اور بھی ہیں پر ان کی اتنی آمدنی نہیں۔ شبو اسی لئے تو اس سے جلتی ہے کہ کمائے تو اس کا میاں اور کھائے یہ۔ وہ اسی لئے چاہتی تھی کہ خدیجہ اپنے گھر کی ہو جائے تو اس کی جان چھوٹے' مگر یہ شادی پر تیار ہی نہیں ہو رہی تھی۔"

"کوئی عورت اگر شادی نہ کرنا چاہے تو زبردستی اسے اس پر مجبور نہیں کرنا چاہئے' یہ گناہ ہے۔" میں نے عالم ہاموس کے لہجے کی نقل اتاری' پھر مزید بولا۔ "بیواؤں اور یتیموں کی مدد کرنا ہم نیک جن زادوں کا کام ہے لیکن ایک بات تم دونوں ہی کان کھول کر سن لو۔ اگر تم نے کسی سے بھی میرا ذکر کیا تو تمہارے لئے بہت برا ہو گا۔ کسی کو کچھ دیا جائے تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ ایک ہاتھ کی خبر دوسرے ہاتھ کو نہ ہو۔ اے خدیجہ! تُو پرواہ نہ کر تیرے دن پھرنے والے ہیں۔" میں نے پیار بھری نظر اس مٹیار پر ڈالی۔

وہ مجھے دعا دینے لگی اور میں سوچنے لگا کہ چلو آج رات کا بندوبست تو ہو ہی گیا۔ خدیجہ کی چادر وہیں جھاڑیوں کے پیچھے پڑی تھی' اوڑھ کر شوکت کے ساتھ چل دی۔

وہ دونوں چلے گئے تو میں نے راوی میں غوطہ لگایا۔ ابھی میں سطح آب پر نہیں ابھرا تھا کہ کسی نے میرا پیر پکڑ کر مجھے نیچے کھینچ لیا اور میں ڈر گیا۔ جنات کی ایک قسم "غواصوں" کہلاتی ہے۔ یہ پانی میں رہتے ہیں۔ انہیں بہت سرکش اور قوی کہا جاتا ہے۔ یہ اس قدر کمینے ہوتے ہیں کہ جن زادوں کو بھی اذیت پہنچانے سے باز نہیں آتے۔ میرے خوف کی وجہ یہی تھی اور پھر میرا اندیشہ درست ہی ثابت ہوا۔

"اے کم ذات' مجھ ہامہ کی سن۔ خدیجہ کا خیال دل سے نکال دے۔" اس نے مجھے گرفت میں لے لیا' پھر سطح آب پر لے آیا۔

"بھائی ہامہ! تم کیا کہہ رہے ہو' میں کچھ سمجھا نہیں۔" میں عاجزانہ آواز میں بولا۔

"خدیجہ ایک بار میرے تصرف میں رہ چکی ہے' اب سمجھ میں آیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب بیاہی نہیں تھی اور ہامہ بس ایک ہی دفعہ کسی آدم زادی پر ہاتھ ڈالتا ہے' دوبارہ نہیں اور سنے گا کہ پھر وہ آدم زادی کسی آدم زاد کے کام کی نہیں رہتی اور نہ ہی کوئی جن زاد اسے اپنی طرف مائل کر سکتا ہے۔"

aazzamm@yahoo.com
aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"لیکن اس کی تو شادی بھی ہوئی اور وہ صاحب اولاد بھی بن گئی۔" میں نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

"تُو مجھے نرا گھامڑ لگتا ہے۔ میرا مطلب کچھ اور ہے۔" پھر ہامہ نے جو کچھ بتایا میرے لئے حیران کن ہی تھا۔ آخر میں وہ کہنے لگا۔ "تجھے آگاہ کرنا میرا کام تھا' آگے تُو جان۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ بھائی ہامہ! اب مجھے چھوڑ دو۔"

"گھبرا گیا۔" وہ ہنسا اور میرا بازو مروڑ کر مجھے دور پانی میں اچھال دیا۔

میں وہاں سے چپت ہو گیا کہ کہیں ذلیل ہامہ پھر مجھ سے "تفریح" نہ لینے لگے۔ میں اس ویران مکان کی طرف ہو لیا کہ جہاں عارضی ٹھکانہ تھا۔

"لوٹنے میں تُو نے بڑی دیر کر دی اے علیالیش!" یاسف کہنے لگا۔ "میں تو تیری طرف سے تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔"

خدیجہ کا ذکر تو میں گول کر گیا البتہ ہامہ کے ہاتھوں پکڑے جانے کا واقعہ ذرا طول دے کر بتا دیا۔ دیر سے واپسی کا جواز میں نے اسی واقعے کو بنا لیا تھا۔

"ہم پر تو پے در پے عذاب نازل ہو رہے ہیں اے علیالیش!" یاسف اظہار افسوس کرنے لگا۔ "ان قوی جنات کو ہمیں ستانے میں جانے کیا مزہ آتا ہے۔"

"ابھی تو تجھ سے میں نے دوپہر کا واقعہ بیان نہیں کیا' سنے گا تو تیرے حواس جواب دے جائیں گے۔ جنات تو خیر ہیں ہی جنات' کمبخت آدم زاد ہم سے بھی دو جوتے آگے ہیں۔ میری جو حالت تُو نے دیکھی' معلوم ہے کیا وجہ تھی اس کی ..... اب ہمیں اس کمینے مولوی کفایت اللہ کا کوئی مستقل بندوبست کرنا ہی پڑے گا ورنہ ہم ایک نہ ایک روز اس کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔" پھر میں نے یاسف کو تفصیل کے ساتھ بتا دیا کہ مجھ پر اس روز دوپہر کیا گزری۔

یاسف خوفزدہ ہو کر بولا۔ "یہاں سے کہیں اور نہ بھاگ چلیں۔"

"کیوں' کیا آج رات بملا کے پاس جانے کا ارادہ نہیں ہے؟" میں نے دانستہ بملا کا ذکر چھیڑ دیا۔

"ہاں ارادہ تھا تو مگر ..... اس شہر میں ہمارے لئے خطرات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ مولوی کہیں کسی کو وظیفہ کرنے کے لئے میرا نام نہ بتا دے۔"

میں نے یاسف کو یہ نہیں بتایا تھا کہ سارا الزام اس کے سر تھوپ آیا ہوں' پھر بھی وہ مولوی سے ڈر رہا تھا۔

"نہیں اے یاسف! اس سلسلے میں بھی مولوی سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ جنات کو غلام بنانے کے حق میں نہیں۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"پھر اس نے ستار کو وظیفہ تعلیم کیوں کیا' اس کے لئے؟"

"وہ اور معاملہ تھا۔ ایک تو لعنتی ستار کمبل ہو گیا تھا' دوسرے مولوی کو مجھ پر شبہ تھا کہ میں نے ہی اس کی دکان میں آگ لگا کر اسے مالی نقصان پہنچایا ہے۔ تجھے اور مجھے تو وہ یوں بھی معاف کر چکا ہے' پھر

اس بدذات سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تُو ہی تو ابھی اس کے مستقل بندوبست کی بات کر رہا تھا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ میں تو نرگس کو کسی صورت نہیں بھول سکتا اور یہ طے ہے کہ مولوی ضرور آڑے آئے گا۔ میں اسی لئے مستقل بندوبست کو کہہ رہا تھا۔ میں نے جس نادیدہ جال کا تجھ سے ذکر کیا' ہمارے عالموں کے پاس تو اس کا کوئی توڑ ہو گا ہی ..... بہت سی باتیں ہمیں نہیں معلوم جو تجربہ کار علماء ہی کو خبر ہوں گی۔ ممکن ہے ہاموس ہماری کوئی مدد یا رہنمائی کر سکے۔"

"مشکل ہی ہے۔ وہ تو بس نماز پڑھنے پر لگا دیتا ہے اور آدم زادوں کی آبادیوں میں داخلے سے بھی روکتا ہے۔ پہلے تو وہ یہی کہے گا کہ ہمیں آدم زادوں کی بستیوں میں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے جو کوئی خطرہ پیش آئے۔ پھر بول کہ تُو کیا کہے گا؟"

"کوشش کر لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ کل کسی وقت چلیں گے۔"

ہامہ سے مجھے خدیجہ کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا' اس کے باوجود خدیجہ کی طلب کم نہیں ہوئی تھی۔ پھر اس رات یاسف کو تو میں نے بملا کے پاس ٹہلا دیا اور خود ایک ہندو سیٹھ کی تجوری صاف کر کے خدیجہ کے گھر پہنچ گیا۔ اس زمانے میں زیادہ تر چاندی کا روپیہ چلتا تھا۔ روپوں کا خاصا بوجھ تھا مگر میرے لئے نہیں۔ ہاں کوئی آدم زاد بیک وقت اس قدر بوجھ نہ اٹھا پاتا۔ ہم جن زاد تو بھاری سے بھاری بوجھ اٹھا لیتے ہیں کہ جسے اٹھانے کا کوئی آدم زاد تصور بھی نہ کر سکے۔

دوسرے دن اپنی تجوری خالی دیکھ کر ہندو سیٹھ پر کیا گزرتی' مجھے اس سے سروکار نہیں تھا۔ یوں بھی وہ کمائی حرام ہی کی تھی۔ ہندو سیٹھ سود پر روپے کے لین دین کا دھندا کرتا تھا۔

چاندی کے روپے میں ایک چادر میں باندھ کر لایا تھا۔ روپوں کی گٹھری کو عارضی طور پر میں نے گھر کی چھت پر رکھ دیا۔ ابھی تو مجھے وہ گھر اندر سے گھوم پھر کے دیکھنا تھا کہ حسین و جوان بیوہ کہاں ہے۔ کمبخت شبو نے اسے گھر کی چھوٹی سی ایک کوٹھری میں ڈال رکھا تھا۔ اس کوٹھری میں خدیجہ کے علاوہ اور ٹوٹا پھوٹا سامان بھی پڑا تھا۔ گویا خدیجہ کی حیثیت اس گھر میں ٹوٹے پھوٹے سامان جیسی ہی تھی۔ خود آدم زادیاں دوسری آدم زادیوں پر جتنے ستم ڈھاتی ہیں' آدم زاد بھی نہیں ڈھاتے۔ خدیجہ کی چارپائی کے علاوہ اس کوٹھری میں کم ہی جگہ بچی ہوئی تھی۔ چارپائی بھی بس اتنی سی تھی کہ اس کے دو سالہ بچے کے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں تھی۔ کوٹھری میں بدبو کے بھبکے الگ تھے۔ معلوم نہیں کہ وہ کس طرح وہاں سو جاتی تھی۔ عموماً جن آدم زادیوں کو اپنے شوہروں کے نکل لینے کے بعد جب میکے میں رہنا پڑتا ہے تو ان کی یہی درگت بنتی ہے۔ پہلے جس گھر کو وہ اپنا کہتی تھی' اس پر بھابیوں کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ وہ ماحول کم از کم میرے لئے بڑا ہی غیر شاعرانہ تھا۔ وہ اپنے لاڈلے پوت کو سینے سے لگائے سو رہی تھی۔ کوٹھری میں چھوٹا سا لیمپ لب دم تھا کہ اب بجھا کہ تب۔

کچھ سوچ کر میں نے آہستہ سے آواز دی' مگر وہ نہ جاگی تو شانہ ہلایا۔

"کک ..... کون؟" وہ حواس باختہ سی ہو کر اٹھی۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"میں ہوں' ڈرو مت۔" میں نے نرمی کے ساتھ اسے مخاطب کیا۔ "کہا تھا نا میں نے کہ رات کو آؤں گا۔"

اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے کہا۔ "تت ..... تم ہو' میں ..... میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ ..... کہ کہیں کوئی چور نہ گھس آیا ہو۔"

"چھت پر چلو اور کوئی چادر بھی بچھانے کو لے لو۔"

"اس ..... اس وقت چھت پر۔" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"ہاں مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے اور کچھ دکھانا بھی ہے۔"

"کیا ..... کیا دکھاؤ گے؟"

"وہ جو تم نے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔"

"مگر یہ ..... یہ ....." اس نے اپنے خوابیدہ بچے کی طرف اشارہ کیا۔

"اسے یہیں سونے دو۔"

"جاگ گیا تو روئے گا اور پھر شبو مجھے کوسنے لگے گی کہ چین سے سونے بھی نہیں دیتے۔ کوئی ادھر آگیا تو اور مصیبت ہو جائے گی۔ خالی چارپائی دیکھ کر کوئی جانے کیا سوچے۔"

مجھے اس گنوارن کی بحث بازی پر غصہ آگیا۔ "تو پھر ٹھیک ہے' سڑتی رہو اس کوٹھری میں اسی طرح' میں تو چاہتا تھا تمہارے دن پھر جائیں مگر....."

"چل ..... چل رہی ہوں۔" وہ درمیان میں بول اٹھی۔ کون نہیں چاہتا کہ اس کے دن پھر جائیں۔ پھر اسے میں نے تکئے کے نیچے سے ایک ڈبیا نکالتے دیکھا۔ ڈبیا میں افیون تھی جو اس نے بچے کا منہ کھول کر گلے میں تھوڑی سی دبا دی۔ پھر کہنے لگی۔ "اب کوئی فکر کی بات نہیں' یہ سوتا رہے گا۔ سارے گھر کا کام کاج مجھی کو کرنا پڑتا ہے' اس وقت اسے افیم کھلا کر سلا دیتی ہوں۔"

جب وہ میرے ساتھ کوٹھری سے نکل رہی تھی تو لیمپ خود بخود بجھ گیا۔ شاید اس میں برائے نام ہی تیل تھا۔

چھت پر چاندنی رات میں جب خدیجہ نے چاندی کی جھنکار سنی تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ اس کی سات پشتوں میں شاید کسی نے اتنی ساری دولت نہ دیکھی ہو گی۔ میں نے اس موقع سے تھوڑا سا فائدہ اٹھانا چاہا' لیکن آدم زادیاں کتنی ہی "غیں غش" یعنی بے سدھ کیوں نہ ہوں ایسے مواقع پر ایک دم چوکس ہو جاتی ہیں۔

"یہ ..... یہ کیا ..... کیا....." اس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا' نہ دیکھنے کے باوجود صرف محسوس کر کے۔

"کچھ نہیں' تم تو یوں ہی گھبرا گئیں۔"

"تم ..... تم تو کہہ رہے تھے کہ ..... کہ بہت نیک ہو۔"

"یہ بھی تو نیکی ہے۔ تمہارے شوہر کو مرے ایک سال ہو گیا ہے' تم ہی نے تو بتایا تھا۔"

"مجھے ایسی نیکی نہیں چاہئے۔" وہ یقیناً میرا مدعا سمجھ گئی تھی۔ غالباً اسی لئے صاف انکار کر دیا۔

"دولت بھی نہیں چاہئے؟"

"اس کے بدلے بالکل نہیں۔"

پھر میں نے بہت سے آزمودہ حربے آزمائے مگر ناکام رہا۔ ہامہ نے غلط نہیں کہا تھا۔ ہامہ نے بتایا تھا کہ شادی سے قبل وہ شادی کی تقریب میں کسی گاؤں گئی تھی۔ وہیں وہ ایک جھیل میں نہائی اور ہامہ کے ہتھے چڑھ گئی۔ کہاں دیو پیکر ہامہ کہاں وہ مٹیار۔ تبھی سے خدیجہ کے دل میں دہشت بیٹھ گئی۔ قرب اس کے لئے اذیت بن گیا' ناقابل برداشت اذیت۔ شادی کے بعد شوہر سے اس کا جھگڑا ہی رہا ہو گا۔ ماں بھی یقیناً وہ اپنی مرضی یا خوشی سے نہیں بنی ہو گی۔

اس اعتبار سے خدیجہ خوش نصیب ہی تھی کہ شوہر جلد مر گیا۔ پھر دوسری شادی کر کے بھلا وہ کیوں عذاب مول لیتی۔

ہامہ نے اسی لئے مجھ سے کہا تھا کہ خدیجہ کا خیال دل سے نکال دوں۔ دنیا میں بھی ایک سے ایک عجب آدم زادی پڑی ہے۔ بظاہر وہ بالکل صحت مند اور بھرپور تھی مگر اندر سے بیمار تھی۔ ایک ظالم جن ہامہ نے اس پر یہ ظلم کیا تھا کہ فطری تقاضہ پورا کرنا اس کے لئے اذیت ناک بن گیا تھا۔

میں پہلے ہی سے اس کے لئے تیار تھا وہ ایک دفعہ اٹھ کر بھاگی تو میں نے ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔ اس وقت مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ہامہ نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا تھا۔

اس رات مجھے ایک نیا تجربہ ہوا' کسی آدم زادی پر ظلم و زبردستی کا تجربہ۔ اس کا اثر مجھ پر کچھ اچھا مرتب نہیں ہوا۔ وہ بعد میں جب رو رہی تھی تو میں نے اس سے خلوص دل کے ساتھ معافی مانگی۔ وہ سسکیاں لیتے ہوئے کہنے لگی۔ "تم ..... تم بھی اسی ..... اسی ظالم کی طرح ہو جو مر گیا۔"

"اب ایسا کبھی نہیں ہو گا خدیجہ! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ....."

"چپ رہو' بے شرم ..... لے جاؤ اپنی یہ دولت۔"

"دولت کا اس بات سے کیا تعلق؟"

"تم اسی کے بل پر تو مجھے خریدنے آئے تھے۔ تو ..... تو میں بکاؤ مال نہیں ہوں۔ مجھے شوکت سے چھڑا کر تو تم بڑے نیک بن رہے تھے' مگر نکلے بدمعاش۔"

خدیجہ نے مجھے بہت برا بھلا کہا اور میں خاموشی سے سنتا رہا کہ قصوروار تھا۔ میرا ضمیر مجھ پر ملامت کر رہا تھا۔ پھر بڑی مشکل سے وہ روپے لینے پر راضی ہوئی۔ اس کی کوٹھری میں لکڑی کا بڑا سا ایک صندوق تھا جس میں پھٹے پرانے اور کچھ پہننے کے قابل کپڑے تھے۔ میں نے انہی کے نیچے روپے چھپا دیئے۔

"اگر کسی نے پوچھ لیا کہ اتنی دولت کہاں سے آئی پھر؟" اس نے بڑے بھولپن سے پوچھا۔

"ضرورت کیا ہے' کسی کو دولت دکھانے کی۔ تھوڑے تھوڑے روپے نکال کر خرچ کئے جاؤ۔ میں تمہیں اس کی ایک ترکیب سمجھاتا ہوں۔ کل ہی سے اس پر عمل شروع کر دو۔ پھر دیکھنا' سارے گھر پر

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

تمہارا ہی راج ہو گا۔ کیا تمہارے بھائی اور کیا بھابیاں' سب تمہارے ناز اٹھائیں گے۔" پھر میں اسے ترکیب سمجھانے لگا۔

"تم آ تو جاؤ گے نا وقت پر؟" جب میں چلنے لگا تو اس نے پوچھا۔

"ہاں آ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا اور وہاں سے چلا آیا۔

وہ رات بڑی ہی بے مزہ گزری۔ سونے سے پہلے خدیجہ کا مظلوم چہرہ میری آنکھوں میں گھومتا رہا۔ زندگی میں پہلی بار کسی آدم زادی کے قرب پر مجھے انتہائی پشیمانی کا احساس ہوا۔ اسی کے ساتھ مجھے ہامہ پر بھی بہت غصہ آیا جس حرامی نے ایک آدم زادی کی زندگی تباہ کر دی تھی۔ میرے بس میں ہوتا تو اس کے ٹکڑے کر دیتا' مگر اللہ میاں گنجے کو اسی لئے ناخن نہیں دیتا کہ کھجا کھجا کر نہ مر جائے۔ میں یہ سوچتے ہوئے سو گیا کہ جب کل عالم ہاموس سے ملوں گا تو ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ ذکر بھی کر دوں گا۔ کیا خبر اس کا کوئی علاج ممکن ہو۔ اس تلخ واقعے کو بھلانے کی خاطر میں نے نرگس کے حسین سراپا کا تصور کیا۔ پھر مجھے نیند آ گئی۔ میں اسی ویران مکان میں تھا اور یاسف میری آنکھ لگنے سے قبل لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ وہ صبح دم ہی واپس آیا۔ میں اس وقت تک جاگ چکا تھا۔

"اے علیالیش! کیا تُو آج رات زینت کے پاس نہیں گیا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ تُو وہیں جائے گا۔"

"اب جانے کا ارادہ ہے۔"

"دن میں؟"

"ہاں ایک جعلی عامل کی خبر لینا ہے۔" میں نے اسے "اکنی پیر" کے بارے میں بتا دیا۔

"زینت نے کبھی مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔"

"خود زینت اسے جعلی سمجھتی ہے تو تجھ سے کیا ذکر کرتی ..... خیر چھوڑ اس بات کو آج ہاموس کے پاس چلنا ہے' یاد ہے نا تجھے؟"

"دوپہر کو چلیں گے۔ اس وقت تو مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"کیسی نبھ رہی ہے بملا کے ساتھ؟"

"بہت عمدہ ..... بس ذرا سی کٹ کھنی ہے۔" یاسف ہنس کر بولا۔

"تجھے اس نے اپنے پچھلے جنم کا پتی مان لیا کہ نہیں؟"

"پچھلا تو پچھلا' وہ تو اب جنم جنم ساتھ رہنے کو کہہ رہی ہے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے' تُو اچھا جا رہا ہے۔"

پھر میں "عورتوں کی قطار" کا معائنہ کرنے زینت کے گھر جا پہنچا۔ حافظ جی کا نام مجھے "اکنی پیر" اچھا لگا۔ واقعی وہاں صبح ہی سے قطار لگی ہوئی تھی۔ عورتیں ابھی سے صحن میں دھرنا مارے بیٹھی تھیں کہ نمبر جلدی آ جائے۔ بڑھیوں کی اور بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اتنی ساریوں میں مجھے ایک ہی جوان جہان آدم زادی کچھ ٹھیک ٹھاک لگی۔ اس کی بھی ایک حرکت میرے ذوق جمال پر گراں گزری۔ بار بار وہ اپنی ایک

انگلی کو منہ میں لیتی اور چوسنے لگتی۔ بچپن میں انگوٹھا چوستے چوستے جانے کب وہ یہ بھول گئی تھی کہ انگوٹھے کی جگہ انگلی منہ میں نہیں لی جاتی' وہ بھی جوان ہو کر۔ "اکنی پیر" ابھی نہیں آیا تھا مگر اس کے لئے زینت کے کمرے میں چوکی بچھا دی گئی تھی۔ زینت کے والدین اپنے کمرے میں تھے۔

زینت چارپائیاں اٹھا کر دیوار کے سہارے کھڑی کر رہی تھی کہ میں قریب جا کر بولا۔ "ملا رحیم الدین نے تو کوئی نیا حرامی پن نہیں کیا؟"

"ارے!" اس نے چونک کر کہا۔ "میں رات کو تمہارا انتظار کرتی رہی اور تم اب آئے ہو محبوب!"

"میرے محبوب کہو!" میں نے اس کی ٹھوڑی کے گڑھے میں انگلی رکھ دی۔

"اس وقت تو ممکن نہیں کہ....."

"میں آج تم سے نہیں اکنی پیر سے ملنے آیا ہوں' جان محبوب!"

"تم حافظ جی کو اکنی پیر کہہ رہے ہو' نا!" وہ زور سے ہنس پڑی۔

"ہاں۔" میں بھی دھیرے سے ہنس دیا۔ "آج اس کی اکنیاں تمہاری۔"

"کیا مطلب؟" اس نے اپنے بڑے بڑے دیدے گھمائے۔

"ہر مہینے کی آخری جمعرات کو وہ یہاں سے جو مال کما کر لے جاتا ہے' اس میں تمہارا بھی تو حصہ ہونا چاہئے۔ تم لوگوں کو اس نے خواہ مخواہ میں دھرنا رکھا ہے۔"

"چھوڑو بھی ہمارا کیا جاتا ہے' بس دوپہر کو روٹی ہی تو کھلانا پڑتی ہے۔"

"اچھا تو وہ یہاں روٹی بھی کھاتا ہے' سسرا مفت خورہ۔"

اس پر زینت پھر زوردار آواز میں ہنسی۔ باہر صحن میں موجود ایک بڑھیا اس مرتبہ بول ہی اٹھی۔

"ارے بچی! کہیں تجھ پر بھی تو کسی جن کا اثر نہیں ہو گیا۔ بلاوجہ ٹھٹھے لگائے جا رہی ہے۔ ابھی کہتی ہوں تیری ماں سے کہ اسے بھی حاجی جی کو دکھاؤ۔"

عین اسی وقت اکنی پیر کے آنے کا غلغلہ بلند ہوا۔ سب عورتیں' لڑکیاں اور بچے احتراماً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اکنی پیر صورت سے بڑا بھولا دکھائی دیتا تھا۔ سر پر پگڑ بندھا تھا' بھاری جسم پر ڈھیلا کرتہ اور ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنے تھا' آنکھوں میں سرمہ اور ہونٹوں پر پان کا لاکھا جما تھا' ہاتھ میں پان کی ڈبیا' چھالیہ اور تمباکو کا بٹوا نیز ہزاری تسبیح تھی' کاندھے پر بڑا سا رومال پڑا تھا' داڑھی ترشی ہوئی اور خضاب آلودہ تھی' دراز مہندی لگے بال کاندھوں سے نیچے تک آ رہے تھے۔ یہ تھا اکنی پیر۔ وہ چوکی پر جوتے ایک طرف اتار کے بیٹھ گیا اور کاندھے پر موجود رومال دائیں جانب بچھا لیا۔

"زینت بیٹا! تُو باہر جا اور ایک ایک کر کے مریضوں کو اندر بھیجتی جا۔" اکنی پیر نے زینت کو مخاطب کیا۔ "ہاں میری پنسل اور لجسٹر بھی لا دیجیو' اپنی ماں سے۔"

یہ "فرض" زینت کو شاید ہر مہینے انجام دینا پڑتا تھا۔ زینت کمرے سے چلی گئی' مگر میں نہ ٹلا۔

دھندہ ذرا دیر کے بعد شروع ہو گیا۔ پہلی عورت اندر آئی' عمر پچپن سے اوپر ہی لگتی تھی۔ زیادہ تر

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

بال سفید تھے۔

"حجور کا نام سن کے میں بڑی دور سے آئی ہوں۔" عورت چوکی کے نیچے بچھی چادر پر بیٹھتے ہی بولی۔

"اکنی بھی لائی ہے کہ نہیں؟"

عورت نے چادر کے پلو سے اکنی کھول کر آگے بڑھا دی۔ "رومال پر رکھ دے۔ اکنی کھوٹی ہوئی تو تیرا کام نہیں ہو گا' یہ سمجھ لے۔"

"بالکل کھری ہے حجور!" عورت نے یقین دلایا۔

"ہاں بول' کیا مرض ہے تجھے؟"

"کسی جالم نے میری کوکھ باندھ دی ہے۔ آٹھ لڑکیاں ہو چکی ہیں' لڑکا ایک نہیں ہوا۔"

"لڑکا چاہتی ہے تو سات جمعراتوں تک حاضری دینا ہو گی' اکنی ہر مرتبہ لانی ہے۔" اس کا سارا زور اکنی پر تھا۔ گویا اس نے سات مہینے کے لئے عورت کو اپنا گاہک بنا لیا تھا' پھر بولا۔ "تجھے میں اگلی جمعرات کو ایک گنڈا دوں گا' پڑھ کر' اسے ہر وقت کمر سے کس کر باندھے رکھنا ہے۔ گنڈا ڈھیلا ہوا تو عمل بیکار ہو جائے گا۔" اکنی پیر نے پہلے ہی سے اپنی بچت کر لی کہ بعد میں گنڈا ڈھیلا ہو جانے کا بہانہ کر سکے۔

"گنڈا آج ہی دے دیں حجور!" عورت عاجزی سے بولی۔

"یہ گنڈا پڑھنے کا وقت ہے؟ دیکھتی نہیں کہ کتنے حاجت مند باہر بیٹھے ہیں۔ تیری کوکھ میں ایک بدذات جن بیٹھ گیا ہے' اسے نکالنے کے لئے گنڈا پڑھنا پڑے گا۔ تو کیا اسے کوئی کھیل تماشا سمجھ رہی ہے۔ مجھے سات روز تک بعد نماز عشاء اس کے لئے آدھی رات تک کینڈوا کاڑھ کر بیٹھنا پڑے گا۔ مفت میں اکنی نہیں لیتا ہوں۔"

"جھوٹ بول رہا ہے یہ۔" میں ایک دم بول اٹھا۔ "بڑی بی! اب تمہاری عمر نہیں رہی ماں بننے کی۔ یہ اکنی پیر جعلی ہے۔ اس کے ابا جی نے بھی کبھی کوئی جن نہیں نکالا ہو گا۔"

میری آواز سنتے ہی اکنی پیر اچھل پڑا۔ ایسے موقعوں پر عموماً بچھو کے ڈنک مارنے کی مثال دی جاتی ہے مگر میں کوئی بچھو نہیں ایک عدد جن زاد علیالیش ہوں اس لئے ہرگز یہ مثال نہیں دوں گا۔ بڑی بی غش کھا گئیں۔ اچھا خاصا بھڑنگ پھیل گیا۔ ہر طرف یہی پکار تھی' جن آ گیا' جن آ گیا۔

صحن میں جمع عورتیں سر پر پیر رکھنا بھی بھول گئیں اور سر پر پیر رکھے بغیر ہی بھاگ اٹھیں۔ اکنی پیر یوں سبھا سماپت' یعنی محفل کا "دی اینڈ" لگتے دیکھ کر خوفزدہ ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ کبیدہ خاطر اور کچھ اداس بلبل کے مانند چوکی پر ٹھونٹ کا اُلو بنا بیٹھا رہ گیا۔

"اے' میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ اس کمرے میں جنات آتے ہیں۔" زینت کی ماں معصوم النساء کی آواز باہر سے آئی۔

گھر والوں اور اکنی پیر کے سوا سارے پنچھی اڑ گئے۔ وہ بھی چوکی سے اٹھنے والا تھا کہ میں نے اس کے دراز گیسو پکڑ لئے۔ "تو کہاں چل دیا مردود!" میں نے بالوں کو جھٹکا دیا۔

"ہائے مر گیا۔" اکنی پیر چیخا۔

"تو ابھی سے کیسے مر جائے گا حرام خور۔ تجھے تو ابھی اور بہت سے غریبوں کو لوٹنا ہے۔" میں نے یہ کہتے ہی اس کی پگڑی اتار لی۔

"اری او زینت! یہ تو کدھر چلی۔ اندر حاجی جی سے جن کا مقابلہ ہو رہا ہے' کہیں وہ جن تجھ پر نہ چڑھ جائے۔"

"میں نہیں ڈرتی اماں! کسی جن ون سے۔ میں تو ان بڑی بی کو اٹھانے جا رہی ہوں جو اندر بے ہوش پڑی ہیں۔" زینت کی آواز سنائی دی۔

پھر زینت کا باپ وحید بھی اسے آوازیں دیتا رہ گیا۔ مگر وہ نہیں رکی۔ اسے بھلا مجھ سے ڈرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ جب تک زینت کمرے میں داخل ہوئی میں اس اکنی پیر کو تگی بنا چکا تھا' یعنی اس کی پگڑی سے اس کے ہاتھ پیر باندھ کر زمین پر ڈال دیا تھا۔

"ارے ماموں! یہ آپ کو کس نے باندھ دیا؟" زینت کے حسین ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی تھی۔

"کک ..... کھول ..... بٹی مجھے کھول دے ..... لگ ..... لگتا ہے میرا وظیفہ الٹا ہو گیا ہے۔" اکنی پیر نے اپنی درگت بننے کا جواز پیش کیا۔

"بالکل نہیں' جب تک تو اس دھندے سے توبہ نہیں کرے گا' تجھے میں باندھ کے رکھوں گا۔ حرام کی کمائی کھا کھا کر تیرے جسم پر کتنا بدگوشت چڑھ گیا ہے۔ ابھی تو میں تجھے الٹا ٹانگوں کا بیٹے! تیرے باپ نے بھی کبھی کوئی وظیفہ پڑھا ہے۔ اَن پڑھ عورتوں کو اُلو بنا کے ان سے اکنیاں لیتا ہے خبیث۔"

اکنی پیر واقعی جعلی نکلا۔ اس نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ قرآنی آیات کسے یاد نہیں ہوتیں مگر جو حرام کھاتا ہے' اس کے پڑھنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

زینت نے میری آواز سے اندازہ لگا کر کہ میں کہاں ہوں' قریب آ کے سرگوشی کی۔ "اتنا بہت ہے' ماموں کو چھوڑ دو۔"

"اسے توبہ کر لینے دو' چھوڑ دوں گا۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

زینت کے ہاتھ میں پانی بھرا کٹورا تھا' اس نے بے ہوش بڑی بی کے منہ پر چھینٹے مارے۔ بڑی بی کو ہوش آ گیا تو وہ بھی اٹھ کے بھاگ لی۔

"نہیں ..... اب کسی کو دھوکا نہیں دوں گا۔" کولہے پر لات پڑتے ہی اکنی پیر چیخا۔

"بول تو نرا جاہل ہے کہ عامل؟"

"جاہل ..... میں بالکل جاہل ہوں۔" اکنی پیر نے اپنی جہالت کا اعتراف کر لیا۔ "مجھے کچھ ..... کچھ نہیں آتا۔ مم ..... میں عامل نہیں ہوں۔"

حسب وعدہ میں نے اس کے ہاتھ پیر کھولتے ہوئے دھمکی دی۔ "اب اگر میں نے کہیں تجھے یہ سوانگ بھرتے دیکھ لیا تو سالے زندہ گاڑ دوں گا' کسی قبرستان میں لے جا کر۔"

کھلتے ہی اکنی پیر ریس لگا گیا۔ وہ ننگے پیر اور ننگے سر ہی دوڑ لیا تھا۔ اس پر زینت کی ہنسی چھوٹ

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

گئی۔

"اے لو' اب وہ جن' زینت پر چڑھ گیا..... دیکھ رہے ہو' کس طرح پاگلوں کی طرح اس کے ہنسنے کی آواز آ رہی ہے۔" معصوم النساء شاید اپنے شوہر سے مخاطب تھی۔

"میں اب چلا..... اور اب یہ ہنسنا بند کرو۔ تمہاری اماں دن دیہاڑے مجھ پر بڑے نازیبا الزامات لگا رہی ہیں۔" میں دھیمی آواز میں بولا۔

"رات کو تو آؤ گے نا؟" زینت نے دھیرے سے پوچھا اور نظریں نیچی کر لیں۔

"دیکھا جائے گا' موقع ملا تو ضرور آؤں گا۔" میں یہ کہتے ہی وہاں سے چل دیا۔

خلاف توقع اکنی پیر کی محفل جلد اجڑ گئی تھی اس لئے جب میں ویران مکان میں پہنچا تو یاسف محو خواب ہی تھا۔ کچھ دیر کو میں بھی سو گیا۔

دوپہر کے وقت یاسف کو ساتھ لے کر میں شہر سے نکلا اور جلد ہی ہاموس کی ویران حویلی میں پہنچ گیا۔ اس وقت ہاموس ظہر کی نماز پڑھنے کھڑا ہو چکا تھا۔

"سنو! مجھے اکیلے میں تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" بہت ہی دھیمی سرگوشی میں نے سنی۔ آواز غیر انسانی ہی تھی اور میرے لئے قطعی اجنبی۔ وہ کوئی جنیہ ہی تھی۔ یاسف مجھ سے ذرا فاصلے پر تھا۔ دھیمی آواز میں مجھے پھر مخاطب کیا گیا۔ "جس جگہ تم حویلی میں رہتے تھے' وہیں آ جاؤ۔"

"یاسف! اتنے میں ہاموس نماز پڑھے' میں ابھی آیا۔" میں نے کہا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

"اسی حویلی میں' کہیں اور نہیں' تم بیٹھو۔" یہ کہتے ہی میں رکا نہیں اور دوسرے ہی لمحے حویلی کے شکستہ کمرے میں پہنچ گیا۔

کم ہی کوئی جنیہ اتنی حسین ہو گی جتنی وہ تھی۔ اس کے حسن کی تپش میں نے واضح طور پر محسوس کی۔

"اے علیالیش' اے میری جان! تُو نے مجھے ہوش و حواس کھونے پر مجبور کر دیا ہے۔" پہلی ہی ملاقات میں اس نے اظہار عشق کر دیا۔ جن زادیاں عموماً آدم زادیوں کی طرح بے جا تکلفات میں وقت ضائع نہیں کرتیں۔ وہ "ڈائریکٹ ایکشن" کی قائل ہوتی ہیں۔

"مگر تُو ہے کون؟ پہلے کبھی تجھے دیکھا نہیں۔"

"میں' ہاموس کی بیٹی وازعہ ہوں۔" اس نے اپنا تعارف کراتے مجھ سے "فری" ہونے کا آغاز کر دیا اور بولی۔ "میرا باپ مجھے باہر نہیں نکلنے دیتا حالانکہ میری عمر دو سو سال ہو چکی ہے اور میں اب کوئی بچی نہیں ہوں۔" وازعہ مجھ سے مزید قریب ہو گئی۔

"پھر تو مجھ سے بھی پچاس برس بڑی ہوئی تُو! میرا تیرا جوڑ کیسے بیٹھے گا اے وزاعہ!"

"سو پچاس سال سے کوئی ایسا خاص فرق نہیں پڑتا۔ تُو پہلا جن زاد ہے کہ جسے میں نے اپنے قریب کیا ہے۔"

"وہ تو خیر ٹھیک کہتی ہو تم مگر مجھے ہاموس سے ڈر لگتا ہے۔"

"تو ہم یہاں سے کہیں بھاگ چلیں گے۔" وہ مجھے کسی آدم زادی کی طرح ترغیب گناہ دینے لگی۔

"تُو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ جب تُو ہماری حویلی میں تھا تو میں تجھے رات کو چھپ چھپ کر دیکھتی تھی۔" پھر اس نے ایک اور تجویز رکھی کہ مجھے زنجیر کر سکے۔ "تُو میرے باپ سے بات کر کہ مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔"

"اور اگر اس نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تجھے کب اور کہاں دیکھا' پھر؟" میں بولا۔ "اسے شک ہو جائے گا کہ جب میں یہاں رہا تھا تو تجھے ورغلا لیا ہو گا۔ ہرچند کہ معاملہ الٹ ہے۔"

"اب جو بھی ہو۔" وہ بہت جلدی میں تھی کہ کسی طرح فی الفور بات بن جائے' شاید اسی لئے حجابات کے پردے جلدی جلدی اٹھانے لگی۔

میں بھی جذبات کی لہر میں بہنے والا تھا کہ یاسف کی آواز سنائی دی۔ "ہاموس آخری رکعت پڑھ رہا ہے اے علیالیش!"

خطرے کی گھنٹی آخر بج ہی گئی۔ وازعہ سٹپٹا کر میری آغوش سے نکلی اور غائب ہو گئی۔ یاسف کے لئے میری تلاش کوئی مشکل نہیں تھی۔ میرے جسم کی مخصوص خوشبو سے وہ مجھ تک پہنچ گیا تھا' بس اتنی شرافت برتی تھی کہ سامنے نہیں آیا اور دور ہی سے آواز دے لی۔

"اے علیالیش تُو کیوں اپنی موت کو دعوت دے رہا ہے؟" وہ مجھے سمجھانے لگا۔ "میرے دوست! ہاموس سے ٹکر نہ لے۔"

"تو کون لے رہا ہے ٹکر۔ تجھے تو خبر ہے' جن زادیاں ایک چھوڑ دونوں آنکھوں نہیں بھاتیں۔" میں نے اپنی صفائی پیش کی۔ "یوں بھی ہاموس یاد الٰہی میں غرق ہو گا' اسے تو ہوا بھی نہیں لگی ہو گی۔"

"مگر ہوا لگتے دیر کتنی لگتی ہے..... اچھا چھوڑ' اس پر بھی بات کریں گے۔"

ہم دونوں پھر اسی جگہ آ بیٹھے کہ جہاں ہاموس تھا۔ اس نے سلام پھیرا ہی تھا کہ ہم پہنچ گئے۔ دعا مانگ کر اس نے سوالیہ نظروں سے ہماری طرف دیکھا اور بولا۔ "اے علیالیش! کہیں پھر تو کسی آدم زاد نے تیرے لئے عمل شروع نہیں کر دیا؟"

"نہیں اے ہاموس! ہم تجھ سے کچھ اور جاننے آئے ہیں کہ تُو صاحب علم ہے۔" میں نے ہی بات شروع کی۔ "یہ بتا کہ کسی گھر کو کیل دینے کا مطلب کیا ہے؟"

"تجھے یہ جاننے کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟ کہیں تُو بغیر اجازت کسی آدم زاد کے گھر میں تو گھسنا نہیں چاہتا؟"

"دراصل معاملہ اس کا نہیں میرا ہے۔" یاسف بول اٹھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ ہی بولا۔ "میں ایک ویران مکان میں مقیم تھا۔ مالک مکان اسے گرا کر دوبارہ بنوانے کی غرض سے وہاں آیا تو اپنا ٹھکانا بچانے کی خاطر میں نے اس کو ڈرا کے بھگا دیا۔ کل وہ ایک مولوی کو لے آیا جو کہنے لگا کہ میں اس مکان کو کیل دوں گا تو پھر کوئی جن یہاں داخل نہیں ہو گا۔ تبھی سے مجھے فکر لگی ہے کہ جانے کیا ہو۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"وہ مکان ہے کہاں؟"

"شہر میں۔" مجبوراً یاسف کو بتانا پڑا۔

"پھر تو فوراً تُو اسے خالی کر دے۔ ہرچند کہ کسی ویران یا غیر آباد جگہ جنات کو رہنے کی ممانعت نہیں لیکن مکان کو اگر صاحب مکان آباد کرنا چاہے تو یہ اسے جائز ہے۔ وہ مکان اس آدم زاد کی ملکیت ہے تیری نہیں۔ اوّل تو تجھے شہر میں رہنے سے گریز ہی کرنا تھا۔ کیا ضرورت ہے بلا سبب خطرے میں رہنے کی۔ ویرانے ہمارے لئے کم تو نہیں۔"

"تیرا مشورہ صائب ہے اے ہاموس!" یاسف نے بلا جھجک اقرار کر لیا۔ "اب میں اس مکان کا رخ نہیں کروں گا لیکن یہ تو بتا دے کہ کیلنا ہے کیا؟ آئندہ محتاط رہا جا سکے۔"

"مکان کے چاروں کونوں میں تعویذ لکھ کر گاڑ دیئے جاتے ہیں' کیلنے کا ایک عام طریقہ تو یہ ہے۔" ہاموس بتانے لگا۔ "کیلنے کے لئے دوسرے عمل بھی ہیں' ان کا انحصار اس پر ہے کہ عامل کس درجے کا ہے۔ دوسرا طریقہ آہنی کیلیں پڑھ کر چاروں سمت گاڑنے کا ہے' یہ بھی عام ہے اور اسی سے کیل دینا بنا ہے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اور بہت سے طریقے ہیں۔ کیلے گئے مکان میں اگر جنات داخل ہونے کی کوشش کریں تو ضرر پہنچنے کی کئی صورتیں ہیں۔ ان میں سب سے خطرناک جان کا زیاں ہے' یعنی جیسے ہی کوئی جن اس گھر میں داخل ہو' جل کر مر جائے۔ مکان کو کیلتے وقت ہی عامل ایسا عمل کرتا ہے۔ یہ عمل ہر آدم زاد کے بس کا نہیں۔ ہزاروں لاکھوں میں کوئی ایک آدم زاد یہ عمل کرنے پر قادر ہوتا ہے' کوئی ایسا کہ جس کی تہجد بھی قضا نہ ہو۔ کم تر صورت یہ ہے' کیلنے والے گھر میں داخلے کے وقت جنات کو اس قدر شدید جھٹکا لگے کہ وہ زخمی ہو جائیں اور اس جگہ سے دور جا گریں۔ پھر خاصے عرصے کے لئے ان کی جناتی صفات چھن جاتی ہیں۔ بعض عامل' جنات کو گرفتار کرنے کے لئے اس گھر یا مقام کو پھندا بنا دیتے ہیں۔ جیسے ہی کوئی جن اس گھر یا مقام کے اندر پہنچتا ہے' پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ اس کے بعد....." پھر ہاموس وہی سب کچھ بیان کرنے لگا جس کا مجھے عملی تجربہ ہو چکا تھا۔ آخر میں اس نے کہا۔

"کسی مقام کو کیلے جاتے وقت مدت بھی مقرر کرنا ضروری ہے جو ایک دن سے ایک برس تک ہو سکتی ہے۔ مدت ختم ہونے پر اس مکان کو دوبارہ کیلنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر عامل کسی سبب اسے لازمی نہ جانے' یعنی مدت ختم ہونے پر دوبارہ مکان کو نہ کیلے تو پھر اثر ختم ہو جاتا ہے۔"

"اس کا کوئی توڑ بھی ہے اے ہاموس!" میں نے ہاموس کے چپ ہوتے ہی سوال کر دیا۔

"ہر عمل کا توڑ ہوتا ہے لیکن تجھے جاننے کی کیا حاجت ہے؟" ہاموس نے مجھے گھورا۔

"عالم ہی اگر ہمیں علم سے بے بہرہ رکھیں گے تو پھر ہم کیسے اپنے دشمن آدم زادوں سے بچیں گے۔"

"لیکن تُو دشمنی مول ہی کیوں لے؟"

"نیک و بد تو آدم زادوں میں بھی ہیں اے ہاموس!" اس مرتبہ یاسف بولا۔ "اگر کوئی آدم زاد بلاوجہ ہمارا دشمن بن جائے تو ہم کس طرح اس سے اپنا بچاؤ کریں؟"

"بلاشبہ آدم زاد برے بھی ہیں' راہِ راست سے بھٹکے ہوئے۔ مگر یہ معاملہ اور ہے۔ اس میں تو خود آدم زاد' جنات سے بچنے کی تدبیر کرتے ہیں۔ کسی مکان کو کیل دینے کا مطلب یہی ہوا کہ وہاں جنات داخل نہ ہو سکیں۔ کیا تُو آدم زادوں سے ان کا یہ حق چھین لینا چاہتا ہے؟ گویا تیرا مقصد یہ ہے کہ تُو زبردستی کسی آدم زاد کے گھر میں داخل ہو جائے۔"

"نہیں اے ہاموس! ہمارا یہ مقصد نہ تھا۔ ہم بھلا کیوں کسی آدم زاد کے گھر میں بہ جبر داخل ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"پھر عمل کا توڑ کیوں پوچھ رہا تھا؟"

"صرف اپنے علم کی خاطر۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر تجھے علم حاصل کرنے کا ایسا ہی شوق ہے تو سب سے پہلے علم القرآن حاصل کر کہ اس سے بڑا علم کوئی اور نہیں۔"

"بے شک۔" میں نے فوراً کہہ دیا کہ ابھی ہاموس سے مجھے کچھ اور بھی پوچھنا تھا' سو بولا۔ "آدم زادوں کے علاوہ بھی تو جنات کی کچھ قسمیں بڑی سرکش اور قوی ہیں جو ہمیں ستاتی ہیں۔ اے ہاموس! کیا تُو ہمیں ان سے بچنے کی تدابیر بھی تعلیم نہیں کرے گا؟ مثلاً غواصوں کہ جو پانی میں رہتے ہیں۔ کل شام مجھے پانی میں رہنے والے ایک قوی جن زاد نے بہت ستایا۔ اس ظالم نے تو ایک آدم زادی کو بھی زندہ درگور کر دیا ہے۔ کیا خلق خدا کو کسی عذاب سے نجات دلا دینا بھی ممکن نہیں؟"

"میں سمجھ گیا کہ وہ آدم زادی کس اذیت میں گرفتار ہو گی لیکن تجھے اس پر اتنا رحم کیوں آ رہا ہے' تیرا اس سے کیا تعلق ہے اے علیالیش!"

"وہ ایک غریب اور مجبور بیوہ ہے' ستم رسیدہ ہے۔ اگر وہ اذیت سے نجات پا جائے تو اس کا گھر بس جائے' اس کے دو سالہ بیٹے کا مستقبل بھی سنور جائے۔" میرا لہجہ پُرتاثر تھا۔

"ہاں یہ نیکی ہو گی۔" ہاموس آخر میری باتوں میں آ ہی گیا۔ "لیکن اگر تُو اس آدم زادی کے ساتھ یہ نیکی کرنا ہی چاہتا ہے تو اس کے لئے تجھے کچھ ایثار کرنا ہو گا۔"

پھر ہاموس نے مجھے ایک عمل تعلیم کیا۔ مقررہ وقت پر مجھے سات راتوں تک یہ عمل کرنا تھا۔ اس عمل کے دوران خدیجہ کی موجودگی اور رضامندی ضروری تھی ورنہ عمل بیکار تھا۔

میں نے سوچا' چلو ایک کام تو بنا۔ دوسرے کام بنانے کی صورت بھی خود بخود پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے لئے مجھے ہاموس کی بیٹی دازعہ کو شیشے میں اتارنا پڑتا جو آدھی سے زیادہ تو خود ہی شیشے میں اتر گئی تھی۔ اس کے ذریعے مولوی کفایت اللہ جیسے حرام الدہر کے عمل کا توڑ معلوم کیا جا سکتا تھا۔ ہاموس اپنی بیٹی کو شاید عمل کا توڑ بتا دیتا۔ نماز کے اوقات میں دازعہ سے ملاقاتیں ممکن تھیں۔ اس کے لئے دازعہ کو "رشوت" بھی دینا پڑتی تو میں راضی تھا۔ وہ بہرحال تھی تو خوبصورت' خواہ جن زادی ہی سہی۔

"اچھا اے ہاموس! اب ہم چلتے ہیں' پھر کسی دن حاضر خدمت ہوں گے کہ تیری صحبت میں دل کو بڑا سکون ملتا ہے۔" میں نے ہاموس کو اُلو بنانے کی غرض سے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

کسی عالم کو اُلو بنانا آسان نہیں ہوتا سو ہاموس بھی اس پر راضی نہ ہوا' ظالم کہنے لگا۔ "نماز پڑھا کر' یادِ الٰہی کے سوا کہیں اور سکون ممکن نہیں۔"

لعنت ہو تجھ پر' میں نے سوچا۔ کبھی تو نصیحتوں سے جان بخش دیا کر۔ پھر میں بولا۔ "تُو نے حق بات کہی اے ہاموس! لیکن میں نے ایک وعظ کہنے والے سے سنا تھا کہ کسی عالم کی صحبت نماز سے بہتر ہے۔" میں نے واقعی عالم جنات کے ایک جن زاد کو یہ کہتے سنا تھا ورنہ میں کہاں اور محفل وعظ کہاں۔

"شرط عالم کی ہے اے علیالیش! اور میں بھلا کہاں کا عالم ہوں۔ یوں ہی مجھے عالم مشہور کر دیا گیا ہے۔"

"ایک عالم کی یہی تو پہچان ہے کہ وہ کبھی عالم ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔" میں نے بھی ہار نہ مانی اور پھر یاسف کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔

میرا دل بھائی دروازے جانے کے لئے بہت مچل رہا تھا کہ نرگس کا دیدار کر لوں مگر یاسف نے مجھے سمجھایا' کچھ دن تو ادھر نہ جاؤں تاکہ مولوی مطمئن ہو جائے۔ اس کے علاوہ یہ خطرہ بھی تھا کہ پہلے کی طرح کہیں مولوی کے ہتھے نہ چڑھ جاؤں۔ یہ بھی تو معلوم نہیں تھا کہ مولوی نے اپنی حویلی کو کتنے دن کے لئے کیلا تھا۔ میں نے بہرحال یاسف کی بات مان ہی لی۔ نرگس کے فراق کی کسر دوسری آدم زادیوں کے وصال سے پوری ہو جاتی۔ چاہے وقتی طور ہی پر سہی جی تو بہل ہی جاتا۔ ہاموس نے مجھے عمل تعلیم کیا تھا' اس کے ذریعے خدیجہ بھی راہ پر لگ جاتی۔ پھر زینت بھی تھی۔ چڑی اور دو دو والی بات تھی۔ عصر کے وقت میں نے خدیجہ کے گھر کی راہ لی کہ اس سے یہی وعدہ کیا تھا۔ یاسف شہر کا پھیرا لگانے گیا تھا کہ نئے شکار کو تاک سکے۔

میری بتائی ہوئی تدبیر کے مطابق خدیجہ گھر کے آنگن میں چادر بچھائے گویا عالم وجد و کیف میں جھومے جا رہی تھی۔ اس کی تینوں بھابیاں یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔ شبو' یعنی خدیجہ کی چھوٹی بھابی کو میں نے پہلی بار دیکھا' نہ دیکھتا تو افسوس ہوتا کہ وہ دیکھنے ہی کی چیز تھی۔ بونا سا قد' اکہرا بدن' چھوٹی سی خوبصورت ستواں ناک' آنکھیں بڑی اور باتیں کرتی' رنگ سانولا تھا مگر چہرے پر خاصا نمک تھا۔ اس غنچہ دہن کو دیکھ کر کوئی یہ نہ کہتا کہ گنوں سے بھری ہو گی۔ اس بالی عمریا میں اس نے ایک عدد عاشق' وہ بھی گینڈے جیسا اور ایک شوہر پال رکھا تھا۔ کچھ بھولی صورتیں بھی دھوکا دیتی ہیں۔ اس کے باوجود خدیجہ کی بات ہی اور تھی۔ ایک بچے کی ماں بن کر بھی اس کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔ جنات عموماً بچے والیوں کو پسند نہیں کرتے۔ پہلے میں بھی ایسا ہی تھا مگر خدیجہ نے جیسے میرے ذوق جمال میں خود بخود اپنے لئے گنجائش پیدا کر لی تھی۔ اس میں بس ایک ہی خرابی تھی جسے دور کرنا اب ممکن ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ عام حالات میں شبو جیسی لڑکی کے قریب جانا میں ناپسند کرتا مگر اس نے خدیجہ کے ساتھ بڑا ظلم کیا تھا۔ اس کی سزا تو اسے ملنا ہی چاہئے تھی۔ سو میں نے سوچ لیا کہ اس پھول کی خوشبو کو بھی اسیر ضرور کروں گا۔

"آج اس نے کوئی نیا چکر چلایا ہے۔ اپنے بھائیوں کو ہماری طرف سے بدگمان کرنے کے لئے شاید کوئی عمل کر رہی ہے۔" شبو نے جٹھانیوں کو ہشکایا۔

"حق ہُو ..... حق ہُو۔" خدیجہ نے نعرہ لگایا' پھر زور سے بولی۔ "اے جنات کے سردار! حاضر ہو جا۔"

"میں آ گیا ہوں اے خدیجہ! بول تجھے کیا چاہئے؟" میں نے زور سے کہا۔ خدیجہ کی تینوں بھابیوں کے چہرے میری غیر انسانی آواز سن کر فق پڑ گئے۔

"دولت چاہئے مجھے دولت۔" خدیجہ چیخی۔ "میں نے اسی لئے تجھے قابو میں کیا ہے۔ جا اور میرے لئے چاندی کے کھنکناتے روپے لے کر آ کہ میں کسی پر بوجھ بن کے اس گھر میں نہ رہوں۔ تُو میرا حکم سن رہا ہے نا؟"

"ہاں اے خدیجہ! سن رہا ہوں۔" میں پھر بولا۔ "میں تیرے لئے دولت کے ڈھیر لگا دوں گا' مگر اس دولت پر صرف تجھے اختیار ہو گا۔ کسی اور نے اس پر قبضہ کرنا چاہا تو میں اسے مار ڈالوں گا۔ تُو خود اپنے ہاتھ سے کسی کو کچھ دے گی تو مجھے اعتراض نہ ہو گا۔ انتظار کر کہ میں ابھی آتا ہوں۔"

پھر میں نے دانستہ اتنی دیر لگا دی کہ خدیجہ کے تینوں بھائی بھی گھر آ گئے۔ پہلے تو خدیجہ کی حالت دیکھ کر انہوں نے یہی تبصرہ کیا کہ "کھسک" گئی ہے' پھر جب ان کی بیویوں نے ایک غیر انسانی آواز سنی اور گویا "سردار جن" سے خدیجہ کی گفتگو کا ذکر سنا تو "چکر گھنی" بن گئے۔

میں اندر کوٹھری میں گیا اور لکڑی کا صندوق کھول کر تقریباً نصف روپے نکال لئے۔ انہیں میں نے ایک چادر میں باندھا اور باہر آ گیا۔

"اے خدیجہ! میں نے تیرے حکم کی تعمیل کر دی ہے' مگر میری شرط نہ بھولیو۔ ورنہ اس گھر میں میرے ہاتھوں کسی کا خون ہو جائے گا۔" میں نے شرط دہرائی۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ان روپوں کو اس کے بھائی یا بھابیاں نہ ہتھیا لیں۔ اس کے بعد میں بولا۔ "تجھے مزید دولت کی طلب ہو تو میں تیرے حکم پر پھر حاضر ہو جاؤں گا۔"

اس کے بعد میں نے چادر سے چاندی کے روپے خدیجہ کے سامنے گرانا شروع کر دیئے۔

"اور کہ بس؟" روپے ختم ہونے لگے تو میں نے سوال کیا۔

خدیجہ میرا اشارہ سمجھ گئی اور بولی۔ "بس کر اور اب تُو جا۔"

چاندی کے روپوں کا ڈھیر خدیجہ کے سامنے لگ گیا۔ چادر بھی میں نے قریب ہی پھینک دی۔ خدیجہ کے بھائی اور بھابیاں ہونق سے بنے روپوں کو دیکھے جا رہے تھے۔

مجھے اب وہاں مزید رکنے کی ضرورت نہیں تھی کہ خدیجہ سے جو کہنا تھا' اس کے لئے رات کا وقت ضروری تھا۔ ہاموس نے جو عمل بتایا تھا' وہ خدیجہ کی رضامندی کے بغیر ناممکن تھا۔

☆======☆======☆

اسی روز عشاء کی نماز کا وقت ہوتے ہی میں نے ہاموس کی ویران حویلی کا رخ کیا اور اردگرد منڈلانے لگا تاکہ مجھ پر دازعہ کی نظر پڑ جائے۔ ہاموس کو میں نے دور سے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتے دیکھا تو کچھ امید بندھی۔ پھر مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہو ہی گئی۔ کہتے ہیں کہ بھگت کے پیٹ سے ولی

aazzamm@yahoo.com
aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اور دل کے پیٹ سے بھوت بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ وازعہ کا کیس بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ باپ عالم اور بیٹی کے یہ لچھن۔ آدم زادوں میں گھیرا گھاری عموماً مردوں کی طرف سے ہوتی ہے مگر جنات میں ہر دو اصناف کا پلہ برابر ہے' نہ یہ کم نہ وہ کم۔ چل برابر رکھا برابر۔ کچھ آدم زادیوں کو بھی برابری کا شوق ہوتا ہے اور اس شوق میں نہ گھر کی رہتی ہیں' نہ گھاٹ کی۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینا عادت بن جاتی ہے اور بمشکل تھان سے بندھنے پر راضی ہوتی ہیں۔ ہاں کافر آدم زادیوں کو اور ہی شوق ہے۔ وہ عاشق بننا پسند کرتی ہیں۔ اپنے اپنے شوق کی بات ہے۔ میں بھلا اعتراض کرنے والا کون۔ کچھ بولوں گا تو بولیں کہ اے نوج' یہ تو ویسے بھی جن زاد ہے' کوئی اس کی باتوں میں نہ آئے۔ انہیں کیا خبر کہ باتیں بنا بنا کر ہی تو اب تک میں عیش اڑاتا آیا ہوں۔ آدم زادیاں تو خیر کس شمار قطار میں ہیں' میں تو بنات جنہ کو بھی تو بولے بنا کر اڑنے سے پہلے گرفتار کر لیتا تھا۔ وازعہ بھی ایک ایسی ہی جن زادی تھی کہ جسے میں باتوں باتوں میں راہ پر لگانے آیا تھا۔

"تیری ہمت کی داد دینا پڑتی ہے اے علیالیش!" وازعہ نے آتے ہی مجھے بانس پر چڑھایا کہ میں آئندہ بھی اسی طرح آتا جاتا رہوں۔ "چل اس حویلی سے کہیں باہر چلتے ہیں۔"

میں تو راضی ہونے آیا ہی تھا سو راضی ہو گیا۔ وہ مجھے دور ایک گھنے برگد کے پیڑ پر لے آئی۔ شاخیں گویا ہم دونوں کا بستر تھیں۔

"تجھ سے ایک بہت ضروری کام تھا مجھے اے وازعہ!" میں پہلے ہی شروع ہو گیا کہ وہ کہیں موقع ملتے ہی بے تکلفی پر نہ اتر آئے۔

"بول کیا کام ہے؟" وہ صدقے واری ہونے لگی۔

میں نے کام بتایا تو سٹپٹا گئی۔ کچھ زیادہ ہی اسے باپ کا خوف تھا۔

"مجھے تو یہ گمان تھا کہ اس نے تجھے بھی علم دریاؤ بنا دیا ہو گا۔" میں اسے چپ دیکھ کر بولا۔ یوں ہی میں نے یہ بات کہہ دی تھی لیکن اندھیرے میں چلایا ہوا تیر نشانے پر بیٹھ گیا۔

"لیکن اس دریا میں کسی کو ہاتھ دھونے کی اجازت اس نے نہیں دی۔ مجھے اس نے علم تو سارے سکھائے ہیں مگر ساتھ ہی عہد بھی لے لیا ہے کہ ان علوم کو صرف اپنی حفاظت کے لئے استعمال کروں۔ وہ کہتا ہے کہ علم ایک ایسی تلوار ہے جس سے اپنا گلا بھی کاٹا جا سکتا ہے اور حفاظت بھی کی جا سکتی ہے۔"

وازعہ کی بات سن کر میں چونکنے کی بجائے اچھل پڑا کیونکہ یہ صرف چونکنے کا محل نہیں تھا۔ وہ خود ہی "علم دریاؤ" نکل آئے گی' مجھے گمان تک نہ تھا۔ مسئلہ صرف اس عہد کا تھا کہ جو وازعہ نے اپنے باپ سے کر رکھا تھا۔ گویا منزل قریب آ گئی تھی۔

"تجھے آخر کسی کیلے گئے مکان میں گھسنے کی ضرورت ہی کیا پڑ گئی؟" وازعہ ذرا توقف کے بعد پوچھنے لگی۔

فوری طور پر مجھے اس کردیا کرادی کا جواب نہ سوجھا۔ کوئی دل گداز قسم کی اسٹوری سنائے بغیر کام چلنے والا نہیں تھا جو میرے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔

"یہ کسی آدم زادی کا چکر تو نہیں؟" اس نے دریافت کیا۔ بڑی ہی کائیاں تھی کہ کچھ کہے سنے بغیر ہی بات کی تہہ تک پہنچ گئی۔

مجبوراً مجھے ہامی بھرنا پڑی اور اسی لمحے ذہن میں اسٹوری وارد ہو گئی' سو بولا۔ "ایک آدم زادی سے مجھے اپنی ذلت و رسوائی کا انتقام لینا ہے لیکن اس کے ظالم باپ نے اپنے گھر کو کیل دیا ہے۔" میں نے اس لئے بھی ایسی اسٹوری سنانا شروع کی کہ وازعہ کا جذبہ رقابت نہ جاگ اٹھے۔

"ہوا کیا تھا؟" اس نے تفصیل جاننا چاہی۔

"میں اور میرا دوست یاسف ایک دن بس یونہی تفریحاً اس حویلی میں گھس گئے۔ یاسف کچھ شریر ہے۔ اس نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اسی وقت آدم زادی کا مولوی ابا آ گیا۔ پھر یاسف تو بھاگ گیا' مجھے مولوی نے پھانس لیا۔ غصہ مجھے اس بات پر آیا کہ آدم زادی نے سارا الزام مجھ پر لگا دیا۔ جھوٹ اتنی تھی کہ جو نہیں ہوا' وہ تک باپ سے کہہ دیا۔ بڑی مار پڑی مجھ پر۔ آدم زادی مجھے چڑانے کے لئے دور کھڑی مسکراتی رہی۔ تیری ہی طرح وہ بھی ایک عالم آدم زاد کی بیٹی ہے' فرق صرف یہ ہے کہ تُو شریف اور وہ کُتی ہے۔ دوسری مرتبہ جب میں اپنے دل کا غبار نکالنے اور اس بدبخت آدم زادی کو الٹا لٹکانے پہنچا تو مجھے ہی الٹا لٹکا دیا گیا۔ مولوی نے حویلی کو کیل رکھا تھا۔ پھر مجھے ذلیل و رسوا ہوتا پڑا اور اس مرتبہ تو جان پر بن گئی۔ مولوی کی بیوی نے بڑی مشکل سے میری زندگی بچائی ورنہ تو مولوی مجھے اپنی بیٹی کی شہ پر مارے ہی ڈال رہا تھا۔"

"تو یہ قصہ ہے۔" وازعہ بولی۔ "چھوڑ لعنت پڑھ اس آدم زادی پر۔"

"لعنت پڑھنا اتنا ہی آسان ہوتا تو کب کا پڑھ چکا ہوتا۔"

"تو پھر دوسری ایک اور بھی صورت ہے۔ مجھے بتا' وہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے' میں آج ہی رات کسی وقت جا کر اس کی گردن دبا آتی ہوں۔ مجھے ایسا عمل آتا ہے کہ کیل دیئے جانے والے مکان میں داخل ہو سکوں۔ بہتر یہ رہے گا کہ رات کو زوال کے بعد تُو خود مجھے وہاں ساتھ لے چل' کام ہی کتنی دیر کا ہے۔" وازعہ نے اپنی دانست میں میرا مسئلہ حل کر دیا۔

واہ ری جن زادی! تجھے ایک میں ہی ملا ہوں بے وقوف بنانے کو۔ جس شاخ پر آشیانہ بنانے کی آرزو ہے' تیرے ہاتھوں سے کٹوا دوں۔ میں نے سوچا اور انکار کر دیا۔ میں نے کہا۔ "اس طرح مجھے قرار نہیں آئے گا۔ میں خود اس سے انتقام لوں گا۔"

"اچھا یہ بات پھر کبھی کر لیں گے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ کہیں میرا باپ نماز پڑھ کے کسی کام سے مجھے آواز نہ دے لے۔" وہ قبل از وقت رشوت طلب کرنے لگی۔

کبھی کبھی کام بننے سے پہلے بھی رشوت کی ایک آدھ قسط ادا کرنا پڑتی ہے۔ دانہ ڈالے بغیر پرندہ جال میں نہیں پھنستا۔ بعض دفعہ تو دانہ چگنے کا عادی بنانا پڑتا ہے۔ سو میں بھی اس "پرندی" کو دانہ چگانے پر راضی ہو گیا۔ ایسی "وحشت" سے پہلی بار میرا سابقہ پڑا تھا۔

میرے دل کی آگ تو خیر کیا ٹھنڈی ہوتی' ہاں اس کے کلیجے میں ٹھنڈ پے گئی' وہ بھی بہ عمر دو سو

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

برس میں پہلی مرتبہ۔

نشے باز کو نشہ کر کے مزید نشے کی طلب ہوتی ہے اور ابھی اور۔ مگر میں درجہ شہات پر فائز ہونے کے لئے ہرگز آمادہ نہ ہوا۔ ہاموس کے ذکر پر اس کی ہوا کھسک گئی اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں بھی کھسک لیا۔ ہاں کھسکنے سے پہلے آئندہ کے لئے وقت اور جگہ طے کرنا ہرگز نہ بھولا کہ ؎

اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

مجھے یقین تھا کہ دھرتی کے سینے میں میٹھے سوت ہوں گے لیکن ابھی تو میں کنکر پتھر ڈھونے میں صرف ہوا جا رہا تھا۔ میرے لئے نرگس ایسی ہی دھرتی تھی۔

جب میں لوٹ رہا تھا تو شہر دھیرے دھیرے سناٹے میں ڈوب رہا تھا۔ اس زمانے میں رات جلدی ہو جاتی۔ مجھے پہلے خدیجہ اور پھر شبو' یعنی خدیجہ کی چھوٹی بھابی کا خیال آیا۔

خدیجہ کے گھر میں داخل ہو کر پہلے میں نے شبو کے کمرے کا رخ کیا۔ دروازہ بند تھا مگر اندر سے دھیمی دھیمی آوازیں آ رہی تھیں۔ "فتنی" گویا ابھی جاگ رہی تھی۔

کسی زن شادی شدہ کی خلوت میں یوں دخیل ہونا' وہ بھی اس کے شوہر نامدار کی موجودگی میں' بڑی ہی غیر شریفانہ حرکت ہے لیکن شرافت آدم زادوں ہی کو زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اخلاقیات کے یہ سارے اصول و قواعد آدم زادوں کے لئے ہیں' ہم جن زادوں کے لئے نہیں۔ یوں بھی مجھے شریف' یعنی گھامڑ ہونے کا دعویٰ نہیں تھا' سو پہنچ گیا اندر۔ چھوٹی سی وہ نمکین "فتنی" کسی کبوتری کی طرح اپنے شوہر سلیم اللہ سے "غٹرغوں' غٹرغوں" کئے جا رہی تھی۔ کمرے میں لالٹین کی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

خدیجہ اب اس کے لئے خدیجہ باجی بن چکی تھی۔

"اچھا نہیں لگتا کہ باجی اس کوٹھری میں پڑی رہیں۔" شبو شوہر سے منک رہی تھیں یوں جیسے نند کی محبت میں کلیجہ پھٹا جا رہا ہو۔ "یہ کمرہ اچھا خاصا بڑا ہے' بیچ میں پردے کے لئے ہم چادر باندھ لیں گے۔ وہ ڈبو کے ساتھ ہمارے ہی کمرے میں سو جایا کریں گی۔"

"چاندی کے کھنکتے سکوں کی جھنکار سن کر تمہاری تو عقل ماری گئی ہے۔ یہ بے شرمی ہے بے شرمی۔ کبھی باجی کی آنکھ کھل گئی اور تم میرے پاس ہوئیں تو؟"

"میں تو اس لئے کہہ رہی تھی کہ تمہاری بڑی بھاوجیں یہی مسکوٹ کر رہی تھیں۔ اگر باجی ان دونوں میں سے کسی کے کمرے میں چلی گئیں تو سمجھ لو ہمیں کچھ نہیں ملنے کا۔ بھلا بتاؤ' اب تک باجی اور ان کے بچے کا خرچہ ہم نے اٹھایا اور ہم اب گھاٹے میں رہیں۔"

"رشتوں میں نفع نقصان نہیں دیکھا جاتا۔" سلیم اللہ نے کہا۔ "میں نے باجی کے ساتھ جو کچھ کیا میرا فرض تھا۔ تم نے ہی تو ان کی چارپائی کوٹھری میں ڈلوائی تھی۔ پہلے جب میری شادی نہیں ہوئی تھی تو وہ بھی اسی کمرے میں سوتی تھیں۔ شادی ہو گئی تو وہ بیٹھک میں جا کے خود ہی پڑ رہیں لیکن تمہیں چین نہیں آیا' یہ غم کھانے لگا کہ کسی آئے گئے کو کہاں بٹھائیں گے۔"

"مجھی پر سارا الزام لگا دو۔ میں تو ہوں ہی بری تمہاری نظر میں۔" شبو نے عورتوں کا روایتی ہتھیار

آزمایا' اور رونے لگی۔

سلیم اللہ اسے منانے لگا' پھر یہ تجویز باہمی رضامندی سے طے پائی کہ بیٹھک پر خدیجہ کا قبضہ بحال کر دیا جائے تاکہ وہ "نیوٹرل زون" میں پہنچ جائے' بڑی "بھابیوں" کی سازش کامیاب نہ ہو۔ اس تجویز کی خوشی میں جب چوڑیاں کھنکانے کی نوبت آنے لگی تو مجھ سے برداشت نہ ہوا۔ میں نے شبو کو گھسیٹا اور اٹھا کر اس کی چارپائی پر ڈال دیا۔

دونوں میاں بیوی کی سٹیاں ایک ساتھ گم ہو گئیں کہ آخر یہ اچانک ہوا کیا؟ میں جو سوچ کر آیا تھا اسے عملی جامہ پہنانے میں دیر نہ کی۔

"سس ..... سا ..... سلی ..... سلیم!" شبو نے خوفزدہ آواز میں اپنے شوہر کا نام ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔

"کیا ہوا پیاری شبو؟" سلیم کی پُرسکون آواز کمرے میں گونجی۔ میں اس کے اندر نفوذ کر چکا تھا۔ میں ہی سلیم کی آواز میں بول رہا تھا۔

"مم ..... مجھے کسی نے تم ..... تمہارے پاس سے اٹھا کر یہاں ..... پھینک دیا۔"

"چلو تو اچھا ہوا' تم ہو بھی تو اسی قابل۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "تم جیسی عورتوں کو تو منہ ہی نہیں لگانا چاہئے۔"

"کیا؟" وہ ایک دم غصے میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ شدید غصے کے سبب شاید خوف کا احساس دب گیا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟"

"جو سن رہی ہو تم۔ تمہارے سارے کرتوت معلوم ہیں مجھے۔ شادی سے پہلے کے بھی اور بعد کے بھی۔"

پہلے تو وہ حیرانی سے میری طرف دیکھتی رہی' پھر پھیل مچانے لگی۔ چوری اور سینہ زوری۔

"بند کر یہ رونا دھونا' ورنہ ابھی ناک اور چوٹی کاٹ کر گھر سے نکال دوں گا۔ شوکت نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

پھر وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی' کسی ہرنی کی طرح چوکڑی بھول گئی۔

"آوارہ عورت! میں تجھے طلاق دے دوں گا۔" میں نے آخری ضرب لگائی۔ "تیرا سارا کچا چٹھا بھی کھول دوں گا تاکہ تُو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔"

"نہیں۔" اس نے کہا اور جلدی سے لپک کر میرے پیر پکڑ لئے اسی کے ساتھ گڑگڑانے لگی۔ "معاف کر دو مجھے۔"

"تیرا ایک گناہ ہو تو معاف بھی کر دوں۔ تُو نے میری امانت میں خیانت کی جسے کوئی غیرت مند مرد برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر تُو نے شوکت کے ذریعے میری بہن کو برباد کرانا چاہا لیکن اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ اب اس کی دولت پر دانت جمائے بیٹھی ہے۔"

رو رو کر شبو کا بُرا حال ہو گیا' ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں نے اس سے خدیجہ کا انتقام لے لیا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"چل جا' منہ دھو کر اور ناک سنک کر آ بدذات!" میں نے اسے حکم دیا۔

"تم ..... تم مجھے طلاق ..... طلاق تو نہیں دو گے سلیم!" ہچکیاں لیتے ہوئے اس نے مجھے قابل رحم نظروں سے دیکھا۔

"پہلے وہ کر جو میں نے تجھ سے کہا ہے۔" میں سختی سے بولا۔

شبو چلی گئی اور ذرا دیر میں شبو منہ دھو آئی۔ اس نے اندر آتے ہی آہستہ سے کنڈی بھی لگا دی تھی۔ آتے ہی وہ پھر میرے پیروں سے لپٹ گئی۔

میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر کلائی پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ وہ میرے پہلو سے لگ گئی۔

"جا اے بے وفا' تجھے معاف کیا۔ صبح باجی سے بھی معافی مانگ لینا۔"

اس نے گویا مجھے منانے کی خاطر وہ سارے نسوانی حربے آزمائے جو غالباً کچھ تو اسے شوکت نے سکھائے تھے' کچھ خود ہی اسے آتے ہوں گے۔

اسے کیا منانا کہ جو خود ہی من جانا چاہے۔ بہرحال اس بوٹا سے قد والی نے مجھے نہال کر دیا۔

میں' سلیم کے کمرے سے نکل کر آئندہ کا بندوبست کرنے کی غرض سے خدیجہ کے پاس جا پہنچا۔ میں نے اسے جگا کر چھت پر چلنے کو کہا تو وہ بولی۔ "لیکن تم نے تو مجھ سے معافی مانگ لی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ اب آئندہ کبھی....."

"ایسی کوئی بات نہیں۔" میں آہستہ سے بولا۔

"پھر کیوں چھت پر لے جا رہے ہو؟"

"تم جو کچھ سمجھ رہی ہو' اس کے علاوہ کیا کوئی اور بات کرنے کو نہیں؟"

بڑی مشکل سے وہ راضی ہوئی' پھر میرے ساتھ چھت پر آ گئی۔

"صبح شبو تم سے معافی مانگ لے گی۔" میں نے بات شروع کی۔

"کس بات کی معافی؟"

"اس ظلم کی معافی جو اب تک کر چکی ہے۔ پہلے تم بیٹھک میں سوتی تھیں' اب پھر وہیں سویا کرو گی۔ پھر تمہیں چھت پر لانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" خدیجہ نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"میں جن زاد ہوں' یہ کیوں بھول جاتی ہو؟"

"ہاں واقعی یہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا۔" اس نے اعتراف کر لیا' پھر بتانے لگی۔ "تم ٹھیک ہی کہہ رہے تھے کہ گھر والوں کا رویہ میرے ساتھ بدل جائے گا۔ دولت میں بڑی طاقت ہے۔"

"اپنی روحانی قوت سے مجھے تمہارے بارے میں ایک حیرت انگیز بات کا پتا چلا ہے۔"

"کیا بات ہے وہ؟" اس نے توقع کے مطابق فوراً سوال کیا۔

"تمہیں ایک ایسا مرض لاحق ہے کہ جس کا علاج ہونا چاہئے۔ میں نے بڑی ہی تگ و دو کے بعد علاج کا طریقہ معلوم کیا ہے' مگر اس کے لئے تمہاری رضامندی ضروری ہے۔"

"لیکن یہ تو بتاؤ کہ آخر مجھے ہے کیا مرض؟"

میرے لئے جواب دینا مشکل تھا' سو بولا۔ "بس تم علاج کی اجازت دے دو' کچھ ابھی پوچھو مت۔ روحانی مرض ہے جس کا اثر تمہارے جسم پر بھی پڑا ہے۔ میں اس مرض کو دور کرنے کے لئے سات راتوں تک ایک وظیفہ پڑھوں گا۔ تمہیں کچھ نہیں کرنا' صرف میرے سامنے بیٹھے رہنا ہے' وہ بھی صرف نصف گھنٹے تک رات کو نصف رات گزرنے کے بعد۔"

خدیجہ نے مجھے غالباً یہ سوچ کر اجازت دے دی کہ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی۔

"تو پھر کل سے میں وظیفہ شروع کر دیتا ہوں۔" میں نے کہا' پھر اپنا اعتماد بحال کرنے کی خاطر خواہش کے باوجود اس بدن بہار کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور چلا آیا۔

یاسف کو بہلا سے فرصت نہیں تھی۔ میں اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو وہ غائب ہی تھا۔ وہ رات خاصی بھاگ دوڑ میں گزری تھی۔ سو میں سو گیا۔ وازعہ سے میں نے آئندہ رات نصف شب سے پہلے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ اسی نے مجھے بتایا تھا کہ نماز عشاء کے کچھ ہی دیر بعد ہاموس گہری نیند سو جاتا ہے اور پھر صبح چار بجے تہجد پڑھنے اٹھتا ہے۔ گویا عشاء کے بعد سے صبح چار بجے سے قبل کا وقت ملاقات کے لئے مناسب ترین تھا۔ نصف شب کے بعد میری دیگر مصروفیات شروع ہو جاتیں اس لئے وازعہ سے پہلے ہی ملنا غنیمت تھا۔

دوسرے دن صبح جب میں اٹھا تو ایک اور خیال آیا۔ یاسف جانے کب آ کے سو گیا تھا۔ اپنے خیال کی تصدیق کے لئے میں نے اقبال کے دفتر کا رخ کیا۔ وہاں ریٹا بھی تو تھی۔ ریٹا کے علاوہ اور دو ایک "شکار" ایسے تھے کہ جن کی خاطر میں نے جال بچھا دیا تھا۔ جال کی ڈوری کھینچنے سے پہلے ہی مولوی کفایت اللہ نے مجھے راہِ فرار پر مجبور کر دیا۔ اقبال کے جسم کو گھر کے باہر تو میں اپنی مطلب براری کے لئے استعمال کر ہی سکتا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے اقبال کے دفتر تک پہنچتے پہنچتے اور بہت کچھ سوچ لیا۔ یوں بھلا میں مولوی کے سامنے کس طرح ہتھیار ڈال دیتا۔ وہاں پہنچا تو اقبال دفتر میں موجود تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی ظاہر تھی۔ ایک تو شاید دفتری کام اس کے لئے نیا تھا' دوم اسے جب حقیقت پتا چلی ہو گی کہ ایک جن زاد طویل عرصے تک اسے یرغمال بنائے رہا تو وہ اور بھی جی چھوڑ بیٹھا ہو گا۔ پریشانی کا اور کوئی سبب میری سمجھ میں نہ آیا۔

اقبال کا جسم میرے لئے ایک گھر کے مانند تھا' سو میں چپکے سے گویا اس میں داخل ہو گیا۔ اس وقت سیکشن انچارج کے سامنے میری طلبی ہو گئی۔ اس نے ایک فائل میرے سامنے میز پر زور سے پھینکی اور بولا۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں' یہ نوٹ لکھا ہے تم نے کہ گھاس کاٹی ہے ..... پھر کوئی بھی کاغذ ترتیب سے نہیں لگایا۔ سفارشی ٹٹو ہو ورنہ کب کا نکال باہر کرتا۔"

وہ اقبال تو تھا نہیں کہ جو یہ سب کچھ سن کر سر جھکا لیتا' سو میں نے سیکشن انچارج سے کہا۔ "سر! میں کوئی گھسیارا نہیں ہوں۔ آپ ہی کی انگریزی کچھ کمزور معلوم ہوتی ہے کہ میرا لکھا ہوا نوٹ آپ کے سر سے گزر گیا۔" یہ کہتے ہی میں نے وہ فائل اٹھا لی۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

سیکشن انچارج کو یقیناً مجھ سے ایسی گستاخی کی توقع نہیں ہو گی' سو غصے میں جھاگ ڈال گیا۔ مجھے دھمکیاں بھی دیں کہ دیکھ لوں گا وغیرہ۔

میں اطمینان سے اپنی میز پر آ کے بیٹھ گیا۔ جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ اقبال نے وہ نوٹ لکھ کر واقعی گھاس ہی کاٹی تھی۔ فائل سے میں نے وہ نوٹ نکال کر اس کی جگہ دوسرا نوٹ لکھا اور لگا دیا۔ کاغذ بھی ترتیب سے لگا دیئے۔ پھر میں وہ فائل لے کر سیدھا چھوٹے خاں کے پاس پہنچ گیا۔

"آؤ آؤ بالے میاں!" چھوٹے خان خلاف توقع میری پذیرائی کرنے لگا۔ وہ شاید ابھی اقبال کی طرف سے مایوس نہیں تھا۔ "میں تو خود تم سے ملنے کو سوچ رہا تھا۔" غالباً اسے یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ میں اس سے ملنے آیا ہوں۔ حالانکہ میرا مقصد کچھ اور ہی تھا۔ مگر چھوٹے خاں کمبل ہی ہو گیا۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی کہ "پرایا" ہونے کے باوجود کسی اپنے کی طرح مل جاتا تو میں لحاظ مروت میں سلام کر لیتا۔ جواب میں وہ اس طرح وعلیکم السلام کہتا جیسے لٹھ مار رہا ہو۔ آج بات ہی کچھ اور تھی۔

اقبال کے رشتے سے چچا پلس ہونے والا خسر لگتا تھا۔ سو میں نے کہا۔ "چچا! آج بہت خوش نظر آ رہے ہو' کیا بات ہے؟"

"تم بیٹھو تو سہی' بتاتا ہوں ابھی۔" اس نے مجھے اپنے قریب دوسرے اسٹول پر بٹھا لیا۔ "میں نے سوچا ہے بالے بیٹے کہ پچھلی تلخیوں کو بھلا ہی دیا جائے تو اچھا ہے۔"

"کیسی تلخیاں چچا!" میں نے پوچھا۔

"ایک بات تو پہلے میں تمہیں یہ بتا دوں کہ تم پر جو الزام شریف احمد نے لگایا تھا مجھے اس پر قطعی یقین نہیں تھا۔ ممکن ہے کہ مولوی کی لونڈیا نے یک طرفہ چکر چلا رکھا ہو۔ تم ایک شریف خاندان کے فرد ہو' نیک بچے ہو تمہارے بارے میں تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ کسی پر بری نظر ڈالو گے۔ اس مولوی کی لونڈیا ہی نے یقیناً تمہیں بہلایا پھسلایا ہو گا۔"

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب ان باتوں سے چھوٹے خاں کا مقصد کیا تھا۔ پھر بھی وہ جو بکواس کرتا رہا میں نے سن لی۔ مولوی کی لونڈیا سے اس کی مراد نرگس ہی تھی۔

"اب اگر مولوی کفایت اللہ یہ کہہ رہا ہے کہ پچھلا نکاح فسخ ہو گیا' تمہارا نکاح دوبارہ نرگس سے ہو گا تو بھائی افضل کو انکار کر دینا چاہئے۔ کیوں ٹھیک ہے نا..... یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ نکاح نہ ہوا' گڑیا گڈے کا کھیل ہو گیا..... تم سے اس لئے میں بات کرنا چاہتا تھا کہ تمہاری مرضی معلوم ہو جائے تو بات آگے بڑھاؤں۔ دیکھو بالے میاں! ایسی لڑکیاں جو شادی سے پہلے ہی بولا جائیں' اچھی بیویاں ثابت نہیں ہوتیں۔ ویسے بھی مولوی ہماری برادری کا نہیں ہے۔ اچھے بھلے خاندان میں ٹانکا لگ جائے گا۔"

پورا معاملہ میری سمجھ میں آ گیا۔ شرعی نقطہ نظر سے میں نے جو بحث نرگس سے کی تھی' وہ رنگ لے آئی تھی' یعنی اقبال کے جسم میں میری موجودگی کے سبب میں نے نرگس کو قبول کیا تھا' اقبال نے نہیں۔ بات ایسی نہیں تھی کہ نرگس براہ راست مولوی سے کہتی۔ اس نے یقیناً اپنی ماں سے بات کی ہو گی۔ اسی کے بعد مولوی تک بات پہنچی ہو گی۔ مولوی کفایت اللہ میری نظر میں لاکھ خبیث اور برا سہی مگر

تھا شرع کا پابند۔ وہ اسی سبب اپنی بیٹی کا نکاح "اصلی اقبال" سے کرنے والا تھا۔ چھوٹے خان کو عزیز رشتے دار سے یہ بات پتہ چلی ہو گی۔ سو وہ پھر اپنی نور نظر کو میرے عقد میں دینے پر اتارو ہو گیا تھا۔ مجھے کسی طرح پہلے سے وہ پٹا لیتا تو کام آسان ہو جاتا۔ یہ طے تھا کہ موجودہ صورت حال میں مولوی خوب ٹھوک بجا کر اور پوری طرح اطمینان کر لینے کے بعد ہی اقبال سے نرگس کا دوبارہ نکاح کرتا۔ نکاح ہونے سے پہلے وہ دیکھ لیتا کہ کہیں میں تو اقبال کے اندر گھسا ہوا نہیں تبھی قاضی سے نکاح پڑھواتا۔ اس نکاح سے مجھے کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ رخصتی جانے کب اور کتنے سال بعد ہوتی۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ رخصتی سے پہلے مجھے "ہیرا پھیری" کا موقع مل جاتا۔ پھر نکاح ہوتا نہ ہوتا میری بلا سے۔ چھوٹے خاں نے مجھے گومگو کی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ بہرحال یہ اطلاع میرے لئے ایک خوشخبری سے کم نہیں تھی کہ اقبال سے نرگس کا نکاح فسخ ہو گیا تھا۔

میں نے فی الحال چھوٹے خان کو ٹالنے کی خاطر کہہ دیا۔ "چچا! میں آپ کو سوچ کر جواب دوں گا۔ اس وقت تو میں ایک دفتری کام کے سلسلے میں صاحب بہادر سے ملنے آیا تھا۔ ان سے میری ملاقات کرا دیں۔ ممکن ہے وہ میرا نام بھول بھال گئے ہوں تو آپ یاد دلا دیجئے گا۔"

اس محکمے کا سربراہ ولسن بھلا مجھے کس طرح بھول سکتا تھا۔ اس کی تو "انگریزن" بیوی میرا پہلو آباد کر چکی تھی۔ جسے وہ طلاق دے کر لندن بھجوا چکا تھا۔ میں نے تو بس چچا چھوٹے خان کو مطمئن کرنے کو آخری جملہ ادا کر دیا تھا۔ اس پر چھوٹے خاں بولا۔ "بالے بیٹے! تم فکر نہ کرو' ارے میاں' صاحب بہادر نے میری ہی سفارش پر تو تمہیں نوکر رکھا تھا' بھول گئے۔" موقع غنیمت جان کر چھوٹے خاں نے میری چاند پر احسان کا جوتا مار ہی دیا۔

"یاد ہے چچا! یاد ہے سب۔" میں نے اقرار میں سر ہلایا۔

چھوٹے خاں چوڑ گیا اور جھٹ اٹھ کر صاحب بہادر کے کمرے میں گھس گیا۔ لوٹا تو اس نے آ کر بتایا۔ "صاحب بہادر تم سے نو بج کر ترپن منٹ پر ملیں گے۔" یہ کہتے ہی چھوٹے خان نے اپنی واسکٹ کی جیب سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا۔ "اس وقت ٹھیک نو بج کر پچاس منٹ اور تیس سیکنڈ ہو رہے ہیں' یعنی ڈھائی منٹ بعد تمہیں صاحب بہادر سے ملنا ہے۔"

وقت کے معاملے میں بعض انگریز مینٹل کیس بن جانے کی حد تک پہنچ جاتے ہیں' ولسن بھی ایسا ہی ایک مینٹل کیس تھا۔ ٹھیک ڈھائی منٹ پر گھنٹی بجی اور پھر چھوٹے خاں نے چھوٹتے ہی گویا مجھے اندر دھکیل دیا۔ "ہیلو ایک بال! تم بہت روز بعد آیا۔ بولو کیا بولتا؟" ولسن مجھ سے مخاطب ہوا۔

میرا سیکشن انچارج ایک ہندو شری واستو تھا۔ میں آگے بڑھا اور بولا۔ "سر! میں نے ایک فائل پر نوٹ لکھا تھا۔ میرے سیکشن انچارج مسٹر شری واستو کی انگریزی بہت کمزور ہے۔ ان کی سمجھ میں میرا لکھا ہوا نوٹ نہیں آیا تو انہوں نے مجھے بہت ڈانٹا۔ میں آپ کو سر! وہی نوٹ ملاحظہ کرانے لایا ہوں۔"

"لاؤ دکھاؤ!" ولسن نے مجھ سے فائل لے لی۔ میرا لکھا ہوا نوٹ سب سے اوپر لگا تھا۔ ولسن اسے پڑھ کر کہنے لگا۔ "ویری گڈ! تم تو بہت اچھا انگریزی لکھتا ہے۔ کہیں پر کوما اور فل اسٹاپ تک کا غلطی

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

نہیں۔ تمہارا انچارج ہم کو ڈفر لگتا ہے۔"

"انہوں نے سفارشی ٹٹو کہہ کر سر! آپ پر بھی طنز کیا ہے۔" میں نے مزید لگائی بجھائی کی۔ پھر میں نے انگریزی میں اسے سفارشی ٹٹو کا مطلب بھی سمجھایا۔

صاحب بہادر کا چہرہ پہلے ہی چقندر جیسا تھا' میری بات پر مزید چقندر ہو گیا۔

"ہم ابھی آفس آرڈر نکالتا ہے کہ آج سے تم سیکشن انچارج ہو گا ایک بال! مسٹر واسا تو تم کو اسسٹ کرے گا۔" ولسن غصے میں بولا اور فائل میری طرف بڑھا دی۔

باہر آیا تو چھوٹے خاں نے پھر گھیرنا چاہا مگر میں رسی تڑا کر بھاگ لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہی سیکشن میں جیسے بھونچال آ گیا۔ میری ترقی اور شری واستو کی تنزلی کے احکام آ گئے تھے۔ میں نے جھٹا جھٹ چارج لے لیا۔ شری واستو کے چہرے سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے سر پر جوتے پڑے ہوں یا بھرے بازار میں بالوں سے محروم اس کی چکنی چندیا پر کوئی چپت مار کے بھاگ لیا ہو۔

اب گویا میں اس سیکشن کے سیاہ و سفید کا مالک تھا جس میں سیاہ زیادہ سفید کم تھا۔ "کھانے پینے" کے خاصے مواقع تھے۔ مجھے سب سے پہلے ریٹا نے آ کر مبارک باد دی۔

"میں سوکھی مبارک باد وصول نہیں کرتا۔" میں کچھ سوچتے ہوئے مسکرایا۔ مجھے خود بخود ایک موقع مل گیا تھا۔ "تم اس مبارک باد کو کسی طرح گیلا کرو۔ کیوں مائی ڈیئر اسسٹنٹ مسٹر شری واستو!" میں نے سابقہ سیکشن انچارج کو سڑانے کے لئے اسے مخاطب کیا۔ اس کی میز میرے برابر ہی تھی۔

توقع کے مطابق وہ سڑ کر بولا۔ "یہ تمہارا پرسنل معاملہ ہے' تم جانو۔"

"مائنڈ یور لینگویج۔" میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ "آئی ایم یور آفیسر۔ ڈونٹ بی فری۔" انگریزی جھاڑنے کا مقصد اسے رعب میں لینا تھا۔ پھر میں اردو میں بولا۔ "کیونکہ تمہاری انگریزی کمزور ہے اس لئے تمہیں اردو میں بتا رہا ہوں کہ آئندہ مجھ سے زبان سنبھال کر بات کرنا۔ میں تمہارا افسر ہوں' مجھے سر کہو گے تم' اسی کے ساتھ آپ بھی۔"

"یس سر!" شری واستو نے جیسے کڑوا گھونٹ پی کر جواب دیا۔

"تم بیٹھو نا ریٹا! کھڑی کیوں ہو؟"

"تھینک یو سر!" کہہ کر وہ سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ہاں تو مبارک باد کو گیلا کرنے کے بارے میں تم نے غور کیا؟"

وہ کچھ اور ہی سمجھی جس کے نتیجے میں چہرے پر حیا کی سرخی پھیل گئی۔ اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔

"کچھ کھلواؤ پلواؤ تو مبارک باد گیلی ہو گی۔" میں نے وضاحت کر دی۔ "سنا ہے انارکلی بازار میں کئی اچھے ہوٹل ہیں۔ آج دوپہر کا کھانا تمہاری طرف سے' بولو منظور؟"

"تھی ..... ٹھیک ہے۔" اس نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔

"پیسوں کی فکر نہ کرنا' ظاہر ہے میرے انچارج بن جانے پر مسٹر شری واستو بھی خوش ہوں گے۔ ہرچند کہ وہ مجھے مبارک باد دینا بھول گئے ہیں مگر دل میں ضرور خوش ہوں گے اور اس خوشی میں یہ بھی دعوت دینے کو سوچ رہے ہوں گے۔ بوڑھے آدمی ہیں بے چارے۔ انارکلی بازار تک ہمارے ساتھ کہاں جائیں گے' ہاں یہ ممکن ہے کہ تم ان کی نمائندگی بھی کر دو۔ اپنے حصے کے پیسے یہ تمہیں دے دیں گے۔ کیا خیال ہے مسٹر شری واستو؟"

"میرے پاس گھر جانے کے لئے صرف تانگے کا کرایہ ہے سس ..... سر!"

"تو کوئی بات نہیں' مجھ سے ادھار لے لو' کل واپس کر دینا۔" میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک روپیہ نکالا اور دے دیا۔

شری واستو نے بڑی غضب ناک نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر روپیہ ریٹا کو دے دیا۔

"لنچ ٹائم سے کچھ پہلے ہی اٹھ جانا تاکہ وقت پر دفتر واپس آ جائیں۔" میں نے ریٹا سے کہا اور وہ اقرار میں سر ہلا کر مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

ریٹا اٹھ کر گئی ہی تھی کہ بملا کے درشن ہو گئے۔ میری سیٹ پر اس نے ایک نئے بندے کو بیٹھے دیکھ کر اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔

"مس بملا!" میں نے اسے آواز دی۔ "آپ کو یقیناً میری تلاش ہے۔"

وہ اپنی قیمتی ساڑھی سنبھالتی' مسکراتی اور تیر نظر چلاتی میرے سامنے آ بیٹھی۔ اس کی آنکھیں نداسی تھیں۔ یاسف شاید اسے رات رات بھر جگا رہا تھا۔

"فرماؤ اے نازک اندام حسینہ!" میں نے ذرا سا آگے جھک کر دھیمی آواز میں کہا۔

"جج ..... جی!" وہ میرے طرز تخاطب پر حیران رہ گئی۔ "آپ یہ ..... یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟"

"میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی' تم نازک اندام بھی ہو اور حسین بھی۔" میری آواز اب بھی سرگوشی کی حد تک دھیمی ہی تھی کہ گنجا شری واستو نہ سن لے۔

اس نے میری بات کو نظرانداز کر دیا اور بولی۔ "میرا کام کیا آپ نے؟"

میں نے بملا کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس بندے کو بلایا جو اب میری سیٹ پر تھا۔ اس سے میں نے راؤ بہادر بہاری لال والے کیس کی فائل منگوائی۔ فائل آ گئی تو میں بلند آواز میں بولا۔ "آپ کے پتا جی اس فائل کو یہاں سے غائب کرانا چاہتے ہیں؟" یہ کہتے ہوئے کنکھیوں سے شری واستو کی طرف دیکھا۔ اس کے دونوں کان ایریل کی طرح کھڑے ہو گئے تھے۔ میں نے مزید کہا۔ "وہ جو آپ کے پتا جی نے چند روز پہلے شراب کی پارٹی دی تھی' اس سے کام نہیں بنا کیا؟"

بملا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ بھانڈا پھوٹ جانے کے بعد عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ تو اچھا تھا کہ بملا توتوں کو ساتھ نہیں لائی تھی ورنہ ایسے موقعوں پر ہاتھوں سے توتے بھی اڑ جاتے ہیں۔ وہ ہکلانے لگی۔ "مم ..... میں سمجھی ..... سمجھی نہیں آپ ..... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"سرکاری زمین ہڑپ کرنا بہت بڑی بات ہے۔" میں نے ایک بار پھر شری واستو سے تصدیق چاہی۔

"جی ..... جی ہاں سر!" شری واستو بول اٹھا۔

"مائی ڈیئر ماتحت! اس فائل کو تم حفاظت کے ساتھ اپنے پاس رکھو۔ اس کیس کو بھی اب تمہی ڈیل کرو گے۔ راؤ بہادر بہاری لال' یعنی ان کافر ادا کافر حسینہ کے پتا جی اس فائل کو غائب کرانا چاہتے ہیں لیکن تم اس کیس میں مال پانی بنانے کی کوشش نہیں کرو گے۔ فائل غائب ہوئی یا اس کیس کو دبا دیا گیا تو میں تمہیں ڈس مس کرا دوں گا۔ رہیں یہ مس جو میرے سامنے بیٹھی قنوج کے اصلی روح گلاب عطر کی خوشبو سے سارے دفتر کو مہکا رہی ہیں' انہیں میں باہر چھوڑ آتا ہوں۔ اٹھئے مس بملا!"

بملا کا چہرہ غصے کے مارے مزید سرخ یعنی مزید حسین نظر آنے لگا۔ وہ بہرحال ایک عدد راؤ بہادر کی بیٹی تھی۔ انگریزوں کے زمانے میں راؤ بہادر اور خان بہادر کوئی ایسا ویسا معمولی آدمی نہیں ہوتا تھا۔ ایسے ہی لوگوں کے کاندھوں پر سوار ہو کر تو انگریز ہندوستانی قوم کے لئے پیر تسمہ پا بن گئے تھے۔ سو بملا جلال میں آ گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور سیدھی ایل ڈی اے کے انگریز ڈائریکٹر ولسن کے کمرے کی طرف تیر کی طرح گئی۔ اس سے پہلے بملا نے مجھ پر اپنی توہین کرنے کا الزام لگایا تھا۔

میں بھلا کہاں چوکنے والا تھا' بملا کے پیچھے راہداری میں لپکا اور اسے روک لیا۔ راہداری جو ولسن کے کمرے کی طرف جاتی تھی' اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔

"راستہ چھوڑو میرا۔" وہ کسی غصیلی بلی کی طرح غرائی۔

"اے میری جنم جنم کی ساتھی! تیرا راستہ میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔" میں بولا۔ "کیا تُو اپنے پتی سوہن کو نہیں پہچانی؟ تیرے ہی کارنز تو میں نے اس شریر میں پرلوک (عالم بالا) سے یہاں آنے کا کشٹ بھوگا ہے۔" میں نے بڑے رومانی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"تت ..... تم سوامی!" بملا حیرت زدہ رہ گئی۔

"ہاں میں ..... تم باہر چل کے انتظار کرو' میں ابھی فائل لے کر آیا۔"

"بھور سے تو تم میرے پاس سے گئے تھے' پھر کیا سوئے نہیں؟"

"کبھی کوئی آتما (روح) بھی سوتی ہے پگلی!"

بملا پلٹ کر چلی گئی۔ مجھے نہ تو اس سے دلچسپی تھی کہ راؤ بہادر نے سرکاری زمین دبا رکھی ہے' نہ سرکار انگلشیہ سے ہمدردی۔ یہ زمین بہرحال انگریزوں کے ابا حضور یا امی جان کی نہیں تھی۔ یہ سارا کھیل تو میں نے شری واستو کے چمار پن کی وجہ سے کھیلا تھا۔ وہ متعصب قسم کا ہندو تھا۔ جو تھوڑے بہت مسلمان اس کی ماتحتی میں تھے' وہ انہیں کسی نہ کسی بہانے ذلیل کرتا رہتا۔ شری واستو کی کوشش یہ ہوتی کہ انہیں کم از کم اپنے سیکشن سے پھٹا کھلا دے۔ میں لاکھ بگڑا ہوا سہی' مگر تھا تو ایک مسلمان جن زاد۔ گھٹنے تو پیٹ ہی کی طرف جھکتے ہیں نا۔

واپس سیکشن میں آ کر میں نے شری واستو کو مخاطب کیا۔ "تم ایسا کرو کہ فی الحال اس فائل کو ریکارڈ روم میں رکھوا دو۔ بلکہ خود فائل لے کر چلے جاؤ۔ راؤ بہادر بہاری لال بااثر آدمی ہے' مجھے نہیں تو کم از

کم تمہیں تو الٹا لٹکوا دے گا۔"

شری واستو نے میرے آخری الفاظ غالباً بڑی مشکل سے ہضم کئے اور پھر میری ہدایت پر عمل کرنے کے لئے اٹھنے ہی والا تھا کہ میں نے اسے روک لیا۔ ایک کاغذ پر میں نے شری واستو کے نام مختصر سا نوٹ لکھا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس پر دستخط کر دو تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آوے کہ یہ فائل تمہارے سپرد کی گئی ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"پھر تو میں ریکارڈ کیپر سے بھی اس فائل کی رسید لوں گا۔" اس کائیاں بالک نے دستخط کر کے کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" میں نے وہ کاغذ اپنی میز کی دراز میں رکھ کر تالا لگا دیا۔

شری واستو نے ریکارڈ کیپر کے دستخط لینے کی غرض سے ایک رجسٹر چپڑاسی سے منگوایا جو اسی غرض سے بنایا گیا تھا۔ اس نے رجسٹر میں فائل کی انٹری کی' پھر مجھ سے بولا۔ "اگر آپ کا حکم ہو تو چپڑاسی سے یہ فائل ریکارڈ کیپر کے پاس بھجوا دوں؟"

واہ بیٹا! چپڑاسی کو پھنسوانا چاہتا ہے۔ میں نے سوچا اور سختی سے کہا۔ "مسٹر شری واستو! او بے مائی آرڈر۔"

قہراً و جبراً اسی کو وہ رجسٹر اور فائل خود لے کر اپنی سیٹ سے اٹھنا پڑا۔ دفتر میں شاید ہی کبھی اس کی اتنی بے عزتی کی گئی ہو لیکن وہ اسی قابل تھا۔ نچلے عملے کو عموماً شری واستو جیسے لوگوں سے شکایت رہتی ہے۔ سو ان سبھی کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ آدم زادوں کی اس دنیا میں ہمیشہ کرسی کی عزت ہوتی ہے' آدمی کی نہیں۔ شری واستو تو یوں بھی آدمی کم جانور زیادہ تھا۔ اسے میں نے ایک ہی دن کیا' کچھ ہی دیر میں بھنگی بنا دیا تھا۔ اس کے جاتے ہی میں اقبال کے جسم کو چھوڑا اور چل دیا۔

شری واستو کو ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانہ کرنے کے لئے ایک ہاتھ ہی کافی ہوا۔ ادھر وہ لہرا کے زمین پر گرا ادھر میں فائل لے کر تھری فور ہو گیا۔

بملا اپنی موٹر میں بیٹھی میری منتظر تھی۔

"لے یہ فائل اور نکل لے۔" میں نے فائل ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی نشست پر پھینک دی۔

"تم کتنے اچھے ہو میرے سوامی! مجھے دھیان ہی نہ آیا کہ تم سے اپنی پتا کہہ دوں۔" وہ بڑے لاڈ سے بولی۔

"پرنتو میں تو تیرا دھیان رکھتا ہوں میری پتنی!" میں اس کی طرف جھکا۔

"ارے ارے یہاں تو....." اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ چند لمحے بعد اس نے ہینڈ پرس کھولا اور چھوٹا سا آئینہ نکال کر لپ اسٹک درست کرنے لگی۔

"دیر نہ کر اب۔" میں نے اسے ٹوکا۔

اس نے جلدی سے موٹر اسٹارٹ کی اور میں پلٹ آیا۔ اقبال سر پکڑے بیٹھا تھا کہ میں نے اس کے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اندر انٹری دے دی۔

توقع کے مطابق جب شری واستو ہال کمرے میں داخل ہوا تو انتہائی بوکھلایا ہوا تھا۔ میں نے فوراً اس کی ٹانگ کھینچی۔ "مسٹر شری واستو! ذرا سے کام میں اتنی دیر لگا دی تم نے۔"

جواب طلبی پر وہ اور بھی نروس نظر آنے لگا۔ یوں محسوس ہوا جیسے رو دے گا' بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ "سر! مجھ سے وہ فائل جانے کون راکھشس (شیطان) چھین لے گیا۔"

ابے تُو میرے ہی منہ پر مجھے شیطان کہہ رہا ہے۔ یہ سوچ کر میں اس پر برس پڑا۔ "مال بنا لیا نا آخر' کتنے دام ملے راؤ بہادر کی بیٹی سے فائل کے؟"

"بھگوان کی سوگند میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ راؤ بہادر جی کی پتری تو پہلے ہی چلی گئی تھی' پھر میں کس طرح....."

"کیا خبر پہلے سے تم نے مال توڑنے کے لئے اسے سانٹ رکھا ہو۔ وہ دفتر کے باہر رک کر بھی تو تمہارا انتظار کر سکتی ہے۔ اب ہو گئی تمہاری نوکری تیل۔" میں نے اسے دہلایا۔

یقیناً اس کے چودہ طبق سے زیادہ روشن ہو چکے تھے۔ وہ آ کر اپنی کرسی پر ڈھے گیا۔ پھر ذرا ہوش ٹھکانے آئے تو اپنی بپتا سنانے لگا۔

"یہ اسٹوری تم ڈائریکٹر صاحب کو سنانا' میں آج ہی انہیں تمہاری تحریری رپورٹ لکھ کر مع ثبوت بھیج دوں گا۔"

"مجھ پر دیا (رحم) کریں سر! اپنے پریوار (خاندان) کا میں ایک ہی کمانے والا ہوں۔ چھ پتریاں ہیں اور پتر سب سے چھوٹا ہے' چار ورش کا۔"

"پتریوں میں سے کے جوان ہیں؟" بے اختیار یہ سوال میری زبان پر آ گیا اور مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ بات بنانے کی خاطر اسی لئے فوراً بولا۔ "کسی پتری کی شادی بھی کی؟"

"بڑی کی سگائی (منگنی) کر دی ہے' اس سے چھوٹی کے لئے رشتہ ڈھونڈ رہا ہوں' باقی ابھی چھوٹی ہیں۔" وہ میری ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اپنا پرابلم بتانے لگا۔ "سر! ابھی تو میرے ریٹائر ہونے میں دس سال باقی ہیں۔ بھگوان نہ کرے نوکری چلی گئی تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔" وہ آبدیدہ ہو گیا۔

"اچھا اب اپنی چونچ بند رکھو' میں سوچوں گا کہ تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔" میں نے افسرانہ شان سے کہا اور پھر بطور احتیاط فائل کے متعلق جو نوٹ لکھا تھا' جس پر شری واستو سے دستخط کرا لئے تھے' میز کی دراز کھول کر نکال لیا۔ اسے میں نے تہہ کر کے اپنی پینٹ کی جیب میں رکھا اور کام کرنے لگا۔

لنچ ٹائم سے گھنٹے بھر پہلے میں اٹھ کھڑا ہوا اور ریٹا کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مسٹر شری واستو! ویسے تو میری کوشش یہی ہو گی کہ جلد لوٹ آؤں' پھر بھی دیر ہو جائے یا میں دفتر کا وقت ختم ہونے سے پہلے نہ آ سکوں تو تم میری جگہ ڈیوٹی دو گے۔"

"مس ریٹا' مجھ سے آدھے دن کی چھٹی لے چکی ہیں۔ یہ مجھے لنچ کرا کے اپنے گھر چلی جائیں گی۔ ان کے پیٹ میں درد ہے۔" میں نے ریٹا کی لائن بھی دانستہ کلیئر کر دی حالانکہ ریٹا سے کوئی بات نہیں

ہوئی تھی یہ سنتے ہی ریٹا نے اپنی میز پر پھیلے ہوئے کاغذات سمیٹ کر دراز میں ٹھونس دیئے۔ وہ یقیناً سمجھ چکی تھی کہ آج اسے پھر خراج محبت ادا کرنا ہے۔ میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ آج کی شام اس کے نام کر دی جائے۔ باغوں کے شہر لاہور میں ایسے کئی باغ تھے جہاں پہلے بھی کئی بار اس نے یہ خراج ادا کیا تھا۔

ریٹا میرے پیچھے پیچھے کسی فرمانبردار بیوی کی طرح چل دی' مگر باہر آتے ہی قریب آ گئی اور بولی۔

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اقبال!"

"پہلی بات تو یہ سن لو کہ تمہاری سمجھ دانی چھوٹی سی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اب زیادہ فری ہونے کی اس وقت تک ٹرائی نہ کرنا جب تک تم سے اس کے لئے کہا نہ جائے۔ میں اب تمہارا افسر ہوں اور افسر کو سر کہتے ہیں۔ کیا سمجھیں؟"

"فضول باتیں نہ کرو۔ تم جو کچھ بھی بن جاؤ میرے لئے ڈارلنگ اقبال ہی رہو گے۔" ریٹا نے اس ادا سے یہ الفاظ ادا کئے کہ اگر نقص امن کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں جانے کیا کر بیٹھتا۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق میں اسے تانگے میں بٹھا کر انارکلی بازار لے آیا۔ انگریز عموماً اپنی میموں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بھی برسرعام چلنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔ انہی کی حرص میں کچھ پڑھے لکھے غلاموں نے بھی یہ وطیرہ اختیار کر لیا تھا۔ سو میں نے بھی ریٹا کی نازک کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ نیم انگریز تو وہ پہلے ہی تھی' اعتراض نہ کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ مولوی کفایت اللہ کی دکان کدھر ہے' میں دانستہ گویا اس قابل اعتراض حالت میں اس کی دکان کے سامنے سے گزرا۔ وہ اس وقت اپنے ایک ملازم سے کپڑے کا تھان لے کر کسی گاہک کے سامنے کھول رہا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے ہاتھ سے تھان چھوٹ گیا۔ میں اس طرح گزر گیا جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔

میں نے سوچا کہ کہیں مولوی اسی وقت سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میرے پیچھے نہ لپک لے اس لئے ریٹا سے کہا۔ "ذرا تیز چلو۔"

مولوی مجھے اس بازار میں دیکھ چکا تھا یا میں اسے ایک دل سوز نظارہ کرا چکا تھا' سو وہاں سے کھسک لیا۔ میرا مقصد پورا ہو گیا تھا کہ اس کا ہونے والا داماد یوں برسر بازار لونڈیوں کی کمر میں ہاتھ ڈالے پھرتا ہے۔ ایسے آوارہ نوجوان کو وہ بھلا اپنی بیٹی کیسے دے دیتا۔ اب اقبال پر جو گزرتی سو گزرتی' مجھے اس سے غرض نہیں تھی۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح مولوی کو ہشکا دوں کہ اقبال کا کردار ہرگز شریفانہ نہیں ہے۔ حویلی کی چھت پر چھپ چھپ کر نکاح سے پہلے نرگس کے ساتھ ملاقاتوں کی تو اسے خبر تھی ہی' نیک اطوار نوجوان تو شادی سے پہلے اپنی زوجہ کو دیکھتے تک نہیں' عقد ہونے کے بعد ہی پہلی بار گھونگٹ اٹھا کر دیکھتے ہیں کہ لاٹری نکلی یا نہیں۔

ریٹا کو انارکلی بازار سے لے کر میں چوبرجی آ گیا۔ وہاں گھوم پھر کر ہم نے لذت کام و دہن کا سامان کیا' پھر سیر گلشن کو نکل گئے۔ میں نے سوچا' شام کا انتظار کون کرے۔ دوپہر بھی تو کسی کے نام کی جا سکتی ہے۔ بھلا دوپہر نے کیا بگاڑا ہے۔ بس یہی تو ہو گا کہ کسی باغ کا کوئی ایسا حصہ ڈھونڈنا پڑے گا کہ جہاں دن میں بھی کوئی نہ آئے۔ مجھ سے زیادہ کسے شہر کے ویران گوشوں کا علم ہوتا۔ سو میں اسے ایک ایسے ہی

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ویران اجاڑ باغ میں لے آیا جو نواح شہر میں تھا۔ وہاں میرے ساتھ پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ تانگہ وہاں سے دور ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس باغ میں داخل ہوتے وقت ریٹا ذرا گھبرائی۔

"یہ تو جن اور بھوتوں کا ٹھکانہ معلوم ہوتا ہے۔ تم یہ آج مجھے کہاں لے آئے؟" ریٹا مجھ سے مخاطب ہوئی۔ اس بھولی لڑکی کو خبر ہی نہیں تھی کہ ایک جن زاد ہی اس کے ساتھ تھا۔

"تو کیا ہوا؟" میں ہنس کر بولا۔ "زیادہ سے زیادہ یہی تو ہو گا کہ کوئی جن تم پر عاشق ہو جائے گا۔"

"ڈراؤ مت' آئندہ یہاں کبھی نہیں آؤں گی۔"

وہ دوپہر بہت اچھی گزری۔ باغ سے نکل کر خاصی دور پیدل چلنے کے بعد سواری ملی۔ ریٹا کو اس کے گھر اتار کر میں نے اقبال کے جسم کو تانگے ہی میں چھوڑا اور پھوٹ لیا۔ اب مجھے آدم زادوں کے جسم میں داخل ہونے اور نکلنے کی عادت ہوتی جا رہی تھی۔

کہتے ہیں کہ ہوس کا کوئی انت' یعنی آخر نہیں۔ سو میں وہاں سے سیدھا بملا کی کوٹھی جا پہنچا۔ وہ بھی ایک ہی حرافہ تھی۔ میں اگر بوالہوس تھا تو اس نے بھی ریکارڈ توڑ رکھا تھا۔ رات کو تو یاسف اس کے پاس ہوتا' دن میں راجندر یا کوئی اور۔ جو لڑکی اپنے نوجوان نوکروں تک پر ہاتھ صاف کرنے سے باز نہ آئے' وہ بھلا کسی ایک کی بن کر کیسے رہ سکتی ہے۔ دن میں بھی وہ عیش کرتی ہے' اسی روز مجھے یہ اندازہ ہوا۔ اس کا عاشق راجندر ہی خواب گاہ میں تھا۔ راجندر کو میں نے ہی ایک رات بملا کی خواب گاہ سے مار پیٹ کر بھگایا تھا لیکن اس روز ایسا نہیں کیا۔ ابھی وہ دونوں مرحلہ عشق کی پہلی منزل میں تھے کہ میں راجندر کے جسم پر قابض ہو گیا۔

"آج میں بہت خوش ہوں۔" بملا نے راجندر کے دھوکے میں مجھ سے کہا۔

"کیا ہوا؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"وہی جو میرے پچھلے جنم کا پتی ہے نا اسی نے بہت بڑا کام کر دیا۔" پھر وہ کام کی تفصیل بتانے کے بعد بولی۔ "پتا جی اس پر حیران رہ گئے۔"

"تمہارے پتی کی آتما اگر پھر کبھی میری موجودگی میں یہاں آ گئی تو بہت برا ہو گا۔"

"ارے وہ تو رات کو آتا ہے اور تمہیں میں دن کے وقت بلاتی ہوں۔ اسے کس طرح پتا چلے گا۔"

"ویسے بملا! تو ہے بڑی کتی شے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ "تمہیں اگر میں گھاس ڈال دیتی ہوں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ تم اپنی اوقات بھول جاؤ۔ کتے ہو گے تم خود۔ میں اگر چاہوں تو تمہیں دھکے دے کر اپنی کوٹھی سے نکلوا سکتی ہوں۔" بملا کو غصہ آ گیا۔ "تمہاری اتنی ہمت کیسے ہو گئی کہ مجھے کتی کہو۔"

"کتی تو خیر تو ہے۔" میں نے پُرسکون آواز میں کہا۔

وہ ایک دم اٹھی اور پھر میرے منہ پر طمانچہ مارنے کو ہاتھ اٹھایا۔

میں نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ "توڑ دوں' بول ..... آوارہ کہیں کی۔ تُو یہ سمجھ رہی تھی کہ مجھے دھوکا دے سکتی ہے۔"

"چھوڑو میری کلائی۔" وہ زور آزمائی کرنے لگی اور پھر دوسرے ہاتھ سے میرے یعنی راجندر کے چہرے پر نقش و نگار بنانے کی کوشش کرنے لگی۔ یقیناً وہ ابھی اصل معاملے کو سمجھ نہیں سکی تھی کہ پردہ زنگاری میں کوئی اور ہے۔ سو اس نے چیخنے کی دھمکی دی۔

"چیخی تو گلا دبا دوں گا تیرا۔" میں نے اسے دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا۔ "تُو شاید ابھی پہچانی نہیں مجھے کہ میں کون ہوں۔ تیرے لئے میں' رام بھروسے بنا' اقبال کے جسم میں گھس کر تیرا کام بنایا تو کیا تیرے اس عاشق راجندر کے جسم پر قبضہ نہیں کر سکتا۔"

"تُو ..... تُو ضرور کوئی ..... کوئی بھوت ہے۔" بملا نے خوفزدہ آواز میں چیختے ہوئے میری طرف انگلی اٹھائی۔ "مجھے دھوکا ..... دھوکا دے رہا ہے تُو کہ ..... کہ میرے پچھلے جنم کے پتی کی آتما ہے۔" بملا ایک بار پھر پٹڑی سے اترنے لگی۔ "تُو کیوں ..... کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے؟" اس کی آواز میں بے بسی اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ "کوئی بھوت ..... بھوت ہی اس طرح منش کے شریر میں داخل ہو سکتا ہے۔" بملا کی دلیل بڑی مضبوط تھی۔

"اگر تُو مجھے اپنا پتی سویکار نہیں کرتی اور بھوت ہی سمجھتی ہے تو بھی میں تجھے ہرجائی پن نہیں کرنے دوں گا۔" میں نے سختی سے کہا۔

"تجھے اس کا کوئی ادھیکار (حق) نہیں۔" وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئی۔

"پچھلی مار بھول گئی کیا؟" میں نے اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھا لیا۔

"مار ڈال ..... مار ڈال مجھے۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔

مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ اسے راہ پر لانے کے لئے غلط طریقہ اپنایا۔ میں یہ بھول گیا کہ اس وقت جذبات کے تاروں پر انگلیاں رکھنے سے کچھ نہیں ہو گا' غصہ اس کے ہر احساس پر غالب ہے۔ میں اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا تُو شاید وہ صورت حال پیش نہ آتی۔ جب دروازے پر زوردار دستک دی جانے لگی تو مجھے اپنی غلطی کا خیال آیا۔

"بچاؤ ..... بچا....." وہ پھر زور سے چیخی مگر دوبارہ پورا لفظ ادا نہ کر سکی۔

میں نے اسے ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانہ کر دیا اور پھر خود ہی دروازہ کھول دیا۔ ملازمین کے ساتھ ہی راؤ بہادر بہاری لال بھی میرے سامنے کھڑا تھا۔

"کمینے تُو!" راؤ بہادر نے راجندر کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ عین اسی وقت میں راجندر کے جسم سے باہر آ گیا۔

راجندر کے جسم کو جھٹکا لگا اور پھر وہ راؤ بہادر کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ میں' بملا کی کوٹھی سے نکل آیا۔ وہ پہلی آدم زادی تھی جو یہ جاننے کے باوجود کہ میں غیر انسان ہوں' مجھ سے مرعوب نہیں ہوئی تھی۔ نرگس کا معاملہ مختلف تھا' وہ علم والی تھی' لیکن بملا تو اس سے قطعی مختلف تھی۔ نہ اسے علم سے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کوئی علاقہ تھا نہ کسی طرح مجھے اپنے قریب آنے سے روک سکتی تھی۔ میں بہت بے چین ہوا۔ شام ہو رہی تھی جب میں اپنے ٹھکانے پر پہنچا۔ یاسف موجود تھا۔

"اے علیالیش! تجھ سے تو اب ملاقات ہی نہیں ہوتی۔ تُو کہاں رہتا ہے؟" یاسف مجھے دیکھتے ہی بولا۔

"بس اے یاسف! نہ پوچھ آج کل کیا کیا بیت رہی ہے۔" میرے لہجے میں اداسی تھی۔

"ہوا کیا' کچھ مجھے بھی تو بتا۔ کہیں تُو بھائی دروازے کی طرف تو نہیں چلا گیا تھا؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا' پھر بہلا کا قصہ سنا دیا۔

میں اور یاسف ہی کیا' کوئی بھی جن زاد یہ پسند نہیں کرتا کہ جو آدم زادی اس کے تصرف میں ہو' وہ کسی آدم زاد سے بھی تعلق رکھے۔ سو میری بات سن کر یاسف کو بھی غصہ آ گیا اور کہنے لگا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اتنی ذلیل ہو گی۔ آج رات اس فریبی آدم زادی کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ پھر کبھی کسی آدم زاد کا تصور بھی نہ کر سکے گی۔ مجھے تو اس نے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ اپنا شوہر تسلیم کر چکی ہوں اور اب اس پر صرف میرا ہی حق ہے۔ بڑی ہی دغاباز نکلی۔"

"غصے میں کہیں اس خوبصورت کھلونے کو توڑ نہ دیجیو اے یاسف! ابھی اس سے جی نہیں بھرا۔ لاکھ ہرجائی سہی مگر ہے تو حسین۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک کہتا ہے تُو۔ جی تو ابھی میرا بھی نہیں بھرا۔"

رات کا سناٹا پھیلنے لگا تو ہم دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ مجھے وازعہ سے ملنا تھا۔

وازعہ مجھے اپنے مسکن کے باہر مقررہ جگہ پر مل گئی تو میں نے اس سے پوچھا۔ "تیرا باپ ہاموس تو سو گیا نا؟"

"وہ نہ سوتا تو میں تجھ سے ملنے کیسے آتی اے علیالیش! چل آج رات بھی اسی برگد کے پیڑ پر چلتے ہیں جہاں....."

"تُو نے پچھلی ملاقات میں جو وعدہ کیا تھا' تجھے یاد ہے نا؟" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کون سا وعدہ؟ مجھے تو یاد نہیں۔"

"یہی کہ کیل دیئے جانے والے مکان میں داخل ہونے کا عمل بتا دے گی۔"

"یہ تو نہیں کہا تھا میں نے ..... ہاں یہ ضرور کہا تھا کہ اس پر پھر بات کریں گے۔" وہ میری باتوں میں نہ آئی۔

"میں انتقام کی آگ میں جل رہا ہوں وازعہ اور ..... اور تجھے کوئی پرواہ نہیں۔" میں نے پُرجوش آواز میں کہا۔ "اسی پر تجھے عشق کا دعویٰ ہے۔"

"میرے عشق کی سچائی کو آزمائش میں نہ ڈال اے علیالیش! تجھے میں بتا چکی ہوں کہ اپنے باپ سے عہد....."

"اے وازعہ! تجھے اپنا عہد عزیز ہے' اپنا عشق عزیز نہیں ..... ٹھیک ہے' آئندہ میں تجھ سے

نہیں ملوں گا۔" میں جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہر جا اے علیالیش! مجھے سوچنے سمجھنے کی مہلت دے۔" وازعہ میرے سامنے آ گئی۔

پھر چند ہی لمحوں کے بعد ہم دونوں ایک کھنڈر میں تھے۔ میں اس کے کہنے پر رک گیا تھا۔ اس رات وازعہ نے مجھے بے خودی کے لمحوں میں وہ عمل بتا دیا کہ جس کی خاطر میں نے اس کا قرب گوارا کر لیا تھا۔ اسی خیال سے میں رک بھی گیا تھا ورنہ وہ کوئی آدم زادی تو تھی نہیں کہ میں اس کا دیوانہ ہو جاتا۔ اس عمل کی کچھ شرائط بھی تھیں جن کو پورا کرنا کم از کم اس رات میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ یوں بھی مجھے نصف شب کے بعد خدیجہ کے پاس پہنچنا تھا۔ وازعہ سے رخصت ہو کر میں نے ایک نہر میں ڈبکی لگائی کہ مجھے خدیجہ کی خاطر اسی رات سے ہاموس کا تعلیم کیا ہوا عمل کرنا تھا۔ عمل کے لئے میرا پاک ہونا بھی ضروری تھا۔

میں نصف شب کے قریب خدیجہ کے گھر پہنچا تو وہ توقع کے مطابق مجھے اپنے گھر کی بیٹھک ہی میں جاگتی مل گئی۔ وہ میرے ہی انتظار میں جاگ رہی تھی۔ تنگ اور بدبودار کوٹھری سے اسے نجات مل گئی تھی۔ اس کے دن واقعی پھر گئے تھے۔ چارپائی کی بجائے اب وہ ایک بڑے پلنگ پر تھی۔ میں خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کا بچہ دوسری طرف سو رہا تھا۔ بیٹھک میں لیمپ کی دھیمی روشنی تھی اور دروازے بند تھے۔ اپنی موجودگی کا اسے میں نے جلد ہی احساس دلا دیا۔

وہ ایک دم اچھل کر بیٹھ گئی اور غصے میں بولی۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے؟ مجھے یہ حرکتیں بالکل پسند نہیں۔"

میں دانستہ خاموش رہا کہ دیکھوں وہ ڈرتی ہے کہ نہیں۔

"مجھے معلوم ہے تم آ چکے ہو' بولو نا' ورنہ میں سو جاؤں گی۔ ایک تو تمہارے انتظار میں اب تک جاگ رہی تھی' اس پر آتے ہی تم نے بدتمیزی شروع کر دی۔"

خدیجہ کچھ اس طرح بولی کہ مجھے ہنسی آ گئی۔

"دیکھا' میں ٹھیک سمجھی تھی نا' نکلے تمہی۔"

"میں تو سمجھا تھا کہ تم سو رہی ہو تو تمہیں جگانے کی خاطر....."

"اس طرح جگاتے ہیں۔" اس نے آنکھیں نکالیں۔

"اچھا چلو' اب ادھر بیٹھ جاؤ۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "عمل شروع کرنے کا وقت ہو رہا ہے۔"

نصف شب گزرتے ہی میں نے عمل پڑھنا شروع کر دیا خدیجہ مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھی تھی۔ میرے ایما پر اس نے بیٹھک کے فرش پر ایک چادر بچھا لی تھی۔

مجھے یہ اندازہ نہیں تھا نہ ہی ہاموس نے یہ بتایا تھا کہ اس عمل کا کیا ردعمل ہو گا۔ میں تو اس وقت بوکھلایا کہ جب اچانک خدیجہ پوری قوت سے چیخنے لگی۔ "نہیں ..... نہیں ہامہ! اب نہیں۔" ہامہ اسی دیوزاد کا نام تھا کہ جس نے خدیجہ کو اس حالت پر پہنچایا تھا۔ خدیجہ کسی ماہی بے آب کی طرح فرش پر گر کے تڑپ رہی تھی۔ چیخوں سے اس کا بچہ بھی جاگ گیا اور سارے گھر والے بھی اٹھ گئے۔ بیٹھک کے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

دروازے پر زور زور سے دی جانے والی دستک اور آوازیں اسی کا ثبوت تھیں۔

میں اتنا تو جانتا ہی تھا کہ کسی عمل یا وظیفے کو درمیان میں چھوڑ دینا انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ اس سے عامل اور معمول دونوں ہی کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ ایک جن زاد' یعنی میں خود سے زیادہ قوی جن کے اثر کو ختم کر رہا تھا۔ خدیجہ بار بار ہامہ کا نام لے کر اس سے التجائیں کر رہی تھی۔ اس سے میں نے یہی قیاس کیا کہ ذلیل و سرکش ہامہ بھی وہاں آ گیا ہے اور عمل رکوانے کی خاطر خدیجہ کو اذیت دے رہا ہے۔ جنات بڑی مشکل ہی سے کسی آدم زادی کا پیچھا چھوڑتے ہیں۔ چیخ پکار اور ہنگامے کے باوجود میں نے عمل ترک نہیں کیا۔ ہاموس نے جو وقت مقرر کیا تھا' وہ میں نے پورا کیا۔ اسی کے ساتھ خدیجہ تڑپتے تڑپتے ایک دم ساکت ہو گئی اور چیخنا بھی بند کر دیا۔ میں لپک کر اس کے قریب پہنچا تو دیکھا وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کا بچہ جاگنے کے بعد اب تک روئے جا رہا تھا۔ بیٹھک کے اندرونی دروازے کو غالباً اب توڑنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ میں نے اسی لئے دروازہ کھول دیا۔

خدیجہ کے تینوں بھائی تیزی سے اندر داخل ہوئے۔ انہی کے پیچھے خدیجہ کی بھابیاں بھی تھیں۔ ایک نے روتے ہوئے بچے کو اٹھا کر کاندھے سے لگا لیا' دوسری نے لیمپ کی لو تیز کر دی۔ بے ہوش خدیجہ کو فرش سے اٹھا کر پلنگ پر ڈال دیا گیا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور لباس بے ترتیب تھا۔ چھوٹے بھائی سلیم اللہ نے اس کے اوپر چادر ڈال دی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ خدیجہ نے جس جن کو اپنے قبضے میں کیا ہے' وہ باغی ہو گیا ہے اور اب خدیجہ کو ستا رہا ہے۔" خدیجہ کے بڑے بھائی نے قیاس آرائی کی۔

"میں نے اس کا نام بھی سنا ہے۔ خدیجہ ہامہ کا نام لے رہی تھی۔" دوسرے بھائی نے بتایا' پھر کہنے لگا۔ "میں نے ایک مولانا صاحب کا بہت نام سنا ہے۔ وہ روحانی علاج کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔ میرا ایک دوست ان سے واقف ہے۔ مولوی کفایت اللہ نام ہے شاید ان کا اور وہ بھائی دروازے میں رہتے ہیں۔ وہ خود کہیں نہیں جاتے' حاجت مند ہی ان کے پاس جاتے ہیں۔ میں آج اپنے دوست سے بات کرتا ہوں۔ پھر کل خدیجہ کو وہاں لے چلیں گے۔"

چھوٹے بھائی سلیم اللہ نے بھی اس تجویز کی تائید کر دی اور بولا۔ "ہامہ جن' خدیجہ کو خدانخواستہ ہلاک بھی کر سکتا ہے۔"

مولوی کفایت اللہ کے ذکر پر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ بڑا خطرناک آدم زاد تھا۔ اگر خدیجہ کے گھر والے اسے مولوی کے پاس لے جاتے تو جانے کیا صورت ہوتی۔ مجھے تو ابھی مزید چھ دن عمل کرنا تھا۔ یہی سوچ کر میں ایک دم بول اٹھا۔ "اے آدم زادو! اسے ہرگز اس مولوی کے پاس نہ لے جانا ورنہ یہ زندہ نہیں بچے گی۔ میں' ہامہ نہیں ہوں۔ ہامہ تو اس کا دشمن ہے۔ میں اسے ہامہ کے اثر ہی سے نکالنے کے لئے عمل کر رہا ہوں۔ ہامہ نہیں چاہتا کہ میرا عمل پورا ہو۔ وہ اسی لئے خدیجہ کو ستا رہا ہے۔ ابھی مجھے مزید چھ راتوں کو یہ عمل کرنا ہے۔ اگر عمل کے دوران میں کوئی مداخلت ہوئی یا عمل پورا نہ ہو سکا تو خدیجہ ہی نہیں اس گھر کا کوئی بھی فرد زندہ نہیں رہے گا۔"

میری غیر انسانی آواز سن کر وہ سبھی گنگ رہ گئے۔ ان کے چہروں سے خوف و دہشت کا اظہار ہو رہا تھا۔ اسی وقت خدیجہ کے کراہنے کی آواز آئی اور سبھی ادھر متوجہ ہو گئے۔ اسے ہوش آ گیا تھا۔ سلیم اللہ نے اس سے پوچھا۔ "تمہیں کیا ہوا تھا باجی!"

"کب؟" وہ حیران سی ہو کر بولی۔

"تم کسی ہامہ کا نام لے لے کر چیخے جا رہی تھیں۔" سلیم اللہ نے بتایا۔

"میں ..... میں تو کسی ہامہ کو نہیں جانتی۔" خدیجہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر حیرت زدہ سی ہو کر پوچھنے لگی۔ "تم سب یہاں کس طرح آ گئے؟ دروازہ تو میں بند کر کے لیٹی تھی۔"

"ہمیں نہیں معلوم خدیجہ کہ دروازہ کس نے کھولا۔" خدیجہ کے بڑے بھائی نے کہا۔ "تم اس قدر زور زور سے چیخ رہی تھیں کہ ہم ڈر گئے اور دروازہ توڑنے والے تھے کہ خود بخود دروازہ کھل گیا۔ تم فرش پر بے ہوش پڑی ملیں۔" ان لوگوں نے شاید اب اپنے حواس پر قابو پا لیا تھا اور خدیجہ کو ہوش میں دیکھ کر وہاں غالباً میری موجودگی کو بھی بھول گئے تھے۔

خدیجہ نے اپنے بیٹے کو گود میں لے لیا' پھر کہنے لگی۔ "مجھے کچھ خبر نہیں کیا ہوا' میں تو سو رہی تھی اور ابھی آنکھ کھلی ہے۔"

میں سمجھ گیا کہ خدیجہ مصلحتاً اپنے گھر والوں سے میرا ذکر نہیں کر رہی۔ گھر والوں نے بھی اس سے میرے بارے میں کچھ نہ کہا اور بیٹھک کا اندرونی دروازہ کھلا رکھنے کی تاکید کر کے چلے گئے۔

"خدیجہ!" میں نے دھیمی آواز میں اسے مخاطب کیا' پھر عمل کے دوران اس پر جو کچھ گزری تھی اس کے متعلق دریافت کیا۔

مجھے خدیجہ کے جواب پر حیرت ہوئی' اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ میں پھر وہاں رکا نہیں اور چلا آیا۔

خدیجہ کے گھر سے نکل کر ابھی میں کچھ ہی دور آ سکا تھا کہ ہامہ نے مجھے پکڑ لیا اور پھر ایک تالاب کے کنارے لے آیا۔ مجھے پچھاڑ کر وہ میرے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور غرایا۔ "اس وقت تُو عمل کر رہا تھا اس لئے میں قریب نہیں آیا لیکن اب تو تیرا کچومر نکال دوں گا ..... میرے منع کرنے کے باوجود تُو نے خدیجہ کو زیر کیا اور میں اسے تیری پہلی غلطی سمجھ کر طرح دے گیا کہ تُو نے اس سے معافی بھی مانگ لی تھی۔ پھر بھی تُو کمینگی سے باز نہ آیا اور اسے آئندہ اپنے تصرف میں لانے کی خاطر عمل شروع کر دیا۔ عالم کے بچے! بول اب میں تیرا کیا حشر کروں؟" وہ مجھے مارنے لگا۔ میں نے لاکھ یہ کوشش کی کہ اس کی گرفت سے نکل جاؤں' مگر کامیابی نہ ہوئی۔ "بتا' کل سے عمل کرے گا؟" وہ میری گردن دبانے لگا۔ "یہ میری توہین ہے کہ جو آدم زادی میری ہو' اسے کوئی اور برتے۔"

میرا جواب سننے کے لئے ہامہ نے گردن دبانا چھوڑ دی تو میں بڑی عاجزی سے روتے ہوئے کہنے لگا۔

"بھائی ہامہ! تم ..... تم اب تو اس سے نہیں ملتے' پھر ..... پھر مجھے کیوں روکتے ہو؟"

"ابے تُو بڑا ہی بے غیرت اور ڈھیٹ ہے۔ اتنا پٹنے کے باوجود نہیں مان رہا۔" پھر ہامہ مجھے تالاب میں گھسیٹ لے گیا اور بڑی درگت بنائی۔ میرا دم گھٹنے لگا تو وہ مجھے دوبارہ اوپر لے آیا۔ "اب تیرا دماغ

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

درست ہوا؟"

ظالم ہامہ سے بچنے کی یہی صورت تھی کہ میں اس کی بات مان لیتا لیکن اسی وقت مجھے خیال آیا کہ جو عمل ہاموس نے مجھے تعلیم کیا ہے' اس کا ورد شروع کر دوں۔ شاید اس طرح میری جان بچ جائے۔ یہ وہی عمل تھا کہ جو میں خدیجہ کے لئے پڑھتا رہا تھا اور اس عرصے میں ہامہ میرے قریب نہیں آ سکا تھا۔ خود ہامہ نے بھی یہ اعتراف کیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے ورد شروع کر دیا۔ ہامہ کے جسم کو زبردست جھٹکا لگا اور وہ اچھل کر تالاب میں جا گرا۔ انکل لگ گئی اور پھر میں وہاں سے ورد کرتا ہوا ریس لگا گیا۔ ہامہ کے ظلم سے بچنے کی تدبیر میرے ہاتھ آ گئی تھی۔

شیطان ہامہ سے پٹ کر میری حالت اس قابل نہیں رہی تھی کہ اس رات کسی اور طرف سے رخ کرتا' سو ٹھکانے پر آ گیا۔ ساری رات کراہتے گزری اور نیند نہیں آئی۔ ان آدم زادیوں کی طلب نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ اک پیاس کا صحرا تھا کہ میں جس سے آبلہ پا گزرنے پر مجبور تھا۔

صبح دم یاسف لوٹ کر آیا تو اس نے میری حالت پر تاسف کیا۔ خدیجہ کے بارے میں اسے میں نے بتا ہی دیا۔

"یہی تو تجھ میں خرابی ہے اے علیالیش کہ مجھے دوست کہنے کے باوجود رازداری سے کام لیتا ہے۔ ایک میں ہوں کہ تجھ سے کچھ نہیں چھپاتا۔" پھر وہ راوی میں ڈبکی لگانے چلا گیا اور آ کر مجھ پر دم کیا' پھر بتانے لگا۔ "بہلا نے معافی مانگ لی ہے۔ تیرے لئے ایک نئی خبر یہ ہے کہ اس کے یہاں کوئی مہمان آئی ہے۔ اس کا تعلق کسی ریاست سے ہے۔ محض تیری خاطر اسے میں نے نہیں چھیڑا۔ دور سے ایک جھلک دیکھی تھی۔ اس کا نام للتا ہے۔ تُو اسے دیکھے گا تو نرگس کو بھول جائے گا۔" پھر وہ دیر تک للتا کے حُسن کا قصیدہ پڑھتا رہا۔

یاسف کے دم کرنے سے میری تکلیف ختم ہو گئی اور نیند آنے لگی۔ وہ پورا دن میں نے سوتے ہوئے گزارا۔ یاسف ابھی مکان میں موجود تھا۔ میرا ارادہ آج رات نرگس کی طرف جانے کا تھا کہ وہ عمل آزماؤں جو ہاموس کی بیٹی وازعہ سے معلوم ہوا تھا لیکن للتا کے حُسن کا جو نقشہ یاسف نے کھینچا تھا' اس نے مجھے روک لیا۔

"اے یاسف! آج تُو بہلا کی طرف نہ جا۔" میں بولا۔

"ٹھیک ہے' مَیں زینت کے پاس چلا جاتا ہوں۔" وہ راضی ہو گیا۔ "تُو شاید للتا کو دیکھنا چاہتا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے اعتراف کر لیا' پھر آہستہ سے ہنس کر کہا۔ "مَیں صرف دیدار سے بہلنے والا نہیں' اس کا اندازہ شاید تجھے بھی ہو گا۔"

"تجھے میں ایک بات تو بتانا بھول ہی گیا' للتا کے ساتھ مجھے ایک خطرناک آدم زاد بھی خزانے کے سانپ کی طرح نظر آیا تھا۔ اس سے تجھے بچ کے رہنا پڑے گا۔ ہندوؤں میں بھی تو کچھ ایسے آدم زاد ہوتے ہیں جو علم جانتے ہیں۔ حلیئے سے وہ مجھے ایسا ہی لگا تھا۔ للتا اسے گرو دیو کہہ رہی تھی۔" یاسف نے بتایا۔

"ایسی تیسی اس گرو دیو کی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تُو کہے تو اے علیالیش! میں آج رات زینت کے پاس نہ جاؤں اور تیرے ساتھ چلوں۔" یاسف بولا۔

وہ کس لئے؟" میں نے پوچھا۔ "تُو کسی اور دن چلا جائیو' وعدے سے نہ پھر اور نہ بھول کہ تُو مجھ سے کہہ چکا ہے' میری خاطر للتا کو نہیں چھیڑا۔"

"بڑا افسوس ہے' اے علیالیش کہ تُو مجھے آج تک سمجھ نہیں سکا۔ میں تو اس لئے تیرے ساتھ چلنے کو کہہ رہا تھا کہ گرو کہیں کالا علم نہ جانتا ہو۔ اس نے اگر مداخلت کی تو ہم دونوں مل کر اس سے بھگت لیں گے۔ ایک مرتبہ ہاموس ہی نے مجھے بتایا تھا' کافر جنات کی طرح کافر آدم زاد بھی کچھ ایسے علوم سے واقف ہوتے ہیں کہ جنات کو قابو میں کر لیں۔ پھر بھی تُو اگر اکیلا ہی جانا چاہتا ہے تو میں تیرے ساتھ چلنے کی ضد نہیں کروں گا۔" یاسف نے اپنی صفائی پیش کی۔

"ہاں مجھے اکیلا ہی جانے دے اور ڈرانے کی کوشش نہ کر۔" میں نے کہہ دیا۔

یاسف چلا گیا تو میں بھی ویران مکان سے نکل آیا۔ آدم زادوں کی بستی خاموشی میں ڈوب چکی تھی۔

میں' للتا کے تصور میں ایسا غرق تھا کہ مجھے خبر ہی نہ ہوئی' کب اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

چاندنی رات میں وہ منظر میرے لئے انتہائی حیران کن تھا جو کوٹھی کی حدود میں داخل ہوتے ہی مجھے نظر آیا۔ کوٹھی کے بڑے سے لان میں ایک سرو قد آدم زادی اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے کھڑی تھی۔ اس کا رخ چاند کی طرف تھا' جسم پر ریشمی لبادہ تھا۔ یاسف نے للتا کا جو نقشہ کھینچا تھا' وہ اس پر پوری اترتی تھی۔

میں ایک بے خودی کے سے عالم میں جیسے اس کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ اچانک اس کے جسم کو میں نے دھیرے دھیرے فضا میں بلند ہوتے دیکھا۔ پھر وہ میری طرف پلٹی۔

"تُو خود ہی آ گیا۔ میں تو تیری تلاش میں جا رہی تھی۔" اس کی خواب ناک سی آواز مجھے سنائی دی۔

مجھے اسی لمحے یوں لگا جیسے میرا جسم ساکت ہو گیا ہے اور میں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔ میں نے آگے بڑھنا چاہا مگر ناکام رہا۔

"فضول کوشش نہ کر کہ میں نے تجھے قید کر لیا ہے۔" اس کے حسین لبوں نے حرکت کی اور پھر دھیرے دھیرے ہی اس کا جسم فضا سے نیچے آنے لگا۔

اس خیال سے کہ ایک کافر آدم زادی مجھے اپنا قیدی بنا چکی ہے' میں نے بڑی ذلت محسوس کی۔ اسی کے ساتھ مجھے ڈر بھی لگا کہ وہ نہ جانے میرا کیا حشر کرے۔ پھر میں نے سوچا' اس اجنبی آدم زادی کو میری تلاش کیوں تھی؟ ابھی یہ سوال تشنہ جواب ہی تھا کہ اس نے اپنا ایک ہاتھ میری طرف اٹھایا۔ میں نے چنگاریاں سی اپنی طرف لپکتے دیکھیں اور پھر انہی چنگاریوں نے میرے وجود کو اپنے گھیرے میں لے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

لیا۔

"میں تجھے زندہ جلا دوں گی۔" یہ وہ آخری الفاظ تھے جو میں نے سنے' پھر میرے ہوش و حواس برقرار نہ رہ سکے۔

☆======☆======☆

آدم زاد واقعی اللہ کی بڑی خطرناک مخلوق ہے۔ جنات اسی لئے تو آدم زادوں سے بچے رہنے کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اس کا تجربہ مجھے پہلے بھی ہو چکا تھا اور اس رات بھی ہوا جب ایک کافر آدم زادی للتا نے مجھے زندہ جلا دینے کی دھمکی دی اور پھر میں بے ہوش ہو گیا۔ معلوم نہیں اس ظالم حسینہ کو مجھ غریب جن زاد سے کیا دشمنی تھی۔ بھلا کسی آدم زادی کی آرزو کرنا بھی کوئی جرم ہے۔ میں نے تو کئی آدم زادیوں کے ایسے واقعات سنے تھے جو باقاعدہ جنات سے نکاح کر کے ان کی بیویاں بن گئی تھیں۔ میں بھی چاہتا تو اس کے لئے کسی آدم زادی کو آمادہ کر لیتا۔ زینت ہی سے اگر کہتا کہ چندا میری بیوی بن جاؤ اور میرے ساتھ نکاح پڑھوا لو تو وہ فوراً راضی ہو جاتی لیکن بیوی اور محبوبہ میں فرق ہوتا ہے۔ بیوی تو بس بیوی ہوتی ہے۔ کسی ایک کا بن کے رہنا مجھے پسند ہی نہیں تھا' خواہ وہ کوئی آدم زادی ہو کہ جن زادی۔ ایک ہی چہرہ دیکھتے دیکھتے جی بھی تو اوب جاتا ہے۔ یہ بھی کوئی زندگی ہوئی کہ ایک ہی کھونٹے سے بندھے رہو یا کسی کو باندھ لو۔ یکسانیت میرے مزاج کا حصہ ہی نہیں تھی اور یقیناً آدم زادوں کی اکثریت بھی یکسانیت کو پسند نہیں کرتی۔ آج ایک پھول کی خوشبو سے روح کو مہکایا تو کل کسی کلی کو پھول بننے پر اکسایا۔ آج ایک خواب شرمندہ تعبیر ہوا تو کل ایک نیا خواب در دل پر دستک دینے لگا۔ شوق آوارگی چین سے نہیں بیٹھنے دیتا ورنہ میں اس رات للتا کی طلب میں کیوں قید ہو جاتا۔

مجھے اس بات کا علم بعد میں ہوا کہ میری بے ہوشی خاصی طویل تھی۔ اس کے لئے مجھے دانستہ ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانہ رکھا گیا تھا۔

حواس میں آنے کے بعد خود کو میں نے ایک اجنبی جگہ پایا۔ پختہ چھوٹی اینٹوں سے بنی ہوئی وہ کوئی گہری سی جگہ تھی جس میں اترنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ حواس کھونے سے پہلے میں جس عذاب میں گرفتار تھا اب وہ کیفیت نہیں تھی' نہ چنگاریاں مجھے گھیرے میں لئے ہوئے تھیں۔ میں اپنے جسم کو حرکت دینے پر بھی قادر تھا۔ سو پھر میں وہاں کیوں پڑا رہتا۔ میں گہرائی سے اوپر کی طرف چلا لیکن ابھی مشکل سے اوپر پہنچنے کے لئے نصف راستہ ہی طے کیا ہو گا کہ میرے جسم نے جھٹکا کھایا۔ وہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ میں پھر گہرائی میں جا گرا۔ پھر کئی بار اسی کوشش کے بعد مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ وہاں مجھے قید کر دیا گیا ہے۔ میں مقررہ حد سے اوپر نہیں جا سکتا۔ اس جگہ کی خاموشی اور تشنگی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بملا کی کوٹھی کا کوئی حصہ ہرگز نہیں ہے۔ وہاں سے نکلنے کی جدوجہد میں نڈھال ہو کر میں ایک طرف پڑ گیا۔ وہاں جگہ جگہ چھوٹے پتھر' روڑے اور کنکریاں بکھری ہوئی تھیں۔ زمین بھی ناہموار سی تھی۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہونے لگے۔ للتا اگر مجھے زندہ ہی جلا دینے والی تھی تو پھر اس نے اب تک ایسا کیوں نہیں کیا؟ وہ تو میرے لئے قطعی اجنبی تھی' اس سے میری کوئی دشمنی بھی نہیں تھی تو

کس لئے مجھے قید کر رکھا تھا؟ میری سمجھ میں صرف یہ آیا کہ شاید اس حرافہ بملا نے للتا سے میرا ذکر کر دیا ہو۔ للتا کتنی خطرناک تھی' اس کا تجربہ بھی مجھے ہو چکا تھا۔ معلوم نہیں حسین ترین آدم زادیاں اس قدر خطرناک کیوں ہوتی ہیں کہ ہم جیسا کوئی جن زاد ان کے پیچھے پر ہاتھ ہی نہ رکھ سکے۔ یہ تو سراسر ظلم ہے۔ نرگس کے بعد یہ دوسری آدم زادی تھی جس نے مجھے قریب نہیں آنے دیا تھا لیکن للتا قطعی مختلف نکلی۔ اس کا اندازہ مجھے ذرا ہی دیر کے بعد ہو گیا۔

ہوا یہ کہ میں نے بلندی پر زینے کی ابتدائی سیڑھیوں سے اسی کافر حسینہ کو اترتے دیکھا۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ ایک باریش "دھوتی بند" بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس شخص کا جسم گٹھا ہوا' بازو پُر گوشت اور سر پر شانوں تک لٹکے ہوئے بال تھے' آنکھیں درمیانی تھیں۔ گھنی داڑھی اور مونچھوں کے درمیان اس کا دہانہ غائب تھا۔ دھوتی کے اوپر کسی موٹے کپڑے کا کرتہ پہنے ہوئے تھا' گلے میں بڑے موتیوں کی مالا تھی۔ وہ دھیرے دھیرے باتیں کرتا للتا کے ساتھ گہرائی میں اتر رہا تھا۔ للتا اس وقت سرخ ریشمی ساڑھی باندھے ہوئے تھی' ساڑھی پر سبز رنگ کے پھول بنے تھے۔ سرخ ساڑھی میں اس کا سرخ و سفید جسم جیسے لَو دے رہا تھا۔ ابھی وہ دونوں مجھ سے خاصے اوپر تھے' پھر بھی میں نے ان کا تفصیلی جائزہ لے لیا تھا۔ مجھے ان دونوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ ادھیڑ عمر کا وہ باریش آدمی اپنے حلئے سے مجھے للتا کا گرو ہی معلوم ہوا۔ یاسف نے مجھے اس کا حلیہ بتایا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب اسے ہوش آ جانا چاہئے' سے ہو گیا ہے۔" گرو کہہ رہا تھا۔ "نہ بھی ہوش آیا تو میں اشلوک پڑھ کے چلا جاؤں گا۔ پھر وہ ہوش میں آ جائے گا۔ تیرے ساتھ اسی لئے میں آیا ہوں۔ جو سمجھایا ہے' اسے دھیان میں رکھنا۔ بملا کی وجہ سے بھگوان نے کام بنوا دیا ورنہ یہ ہمارے ہاتھ نہ آتا۔"

"کام تو بن گیا گرو جی پرنتو مجھے ڈر لگتا ہے۔" للتا جواب میں بولی۔

"تم اتنی بلوان (طاقتور) ہو کر ڈرتی ہو۔ کچھ نہیں ہو گا۔ تمہیں اسے گندا کرنا ہے' اس کے بغیر وہ قابو میں نہیں رہے گا۔" گرو کا انداز سمجھانے والا تھا۔ "تبھی تو میں جاپ کر پاؤں گا۔ تم سے ملاپ کے بعد اسے پانی سے دور ہی رکھنا ہے تاکہ وہ پوتر (پاک) نہ ہو سکے۔ اس کے لئے جاپ پورا ہونے تک ہم اسے یہیں قید رکھیں گے۔ جاپ (عمل' وظیفہ) پورا ہو گیا تو پھر کوئی چنتا (فکر) نہیں رہے گی۔ ہم جو کہیں گے سو وہ کرے گا۔"

"گرو جی! یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہو' پر اس سے پہلے کسی بھوت بلا کو میں نے قریب نہیں آنے دیا۔ میں نے تو یہ سنا ہے کہ اس سے شریر (بدن) میں آگ سی بھر جاتی ہے اور پھر....."

"غلط سنا ہے تم نے' یہ ان بھوت پریت میں سے نہیں کہ پھر استری (عورت) کسی اور کے قابل نہ رہے۔ یہ جو تین دن بیتے ہیں اسے یہاں لا کر قید کئے ہوئے تو اس عرصے میں مجھے بہت کچھ پتا چلا ہے۔ ہاں اس کا نام معلوم نہیں کر پایا جو تمہیں معلوم کرنا ہے۔ جاپ کے لئے اس کے نام کی جانکاری بھی ضروری ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

باتیں کرتے ہوئے اب وہ دونوں زینے کی آخری سیڑھیوں تک اتر آئے تھے۔

"گرو جی! آپ جو کرنے کو کہتے ہو' اس کے لئے یہ جگہ بھی تو اچھی نہیں۔" للتا نے ایک اور اعتراض کیا۔

"یہاں سے اسے نکال کر کہیں اور لے جانا خطرناک ہو گا۔ یہ فرار بھی ہو سکتا ہے۔ تمہارے پتا کالی چرن جی تو پہلے ہی ان باتوں کے خلاف ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ ان کے آدمی ہر حال میں شہباز خاں کو ڈھونڈ کر مار دیں گے۔ پچھلے ہی ہفتے مجھ سے وہ کہہ رہے تھے "گرو جی! کسی جاپ واپ کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ انہیں میرے اور تمہارے میل ملاپ پر بھی شاید شک ہو گیا ہے۔ اگر کسی طرح شہباز خاں کا کانٹا نکل جائے تو وہ میرے آبھاری (ممنون) ہو جائیں گے۔ پھر ہمارے ملن پر بھی انہیں اعتراض نہ ہو گا۔ سو جو میں کہتا ہوں' وہ کرو۔"

گرو ایک نمبر کا بدمعاش نکلا۔ کہاں للتا جیسی کافر ادا حسین ترین آدم زادی اور کہاں گرو۔ اپنی "بلبل" کے پہلو میں اس لنگور کو دیکھ کر میں بہت ہی تپا۔ رقیب ہو کر وہ للتا کو میری زینت آغوش بن جانے کی ترغیب دے رہا تھا۔ ہرچند کہ اس سے میرے دل میں خوشی کے لڈو پھوٹنے لگے لیکن اسی کے ساتھ قسمت پھوٹنے کا خطرہ بھی لاحق تھا۔

میں نے جی ہی جی میں سوچا' بیٹا علیالیش! امتحان کی گھڑی سر پر آن پہنچی ہے۔ اس کافر آدم زادی کے قیامت خیز حسن سے بچ کر دکھا تو جانوں۔ اب تک تو خود تجھے یہ آرزو رہتی تھی لیکن آج ایک آدم زادی تیری تسخیر کے در پے ہے۔ پھر جی میں آیا کہ گرو کی گردن مروڑ دوں اور للتا کو لے بھاگوں۔ یہ احمقانہ خیال گزشتہ تجربے کی روشنی میں دم توڑ گیا۔ خود للتا جب اتنی خطرناک تھی کہ مجھے تن تنہا پچھاڑ لیا تو گرو اس سے دو جوتے آگے ہی ہو گا۔

سیڑھیوں سے اتر کر وہ دونوں مجھ سے کچھ فاصلے پر آ کھڑے ہوئے۔ دونوں اس طرح میری طرف دیکھ رہے تھے جیسے میں انہیں دکھائی دے رہا ہوں۔

چند لمحے بعد عیار گرو کی آواز ابھری۔ "للتا! یہ ہوش میں ہے اور یوں ہی دھوکا دینے کو بے حرکت پڑا ہوا ہے۔"

"ہاں گرو جی! مجھے بھی یہی جان پڑتا ہے۔ آپ جاؤ' میں اسے دیکھتی ہوں۔"

گرو اپنی "چیلی" کے کہنے پر کسی فرمانبردار بچے کی طرح سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔ حسین لڑکیوں کے عاشق چاہے ان کے گرو ہوں کہ چیلے سعادت مند ہی ہوتے ہیں۔ اسی سعادت مندی میں فائدہ بھی ہے۔ زن مریدی کو کوئی لاکھ برا کہے مگر جنہیں اس کا چسکا پڑ جاتا ہے' وہ ایک کان سے برا بھلا سنتے ہیں اور دوسرے سے اڑا دیتے ہیں۔ دو' کانوں کا آخر کچھ تو مصرف ہو۔

پول کھل جانے کے بعد بے ہوش بن کر پڑے رہنا فضول ہی تھا' سو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ للتا کچھ بھی سہی مگر میرے حسابوں تھی عقل سے پیدل ہی۔ اس کا گرو بھی ایسا ہی لگتا تھا۔ اگر وہ مجھ غریب جن زاد کی عزت و آبرو پر حملہ ہی کرنا چاہتی تھی تو بغل میں ایک آدھ چادر یا چٹائی ہی داب لاتی۔ ممکن ہے

ذہنی طور پر وہ اس کے لئے تیار نہ ہو ورنہ اپنے گرو سے آخر تک "بکتا بحثی" نہ کرتی۔ بہرحال میں سخت الجھن کا شکار تھا۔ اس کافرہ کی خواہشات پر قربان چڑھنے کا مقصد اپنی آزادی کھونا ہوتا۔ کاش اس معاملے میں یہ ایک عدد پیچ نہ آتا۔ اگر یہ پیچ تھا بھی تو مجھے اس کی خبر نہ ہوتی۔ پھر تو رادی عیش ہی عیش لکھتا۔ بعد میں جو گزرتی سو گزر جاتی۔

اس غارت گر ہوش کا گرو تو وہاں سے ٹل لیا اور وہ میرے روبرو آ کھڑی ہوئی اور بڑے پیار بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

میں پہلے ہی اس سوال کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا' سو جھٹ بولا۔ "عبدالغفور۔ میری اماں پیار سے مجھے غفورا بھی کہتی تھی۔ ہرچند کہ ابھی تم سے میرا کوئی رشتہ استوار نہیں ہوا لیکن تم بھی چاہو تو مجھے غفورا کہہ سکتی ہو۔ میں برا نہیں مانوں گا۔"

میرا جواب سن کر وہ چونکی' پھر کہنے لگی۔ "تُو مُسلا ہے؟" مجھے "مُسلا" کہتے ہوئے اس کے لہجے میں حقارت سی تھی۔ "مسلمان" کا اس نے یہ حلیہ بگاڑا تھا۔

"ہاں ہوں تو سہی۔ اب سوچ لو اچھی طرح' میرے ملن سے تمہارا دھرم (مذہب) خطرے میں پڑ جائے گا۔ مجھے تم اونچی ذات کی لگتی ہو اور میں ٹھہرا تمہاری نظر میں ایک نیچ ذات مُسلا۔" باتیں بنانا اور آدم زادوں کو اس طرح اُلو بنانا مجھے خوب آتا تھا۔ ہندوؤں کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ وہ مسلمانوں کو بھی اچھوت ہی سمجھتے ہیں۔ میں اسی معلومات سے فائدہ اٹھا کر بہ جبر و اکراہ اس حسن توبہ شکن سے دامن بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تُو نے میری اور گرو جی کی باتیں سن لی ہیں۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "تُو کسی مُسلے کی بھٹکی ہوئی آتما (روح) ہے' یہ بات غلط نکلی پھر؟" وہ اپنے ہندو عقیدے کے مطابق کہنے لگی۔ عموماً جنات کو ہندو بھٹکی ہوئی روحیں سمجھتے ہیں۔

مجھے کیا پڑی تھی کہ اسے عالم جنات کے بارے میں کچھ بتاتا۔ میں نے اس کے عقائد درست کرنے کا ٹھیکا ہی نہیں لیا تھا۔ خود میں صاحب عقیدہ ہونے کے باوجود کب اپنے عقائد پر عمل پیرا تھا۔ میرے اعمال کون سے درست تھے۔ میں تو بس نام کا مسلمان تھا ورنہ آدم زادیوں کے چکر میں پھنسنے کی بجائے کسی جن زادی سے نکاح پڑھواتا اور ہاموس کی طرح پنج وقتہ نماز پڑھا کرتا۔ کسی ویران حویلی میں ڈیرا ڈال دیتا اور بچوں کی فوج ظفر موج میرے آگے پیچھے اڑتی پھرتی۔

للتا نے مجھ سے جو سوال کیا تھا' میں نے اس کے جواب میں کہا۔ "تمہارے گرو جی نے گزشتہ تین روز میں میرے متعلق یقیناً یہ بھی معلوم کر لیا ہو گا کہ میں ایک مسلمان ہی کی بھٹکی ہوئی روح ہوں۔ تمہیں اگر میری بات پر یقین نہیں تو ان سے جا کے پوچھ لو۔"

میں نے اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھے۔ پھر ذرا توقف کے بعد وہ بولی۔ "لیکن تُو نے بھلا سے تو کچھ اور ہی کہا تھا؟"

"ہاں۔" میں نے فوراً اعتراف کر لیا۔ "اسے میں نے اپنا نام سوہن ہی بتایا تھا اور یہ بھی کہ میں

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

پچھلے جنم میں اس کا پتی (شوہر) تھا۔ اگر میں اس سے یہ جھوٹ نہ بولتا تو بھی میرا کام چل ہی جاتا' لیکن راضی بہ رضا ہونے میں اور زبردستی میں بڑا فرق ہے۔ مجھے کسی کے ساتھ زبردستی پسند نہیں' نہ اپنے ساتھ کسی کی زبردستی اچھی لگتی ہے۔" میں نے آخر میں اپنے مطلب کی بات بھی کہہ دی' پھر اس پر مزید پٹو ڈالنے کی خاطر بولا۔ "تم مجھ سے جو کام بھی لینا چاہو' میں کوئی رشوت لئے بغیر بھی کرنے پر آمادہ ہوں۔ اس طرح تمہارا دھرم بھی بھرشٹ ہونے سے بچ جائے گا اور میرے ملن سے جو ذہنی اور جسمانی اذیت تمہیں ہونے کا امکان ہے' وہ بھی نہیں ہو گی۔ تم ایک بار مجھے آزما کر تو دیکھو۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تُو اپنے قول سے نہیں پھرے گا؟ جب تُو بملا سے جھوٹ بول سکتا ہے تو....."

"تمہاری اور بملا کی بات مختلف ہے۔ تمہارا اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔ تم تو مجھے جلا کے خاک بھی کر سکتی ہو۔" میں نے اسے بانس پر چڑھایا کہ اس وقت یہی مناسب تھا۔

للتا کے چہرے سے اب قدرے اطمینان جھلکنے لگا۔ شاید وہ تھوڑی بہت بانس پر چڑھ گئی تھی۔ کسی اور دوسری صورت حال کو غالباً وہ اپنے لئے خطرناک اور اذیت رساں سمجھ رہی تھی۔

اسے چپ دیکھ کر میں پھر بول اٹھا۔ "تم خود ہی سوچو' تمہیں پا لینے کی تمنا کون نہیں کرے گا؟ تم جیسی نازک اندام و خوش خرام حسینہ کو دیکھ کر تو پارساؤں کی پارسائی خطرے میں پڑ جائے۔ کوئی بھی اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دے۔ تمہاری تو پوجا کی جانی چاہئے۔ تم تو حسن کی دیوی ہو۔ تمہارے جسم کو تو چھونا بھی پاپ (گناہ) ہے۔" پھر جوش جذبات یا پھر احساس رقابت میں میرے منہ سے ایک ایسی بات نکل گئی جو کم از کم اس وقت نہیں نکلنا چاہئے تھی۔ میں کہہ گیا۔ "گرو جی کو بھی یہ پاپ نہیں کرنا چاہئے۔"

"تُو نے یہ کیا بکواس شروع کر دی۔ تجھے اس سے کیا مطلب؟ یہ میرا اور گرو جی کا معاملہ ہے۔ میں تو ان کے چرن دھو کر پیتی ہوں۔" وہ برہم ہو گئی۔

"یہ بھی کوئی اچھا نہیں کرتیں تم۔ پیروں میں مٹی اور میل بھی لگا ہوتا ہے۔ تمہیں گرو جی کے پیر دھو کر وہ گندا پانی پیتے ہوئے گھن نہیں آتی؟" اس کی خفگی کا خیال نہ کر کے میں اپنی ہی ہانکے گیا۔ "گرو جی کو ویسے بھی سوچنا چاہئے کہ تم ان کی چیلی ہو اور چیلیوں کے ساتھ قابل اعتراض تعلقات رکھنا بڑی بُری بات ہے۔ گرو' یعنی ایک استاد کا درجہ تو....."

"خاموش۔" اس نے مجھے ڈانٹ دیا۔ اس کا حسین چہرہ سرخ ہو کر مزید حسین ہو گیا۔ "اگر تُو نے اب گرو جی کے بارے میں کوئی بکواس کی تو باندھ کر اتنا ماروں گی کہ ہمیشہ کے لئے زبان چلانا بھول جائے گا۔ کمینہ کہیں کا۔ مجھے سبق پڑھانے چلا ہے۔"

اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ گرو بدبخت سے رقابت رکھنے کے باوجود اپنے دل کی بات زبان پر نہیں لانا تھی۔ جسم اس کا تھا۔ وہ چاہے اسے کسی بھنگی کو سونپ دیتی' میں بھلا کون اعتراض کرنے والا۔ یہی سوچ کر میں نے اسے دوبارہ گھاٹ پر لانے کے لئے کہا۔ "اے حسن کی دیوی! میرا مقصد خدانخواستہ گرو جی یا تمہارا اپمان کرنا ہرگز نہ تھا۔ میں تو بس اپنے جذبات عقیدت و محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ گرو جی کی

جگہ اے کاش اگر میں ہوتا تو تمہاری پوجا ہی کرتا' تمہیں ہاتھ نہ لگاتا کہ ہاتھ لگانے سے دیویاں گندی ہو جاتی ہیں۔"

"تُو بس اپنی بات کر۔ گرو جی کا نام اپنی گندی زبان پر نہ لا۔" وہ کچھ نرم پڑنے لگی۔

زبان پر نام لانا تو کجا' میں تو اس کی صورت پر تھوکنا بھی پسند نہیں کروں۔ میں نے یہ سوچا تو ضرور مگر زبان سے کچھ اور ہی کہا۔ "میں تمہارے حکم سے باہر نہیں ہوں۔ تمہارے ناتے سے میرے لئے بھی گرو جی قابل احترام ہیں۔ ان کے تو چہرے ہی سے شرافت ٹپکتی ہے۔" خباثت کی جگہ بڑی مشکل سے میں نے شرافت کہا تھا۔ اس شعلہ رو کو ٹھنڈا تو کرنا ہی تھا ورنہ وہ غصے میں آ جاتی تو مجھے "ٹھنڈا" کر دیتی۔ اس پر میں ابھی راضی نہیں تھا۔

اس وقت تو میں نے "بتولے" بنا کر اسے ٹرخا دیا اور اپنی عزت لٹنے سے بال بال بچا لی مگر کچھ ہی دیر بعد پھر اس کے درشن ہو گئے۔ اس مرتبہ درشن دہرے تھے' یعنی بدبخت گرو بھی اس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ طویل مذاکرات کے نتیجے میں میرے اور اس کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ وہ میرے متعلق گرو سے مشورہ کر کے ہی کوئی فیصلہ کرے گی۔

وہاں سے نکلنے کی جدوجہد میں مجھے اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ میرا جسم کہاں تک بلند ہونے کے بعد جھٹکا کھا کر نیچے آ گرتا تھا۔ ابھی وہ دونوں سیڑھیاں اترتے ہوئے اس جگہ تک نہیں پہنچے تھے۔ مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق میں نے ان گرو اور "چیلی" پر نظر پڑتے ہی سوچ لیا' اِدھر یا اُدھر۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ کوشش کر کے تو دیکھ لوں' کیا خبر دھیل لگ ہی جائے۔ اگر کامیابی ہو گئی تو ان کمبخت کافر آدم زادوں کی جی حضوری تو نہیں کرنا پڑے گی ورنہ تو ظالموں نے قیدی بنا ہی لیا ہے اور اب اس قید کو غلامی میں بدلنا چاہتے ہیں۔ کسی جن زاد کے لئے یہ بڑی قابل شرم بات ہے کہ کوئی آدم زاد اسے اپنا غلام بنا لے۔ اس سے تو مر جانا بہتر ہے۔

مصنوعی عارضی بے ہوشی یا ان کافروں کی غفلت سے اتنا فائدہ بہرحال ہوا کہ مجھے ان کے ارادوں کا پتا چل گیا ورنہ مجھ جیسے آوارہ جن زاد پر کوئی للتا جیسی کافر حسینہ' چاہے اپنی مطلب براری ہی کے لئے قربان ہونے لگے تو کفران نعمت کا سوال نہیں۔ اس وقت للتا کو جیت لینے کا مطلب میری ہار پر منتج ہوتا' سو میں جان بوجھ کر ہار گیا۔ اب میں اسی ہار کو جیت میں بدلنے کے لئے پر تول رہا تھا۔ ایسے مواقع میری زندگی میں کم ہی آئے تھے کہ میں نے اپنی جان کی پرواہ بھی نہ کی ہو۔

جیسے ہی وہ دونوں میرے اندازے کے مطابق خطرے کی حد عبور کر کے مزید نیچے اترے' میں چشم زدن میں گرو تک پہنچا اور پھر گھبرا گیا۔ اس کافر کے جسم میں بلا کی تھکن تھی۔ جی چاہا کہ اس کے جسم سے باہر آ جاؤں مگر دم سادھ لیا۔ اس اچانک حملے کے نتیجے میں گرو کے جسم کو شدید جھٹکا لگا۔ للتا اگر بروقت اس کا بازو نہ پکڑ لیتی تو وہ سیڑھیوں پر لڑھکتا ہوا نیچے گہرائی میں جا گرتا۔ جھٹکا لگنے سے اس کے جسم کا توازن بگڑ گیا تھا۔ اس کے بدبودار جسم میں داخل ہوتے ہی میری حالت خود قابل رحم تھی' سو اسے نہ سنبھال پاتا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"کیا ہوا گرو جی! کیا ہو گیا آپ کو؟" للتا فکرمندی سے بولی۔ وہ رک گئی تھی۔

فوری طور پر میں اس کے سوال کا جواب نہ دے سکا کہ ابھی اس قابل ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ پہلا انسانی جسم تھا کہ جس میں اتر کر مجھے اس قدر گھٹن محسوس ہوئی تھی۔ یقیناً اس بدکار کے باطن میں بڑا اندھیرا تھا۔ میں نے گھٹن دور کرنے کے لئے لمبے لمبے سانس لئے۔

"آپ کچھ بولو تو سہی گرو جی!" للتا نے مجھے ایک مرتبہ پھر مخاطب کیا۔

"ٹھہرو ..... ذرا ٹھہرو ..... ابھی بولتا ہوں۔" میں نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔ ذرا دیر اور گزری تو مجھے اس خبیث گرو کے جسم میں قرار آ ہی گیا۔ پھر میں نے کہا۔ "وہ بھاگ گیا۔"

"کون گرو جی؟" للتا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی جسے ہم بملا کی کوٹھی سے باندھ کر لائے تھے۔" میں نے بتایا' پھر گہرائی کی طرف اشارہ کیا۔ "تم خود ہی دیکھ لو' وہ کہیں نظر آ رہا ہے؟"

"مگر ..... مگر گرو جی! یہ ..... یہ کیسے ہو گیا؟" للتا نے گہرائی میں نگاہ دوڑائی۔ گرو کے جسم میں چھپ کر میں اسے دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"جب میں تمہارے ساتھ نیچے اتر رہا تھا تو اسے بجلی کی طرح کوند کر اپنے قریب سے گزرتے دیکھا۔" میں اسے اُلو بنانے لگا۔ "پھر اس سے پہلے کہ میں اسے باندھ لیتا' اس نے مجھے دھکا دیا اور غائب ہو گیا۔ وہ ایک مُسلے کی آتما تھی اور تمہیں تو خبر ہے' مُسلوں کے پاس ہم سے بڑا علم ہے۔ کچھ پڑھنت آتی ہو گی اسے کہ ہمارا گھیرا توڑ دیا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا گرو جی! سارے کئے کرائے پر پانی پھر گیا۔" للتا نے اظہار تاسف کیا۔ "چلیں اب یہاں کیا رکھا ہے' واپس چلتے ہیں۔ پتا جی آپ سے ملنے کو کہہ رہے تھے۔ اشنان گرہ (غسل خانہ) سے نکل کر وہ پوجا کے لئے بیٹھ رہے تھے۔ اب تک پوجا کر چکے ہوں گے۔"

گرو کے اطمینان سے فائدہ اٹھا کر میں نے اس کے جسم پر قبضہ تو کر لیا تھا مگر اب میری ہوا خراب ہو رہی تھی۔ جس نادیدہ حصار سے ٹکرا کر میں کئی بار نیچے گر چکا تھا' وہ ابھی تک برقرار تھا۔ مجھے خبر تھی کہ وہ حصار میرے ہی لئے قائم کیا گیا تھا' ہاں اس کا پتا نہیں تھا کہ کسی انسانی جسم میں چھپ کر کیا صورت پیش آ سکتی ہے۔ میں اسی لئے چوکڑی بھولا ہوا تھا۔ گرو اور للتا کو تو میں اس سے گزر کر آتے جاتے دیکھ چکا تھا۔ حصار کی موجودگی ان پر اثرانداز نہیں ہوئی تھی۔

کچھ دیر کو مہلت لینے اور سوچنے کی غرض سے میں نے للتا سے کہا۔ "آؤ نیچے چل کر دیکھتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی سراغ مل جائے کہ آخر اس نے کیا کیا؟ کچھ جاپ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے لئے لکیر کاڑھ کر دائرے میں بیٹھنا پڑتا ہے۔" یہ کہتے ہی میں رکا نہیں اور تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

"گرو جی! اب چھوڑیں بھی۔" للتا کی آواز پیچھے سے آئی۔ "سانپ تو نکل گیا' اب لکیر کو کیا پیٹنا۔ میں اب یہ گھیرا توڑ دیتی ہوں۔ کوئی نوکر یا اس کا بچہ بالا ادھر نکل آیا تو بھول میں مارا جائے گا۔ اس گھیرے کا اب کوئی لابھ (فائدہ) نہیں۔"

للتا کے الفاظ میرے لئے کسی خوشخبری سے کم نہیں تھے۔ اس سے میں نے یہی نتیجہ نکالا کہ وہ نادیدہ حصار گرو اور للتا کو چھوڑ کر دوسروں کے لئے یقیناً خطرناک اور جان لیوا تھا۔ انہیں کیوں کوئی نقصان نہیں پہنچتا' اس کی وجہ وہی کالا علم ہو گا جس کے وہ ماہر تھے۔ اسی کالے علم کا ذکر مجھ سے یاسف نے بھی کیا تھا جسے میں نے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا تھا۔

سیڑھیاں اترتے اترتے میں رکا تو ایسی آواز آئی جیسے قریب ہی بجلی کڑکی ہو۔ مڑ کر اوپر دیکھا تو آتش بازی کا سا منظر تھا۔ چنگاریاں سی اڑ کر فضا میں بلند ہو رہی تھیں۔ چند ہی لمحے بعد وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ للتا کے اٹھے ہوئے دونوں ہاتھوں کو نیچے آتے دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا۔ میری مشکل خود بخود آسان ہو گئی ورنہ جانے کیا ہوتا۔

"تم کہتی ہو تو آ جاتا ہوں اوپر۔" میں پُرسکون آواز میں بولا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"ہاں گرو جی! آپ آ جاؤ۔ پتا جی کے پاس چلتے ہیں۔" للتا نے کہا اور وہیں کھڑی رہی۔

للتا پیاری! اب تو میں تیرے باپ کو بھی دیکھ لوں گا۔ میں نے سوچا اور پھر اس کے پاس پہنچ کر ساتھ ساتھ اوپر چل دیا۔

باہر آ کر معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑی اور شکستہ سی عمارت کا عقبی حصہ تھا۔ خاصے فاصلے پر دائیں جانب بڑے رقبے میں محل نما ایک دوسری بڑی عمارت نظر آ رہی تھی۔ اپنے طرزِ تعمیر سے وہ عمارت مجھے ایسی ہی لگی جیسے وہاں مسلمان آدم زاد رہتے ہوں۔ اس پر مجھے حیرت بھی ہوئی مگر اظہار نہ ہونے دیا۔ اس عمارت کے قریب پہنچنے کے بعد میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ جگہ جگہ محرابی دروازے اور دریچے دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے یہی سوچا کہ وہ عمارت مسلمانوں ہی نے بنوائی ہو گی اور اب یہاں ہندو رہتے تھے۔ جس شکستہ سی عمارت کے عقب میں مجھے قید کیا گیا تھا' اس کا طرزِ تعمیر بھی ایسا ہی تھا۔

وہاں تک پہنچتے پہنچتے للتا اور میرے درمیان صرف چند جملوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ للتا نے صرف اتنا کہا تھا کہ اگر پتا جی' شاہنواز خاں کو راستے سے ہٹانے کے لئے کہیں تو آپ نہ ماننا۔ جواباً مجھے اقرار ہی کرنا تھا' سو کر دیا۔ پھر وہ کہنے لگی کہ جب تک شہباز خاں ہاتھ نہ آ جائے جلدی نہیں کرنی۔

شہباز خاں کا نام گرو کی زبان سے آج ہی میں نے سنا تھا۔ للتا کے باپ کالی چرن کے آدمی' شہباز کی تلاش میں تھے کہ اسے مار ڈالیں۔ ابھی وہی قصہ نہیں نمٹا تھا کہ ایک اور شخص شاہنواز کو راستے سے ہٹانے یا نہ ہٹانے کا چکر چل گیا۔ معلوم نہیں یہ "مارا ماری" کیوں لگی ہوئی تھی۔ آدم زادوں نے تو قتل و غارت گری میں ہم جن زادوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ خدا جانے یہ شہباز اور شاہنواز کون تھے کہ کالی چرن ان کی جان لینے پر اتارو ہو گیا تھا۔ میں تو بس اتنا سمجھ سکا کہ دونوں میں کوئی تعلق ضرور ہے۔

اس کمرے کی آرائش و زیبائش قابلِ داد تھی جہاں مجھے للتا لے کر آئی۔ فرش پر دبیز ایرانی قالین بچھا تھا جس میں پاؤں دھنسے جا رہے تھے۔ دیواروں پر ریشمی پردے تھے۔ بیٹھنے کے لئے دیوان اور قدیم طرز کی آرام دہ کرسیاں تھیں۔ اونچی پشت والی ایک کرسی پر توتے جیسی لمبی اور آگے کی طرف مڑی ہوئی

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ناک والا ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس کے جبڑے بھاری' آنکھیں چھوٹی' ہونٹ پتلے' رنگ سانولا' سر کے بال سفید و سیاہ' بھوئیں گھنی اور رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ مجموعی طور پر چہرے سے سفاکی جھلکتی تھی۔ جسم توانا اور عمر ساٹھ سال سے اوپر ہی لگتی تھی۔ سفید دھوتی پر کڑھے ہوئے گلے کا سفید ہی کرتہ پہنے ہوئے تھا۔ وہ مجھے کسی بھی طرف سے للتا کا "پتا جی" معلوم نہ ہوا۔

"نمسکار" اور "جے رام جی" کا تبادلہ ہو گیا تو اس شخص نے مجھ سے سامنے بچھے صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔ میں اس کا شکریہ ادا کر کے صوفے میں دھنس گیا۔ للتا اپنے باپ کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئی تو وہ شخص مجھ سے مخاطب ہوا۔ "گرو جی! اس سمے میں نے آپ کو ایک اچھی خبر دینے کے لئے بلایا ہے۔ شہباز خان کا پتا چل گیا ہے۔ میرے آدمیوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا ہے۔ چند روز میں خبر مل جائے گی کہ اسے مار دیا گیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ اب اس کے تایا کو زندہ رکھنا بیکار ہے۔ آپ سے اس لئے صلاح کر رہا ہوں کہ اس بوڑھے شاہنواز خان کو آپ ہی کے مشورے پر زندہ رکھا گیا ہے کہ اس کے بھتیجے پر دباؤ برقرار رہے۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ بولیں آپ کیا کہتے ہیں؟"

بوڑھے شاہنواز اور شہباز کے درمیان رشتہ اب میری سمجھ میں آ چکا تھا' اسی کے ساتھ یہ بھی کہ شاہنواز ان لوگوں کی قید میں ہو گا۔

"اسی بیچ ایک ارچن (مشکل) اور بھی آ پڑی ہے۔" میرے کچھ بولنے سے پہلے کالی چرن دوبارہ بول اٹھا۔ "اس پر بعد میں بات کریں گے۔"

وہاں جو کھیل بھی کھیلا جا رہا تھا اسے سمجھنے کے لئے ابھی وقت کی ضرورت تھی۔ کچھ باتیں تو سامنے آ گئی تھیں' کچھ کا جاننا باقی تھا۔ میں نے اس دوران بہرحال یہ فیصلہ تو کر ہی لیا تھا کہ چند روز یہاں رہ کر سکون اور عیش کے ساتھ گزارے جا سکتے ہیں۔ اس فیصلے کی بڑی وجہ ظاہر ہے وہ کافر حسینہ للتا ہی تھی۔ گرو کے جسم پر قبضہ کرنے کے بعد اب میرے لئے للتا کا حصول کوئی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ میں اسی لئے اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھا۔ اسی کے ساتھ گرو کا کردار نبھانا بھی میری مجبوری تھی۔ شاہنواز کے سلسلے میں للتا نے مجھے جو سبق پڑھایا تھا' جواباً میں نے وہی فر فر سنا دیا۔

میرا جواب سن کر کالی چرن کے چہرے سے ظاہر ہوا کہ وہ سوچ میں پڑ گیا ہے۔ اسی وقت للتا بھی کہنے لگی۔ "پتا جی! وہی بہتر ہے جو گرو جی کہتے ہیں۔"

چند لمحے خاموشی کے بعد کالی چرن بولا۔ "گرو جی ہی کے کارن آج ہم راج کر رہے ہیں' سو ان کی بات تو ماننا ہی پڑے گی' پر جنتا بھی تو سر اٹھا رہی ہے۔ اسے اگر کسی طرح پتا چل گیا کہ اس ریاست کا اصل حکمران شاہنواز مرا نہیں زندہ ہے تو ریاست میں بغاوت ہو جائے گی۔ ایک شہباز خان کی وجہ سے جب انہوں نے اتنا اودھم مچا رکھا ہے تو شاہنواز خاں کو چھڑانے کے لئے تو وہ سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔"

"لیکن یہ راز کھلا تبھی تو ایسا ہو گا۔" للتا نے کہا۔ "پھر جب وہ شاہنواز خاں کا جنازہ اپنے کاندھوں پر اٹھا کر قبرستان تک لے جا چکے ہیں۔ قبر بھی موجود ہے تو پھر....."

"پھر یہ کہ شہباز خاں کے حمایتی اب کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں۔" کالی چرن نے للتا کی بات کاٹ دی۔ "وہ یہ افواہ پھیلا رہے ہیں کہ جس شخص کو شاہنواز خاں ظاہر کر کے قبر میں اتارا گیا ہے' وہ اس کا جڑواں بھائی ایاز خاں تھا۔ دراصل ہم سے بھی جلد بازی میں غلطی ہو گئی۔ شہباز خاں پر دباؤ ڈالنے کے لئے ہمیں یہ پیغام اس تک نہیں بھیجنا چاہئے تھا کہ اگر اس نے خود کو ہمارے حوالے نہ کیا تو ایاز خاں کو قتل کر دیا جائے گا۔ معلوم نہیں کس طرح اس حرام کے جنے کو پتا چل گیا کہ ایاز خاں مرا ہے' شاہنواز خان نہیں۔ مجھے تو اس معاملے میں اسی مردود کا ہاتھ لگتا ہے جس نے شہباز خاں کو پناہ دے رکھی ہے۔"

اب شاہنواز کا ایک جڑواں بھائی بھی نکل پڑا تھا جسے شاہنواز ظاہر کر کے سفرِ آخرت پر روانہ کیا جا چکا تھا۔ ایک میں سے ایک نئی گتھی نکل کر میرے دماغ کی چولیں ہلانے کے درپے تھی۔ مجھے کچھ پتا ہوتا تو کچھ بولتا بھی اس لئے چپ سادھے بیٹھا رہا۔ جس گرو کے جسم پر اس وقت میرا قبضہ تھا' مجھے اس کی اہمیت و حیثیت بھی کالی چرن کے الفاظ سے معلوم ہو گئی۔ شاید اسی لئے اس نے اپنی حسین بیٹی للتا کو گرو کے ساتھ کھل کھیلنے کا موقع دے رکھا تھا۔

"افسوس کی بات تو یہ ہے گرو جی کہ ہم نے اس ریاست پر کوئی ناجائز قبضہ نہیں کیا۔ پوری پوری رقم ادا کی ہے شاہنواز خاں کو۔ اس پر بھی یہاں کی مسلمان جنتا ہمارے خلاف ہے۔ اگر انگریز سرکار نے بھی ریاست پر ہمارا حق مان لیا ہے۔ پھر تو یہ کھلا ظلم ہے کہ جنتا' شہباز خاں کے بہکائے میں آ کر ہمی کو برا بھلا کہنے لگے۔" کالی چرن مجھے چپ دیکھ کر پھر بولا۔

"گرو جی نے کہا تو تھا کہ ایسے لوگوں کو پکڑ کر سخت سزائیں دی جائیں۔" للتا نے گویا اپنے باپ کو یاد دلایا۔ "آپ نے اس سلسلے میں حکم جاری کیا؟"

"ہاں' حکم جاری کئے ہوئے کئی روز ہو گئے۔ تم کیونکہ گرو جی کے ساتھ لاہور چلی گئی تھیں اس لئے تمہیں خبر نہیں ہوئی۔ مختلف بستیوں سے کوئی پانچ سو ایسے باغی پکڑے جا چکے ہیں' مگر بات وہیں کی وہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کس کس کو پکڑا جائے؟ ریاست میں ہندو کم اور مسلمان زیادہ ہیں۔"

میں خواہ ایک جن زاد سہی مگر تھا تو نسلاً مسلمان۔ کہتے ہیں کہ گھٹنے پیٹ ہی کی طرف مڑتے ہیں۔ اس روز پہلی مرتبہ مجھے ایک کافر حسینہ کے منہ سے مسلمانوں کی برائی اچھی نہ لگی۔ گرو کے مشورے پر تو مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تھی اور اس کی "چیلی" بے گناہوں کو پھانسی پر چڑھانے کی تجویز دے رہی تھی۔ ان کم بختوں کو کیا معلوم تھا کہ وہ ایک بگڑے دل ڈیڑھ سو سالہ نوجوان جن زاد کے جوش ایمانی کو ہشکا رہے ہیں۔

"لگتا یہی ہے کہ آخرکار سختی کرنا پڑے گی' صرف گرفتاریوں سے کچھ نہیں ہو گا۔" کالی چرن پہلو بدل کر بولا' پھر مجھ سے تصدیق چاہی۔ "کیوں گرو جی! آپ کا کیا وچار ہے؟"

"سوچ کر بتاؤں گا۔" میں نے فی الحال جان چھڑانا چاہی' مگر للتا "کمبل" ہو گئی اور مجھے کہنا ہی پڑا۔ "اس معاملے میں سختی سے کام نہیں چلے گا۔ پہلے میرا بھی یہی اندازہ تھا کہ شاید سختی کرنے سے معاملہ دب جائے گا مگر اب سوچ بچار کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا ہو گا۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک ہے گرو جی! آپ سوچ لیں۔" کالی چرن بولا۔ "آپ جو کہیں گے وہی ہو گا۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ جنتا بغاوت نہ کرے۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ جو بھی سوچنا ہے' جلد سوچیں۔ پانی اب سر سے اونچا ہونے لگا ہے۔ آج ہی صبح جنگل میں ایک سپاہی کی لاش بھی ملی ہے۔ دیوان جی۔ جے پال سنگھ کا تو کہنا یہ ہے کہ قریبی جنگل میں مسلمان باغیوں نے اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے اور انہی کے ہاتھوں سپاہی کا قتل ہوا ہے۔ میں نے تفتیش کو کہہ دیا ہے' دیکھیں کیا بات سامنے آتی ہے۔"

"پتا جی! آپ کسی ارجن کی بات بھی تو کر رہے تھے۔" للتا بولی۔

اب یہاں سے اٹھے گی بھی کہ اسی طرح باتیں بناتی رہے گی؟ میں نے سوچا۔ وہ ظالم خواہ مخواہ اپنے "ابا حضور" کے سامنے میری "پیشی" کو طول دیئے جا رہی تھی اور میں اس پر جل بھن رہا تھا۔ "امتحانی پرچہ" ختم ہوتا تو اس قزار جاں کو محل کے کسی کونے کھدرے میں لے جاتا۔ اس نے ابھی یہ موقع ہی نہیں دیا تھا اور سیدھی اس "تو تا ناک" کے پاس لے آئی تھی۔ میں ابھی اس ہندو نار کے غیر عاشقانہ رویے پر کف افسوس ملنے والا تھا کہ "پتا جی" بول اٹھا۔ اس بدبخت نے مجھی کو مخاطب کیا تھا۔

"گرو جی! ارجن میرے آدمیوں کو یہ آن پڑی ہے کہ کوئی مسلمان بابا جی' شہباز خاں کی مدد کر رہا ہے۔ خبر یہ ملی ہے کہ جب بھی اسے گھیر لیا جاتا ہے' بابا جی نہ جانے کہاں سے آ ٹپکتا ہے۔ پھر شہباز خاں کا کوئی پتا نہیں چلتا کہ کہاں گیا۔ کئی بار میرے آدمیوں نے شہباز خان کو اسی بابے کے ساتھ جنگل میں دیکھا ہے۔ اس بابا کے بارے میں عجیب عجیب طرح کی باتیں لوگ کرتے ہیں۔ رانی پور اور آس پاس کے علاقوں میں مشہور ہے کہ وہ بابا پُراسرار قوتوں کا مالک ہے' اسی وجہ سے جب جہاں چاہتا ہے' پہنچ جاتا ہے۔ معلوم نہیں یہ باتیں سچ ہیں کہ جھوٹ مگر شہباز خاں کو جنگل میں پناہ دینے والا یہی بابا ہے۔ اب آپ یہ بتائیں گرو جی کہ اس مسلمان بابا کا کیا بندوبست ہو؟"

"کچھ سوچتے ہیں' اس ارجن کا کوئی حل نکل ہی آئے گا۔" میں نے اس طرح کہا جیسے واقعی یہ کوئی اہم مسئلہ ہو۔

"اس میں سوچنا کیا ہے گرو جی!" للتا مجھ سے بولی۔ "آپ خود کیوں نہ چلے جاؤ وہاں' آپ کے آگے وہ بابا کیا کرے گا۔" پھر اس نے کالی چرن سے پوچھا۔ "رانی پور ہے کہاں؟"

"یہاں سے بہت دور سندھ میں ہے لیکن وہ بابا وہاں نہیں رہتا۔ بستی سے خاصی دور دریا کے کنارے جو جنگل ہے' بابا کو وہیں دیکھا گیا ہے۔" کالی چرن نے بتایا' پھر کہنے لگا۔ "مشورہ تو تم نے اچھا دیا ہے کہ خود گرو جی وہاں چلے جائیں۔ بس یہ ہے کہ گرو جی کو سفر میں تکلیف ہو گی۔"

"ان کی سیوا (خدمت) کے لئے میں بھی ساتھ چلی جاؤں گی۔ یہ قصہ تو کسی طرح ختم ہو۔"

"نہیں للتا! تمہیں میں اتنے لمبے سفر کی اجازت نہیں دے سکتا۔" کالی چرن نے صاف انکار کر دیا۔ "گرو جی کی سیوا کے لئے نوکرانیاں ساتھ چلی جائیں گی۔"

وہ دونوں باپ بیٹی آپس ہی میں باتیں کئے جا رہے تھے' مجھ سے کوئی نہیں پوچھ رہا تھا کہ میں بھی بستی چھوڑ کر جنگل میں جانے کو تیار ہوں یا نہیں۔ للتا ساتھ جاتی تو خیر اس پر غور بھی کیا جا سکتا تھا۔ کالی

چرن مجھے نوکرانیوں پر ٹرخائے دے رہا تھا۔ کہاں رانی کہاں نوکرانی۔ للتا کو میں نے اپنے دل کی رانی ہی تو بنا لیا تھا۔ سو اگر رانی کے ساتھ رانی پور جاتا تو مزہ بھی آتا۔ رانی میں کسی بھی قسم کی "نوک" مجھے ہرگز گوارہ نہیں تھی۔ میں نے اسی سبب فوری طور پر رانی پور جانے سے انکار میں دیر نہیں لگائی۔

"تو گرو جی کوئی اور رستہ نکالیں۔" کالی چرن میرا انکار سن کر بولا۔ "شہباز خاں کی گرفتاری بہت ضروری ہے۔ خود آپ بھی کئی بار یہ کہہ چکے ہیں۔"

خدا ہی جانے بدبخت گرو کیا کیا کہہ چکا تھا جس کی سزا مجھے بھگتنا پڑ رہی تھی۔

"نکل آئے گا رستہ۔" میں نے دلاسا دیا۔ "چنتا نہ کریں۔"

اسی وقت چھوٹے قد کی ایک گول مٹول سی نوجوان ہندو لڑکی' کالی چرن سے اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ مجھ سے بولی۔ "گرو جی! سبھا کا سمے ہو گیا ہے' چیلے آ گئے ہیں۔"

وہ لڑکی اطلاع دے کر مڑی ہی تھی کہ میں بولا۔ "ٹھہر' میں چلتا ہوں۔" لڑکی کو میں نے اس لئے روک لیا تھا کہ کم از کم وہاں تک تو پہنچ ہی جاؤں جہاں چیلے جمع ہیں۔ میرے لئے تو وہ قطعی اجنبی جگہ تھی۔ کسی آدم زاد کے جسم کو اپنانے میں یہ بڑا عذاب ہے کہ لمحے گھنٹوں میں بدل جاتے ہیں۔ اگر میں' گرو کے جسم سے باہر ہوتا تو چند لمحوں کے اندر اندر اس محل نما عمارت کے ایک ایک گوشے کو دیکھ چکا ہوتا۔ کسی آدم زاد کے جسم کو اپنانے سے پہلے میں اسی سبب پہلے ہی تمام معلومات حاصل کر لیتا تھا۔ اس بار ہنگامی حالات کے پیش نظر مجھے یہ موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ کسی معمولی آدمی کا جسم بھی نہیں تھا کہ چھوڑ کے بھاگ لیتا اور پھر آن دبوچتا۔ اس خبیث کے جسم سے تو نکلتے ہی مجھے فوری طور پر ریس لگا دینا پڑتی۔

پھر للتا تو وہیں اپنے باپ کے پاس رہ گئی اور میں اس لڑکی کے ساتھ کمرے سے نکل آیا۔ لڑکی شاید احتراماً میرے پیچھے چلنے لگی۔ اس طرح اسے ساتھ رکھنے کا مقصد ہی ختم ہوا جا رہا تھا۔

"آگے جا کر چیلوں کو بتا کہ میں آتا ہوں۔" مڑ کر میں نے لڑکی سے کہا اور رک گیا۔

لڑکی آگے آ کر ایک طرف چل دی اور پھر میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ چلتے چلتے لڑکی نے ایک بار پلٹ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ شاید وہ یہ سمجھی ہو گی کہ میں کہیں اور ہو کر وہاں پہنچوں گا جہاں سبھا (محفل) جمنے والی ہے۔ مجھے اپنے پیچھے آتے دیکھ کر وہ غالباً اسی لئے حیران تھی۔

وہ عمارت شیطان کی آنت تھی۔ مختلف راستوں سے گزر کر میں' لڑکی کا پیچھا کرتا ہوا ایک ایسے حصے میں آ گیا جو بقیہ عمارت سے قدرے مختلف تھا۔ ایک ہی نظر ڈال کر پتا چل گیا کہ اس حصے کی تعمیر کو طویل عرصہ نہیں گزرا۔ اس خوبصورت عمارت میں مجھے وہ حصہ کسی بدنما پیوند کی طرح معلوم ہوا۔ وہاں مجھے چھوٹے سے ایک مندر کا مینار بھی دکھائی دیا۔

اپنے سوا مجھے وہاں تقریباً سبھی گیروے لبادوں میں نظر آئے۔ میں اندر پہنچا تو انہوں نے جھک جھک کر میرے پیر چھوئے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ پختہ اینٹوں سے بنے ہوئے فرش پر بڑی سی دری بچھی تھی۔ میری آمد سے پہلے وہ اسی دری پر بیٹھے تھے۔ ان کی تعداد بیس پچیس سے کم نہیں ہو گی۔ جس

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

لڑکی کا پیچھا کرتے ہوئے میں وہاں پہنچا تھا' اس کے علاوہ بھی اور کئی لڑکیاں اِدھر سے اُدھر آتی جاتی نظر آئیں۔ ان میں سے کوئی زیادہ عمر کی نہیں تھی۔ گول مٹول لڑکی کی طرح دوسری لڑکیاں بھی سفید ساڑھیاں ہی باندھے ہوئی تھیں۔

یہ تو میں سمجھ گیا کہ وہاں جمع ہونے والے گرو کے چیلے ہیں۔ مگر وہ کیوں آئے ہیں؟ ان سے مجھے کیا کہنا سننا ہے؟ کچھ بھی علم نہیں تھا۔ وہ ہاتھ جوڑے اس طرح کھڑے تھے جیسے میرے کسی حکم کے منتظر ہوں اور میں ان کے درمیان ہونق بنا کھڑا تھا۔

"گرو جی! کیا آج سبھا نہیں ہو گی؟" لمبے قد والے ایک چیلے نے آخر پوچھ ہی لیا۔

قریب ہی سے ایک لڑکی گزر رہی تھی' وہ اس چیلے کے جواب میں بول اٹھی۔ "گرو جی اندر چل کر اپنے استھان (جگہ) پر جا کے بیٹھیں گے تبھی تو سبھا آرمبھ (شروع) ہو گی۔" لڑکی نے یہ کہتے ہوئے دائیں جانب دیکھا بھی تھا۔ ادھر مجھے کئی کمرے قطار سے بنے ہوئے نظر آئے۔

کچھ کہے بغیر میں اس طرف بڑھ گیا۔ ایک کمرے کے باہر دروازے پر وہی چھوٹے قد والی لڑکی کھڑی تھی۔ وہ مجھے آتے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گئی تو میں اسی کمرے میں گھس گیا۔ کمرہ اتنا چھوٹا تھا کہ میں چکرا گیا۔ یہاں بھلا محفل کیسے جمے گی؟ میں نے سوچا۔ کمرے میں سفید چاندنی بچھی تھی اور ایک طرف دیوار سے لگا گاؤ تکیہ رکھا تھا۔ اس کے سوا وہاں کچھ نہیں تھا۔ اس کمرے میں زیادہ سے زیادہ آٹھ دس آدمی آ کے بیٹھ سکتے تھے جب کہ باہر بیٹھے آدمیوں یا چیلوں کی تعداد دگنی سے زیادہ تھی۔ دروازے کے قریب چپل اتار کر میں آگے بڑھا اور گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا کہ دیکھوں اب کیا ہوتا ہے۔ اس وقت تک مجھے خبر نہیں تھی کہ میں اپنے استھان یا تھان پر آ کے بندھ چکا ہوں۔

ذرا ہی دیر بعد لڑکی نے دروازے سے اندر آ کر مجھ سے پوچھا۔ "گرو جی کا حکم ہو تو چیلوں کو اندر بھیجنا شروع کروں؟"

"ہاں ہاں' بھیجو۔" میں نے گویا حکم دے دیا۔

پھر ایک ایک کر کے چیلوں کو اندر بھیجا جانے لگا۔ وہ کمبخت چیلے ویلے نہیں' گرو کے مخبر تھے جو ریاست کے مختلف علاقوں سے خبریں لے کر آتے تھے۔ یقیناً یہ "سبھا" ہر صبح روز اسی وقت جمتی ہو گی۔ جواب میں گرو اپنے مخبروں کو ہدایات بھی دیتا ہو گا لیکن اس دن کسی چیلے یا مخبر کو کوئی ہدایت نہیں دی گئی۔ اس کار عبث میں تقریباً دو گھنٹے گزر گئے تب کہیں میری جان چھوٹی۔ اب وہاں صرف دو لڑکیاں رہ گئیں جو "چیلوں" کی خدمت گزاری میں مصروف تھیں۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ میری خدمت کرنے لگتیں' میں اٹھ کھڑا ہوا۔ وہاں موجود کمروں کا جائزہ لینے پر پتا چلا کہ ان میں سے ایک گرو کی خواب گاہ تھی۔ دوسرا کمرہ نشست گاہ کے طور پر اور تیسرا پوجا پاٹ کے لئے مخصوص تھا۔ خواب گاہ بھی بڑی پُرآسائش تھی اور نشست گاہ کو بھی خوب سجایا گیا تھا۔ ان چاروں کمروں میں سے صرف دو کمرے فضول تھے۔ ایک تو وہی سبھا والا کمرہ دوسرا پوجا پاٹ کا کمرہ جس میں چھوٹے چھوٹے چبوتروں پر دو تین مورتیاں رکھی تھیں۔ باہر پختہ فرش کے میدان کی دوسری جانب چھوٹا سا مندر تھا۔ میں نے وہاں کا پھیرا بھی لگایا۔

دو پنڈت اپنے روایتی لباس میں وہاں موجود تھے۔ انہوں نے میرے پیروں کو اپنے ناپاک ہاتھ لگائے۔ دونوں ہی حرام کا مال کھا کھا کر دنبے بنے ہوئے تھے۔ انہی دونوں میں سے ایک پیر چھو کر سیدھا کھڑا ہوا تو دھیمی آواز میں بولا۔ "گرو جی! قیدی بیمار ہو گیا ہے' اگر دوا دارو نہ ہوئی تو چل بسے گا۔"

پنڈت سے یہ سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اب تک جو حالات میرے علم میں تھے' ان کی روشنی میں قیدی صرف شاہنواز خاں ہی ہو سکتا تھا۔

"چل میرے ساتھ' میں دیکھتا ہوں۔" میں نے پنڈت سے کہا۔ مقصد یہ تھا کہ پنڈت مجھے شاہنواز خاں تک پہنچا دے۔

جواب میں پنڈت نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے میں نے کوئی عجیب بات کہہ دی ہو۔ پھر وہ ہکلایا۔ "گرو جی! مم ..... میں ..... میں آپ کے ساتھ ..... چلوں؟ پپ ..... پہلے تو آپ نے کسی پر اتنا وشواس (اعتماد) نہیں کیا کہ ..... کہ تہہ خانے میں ساتھ لے گئے ہوں۔"

لاعلمی قدم قدم پر مجھ اچھے بھلے جن زاد کو اُلو بننے پر مجبور کر رہی تھی حالانکہ اب تک میں دوسروں کو اُلو بناتا آیا تھا۔ پہلے "سبھا کے سے" نے چکرایا اور اب یہ موٹا پنڈت مجھے اپنی عقل پر ماتم کرنے پر اکسا رہا تھا۔ اے بدبخت اگر تُو کبھی اس تہہ خانے میں نہیں گیا جہاں قیدی موجود ہے تو تجھے کس طرح اس کی بیماری کا پتا چل گیا؟ یہی سوال دوسرے الفاظ میں میری زبان پر آ ہی گیا۔

"آپ ہی نے تو حکم دیا تھا گرو جی کہ میں اس کی دیکھ ریکھ رکھوں۔" وہ بھولی سی صورت بنا کر بولا۔

"ہاں دیا تھا حکم' تو پھر؟" میں چڑ سا گیا۔

"سو دیکھ ریکھ کر رہا ہوں۔ وہ کچھ بھی کہتا ہے تو سن کے ان سنی کر جاتا ہوں۔ کھانا پانی وقت پر دیا اور لوٹ آیا۔ کل شام کو میں نے دروازے کے قریب کھانے کی تھالی رکھی تو وہ اپنی جگہ پڑا کراہتا رہا۔ مجھ سے آپ کیسی ہی سوگند (قسم) لے لیں' آج تک میں نے دروازے کے اندر قدم نہیں رکھا۔" پنڈت اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔ "گرو جی! آپ کے حکم کا پالن کرنا ہی میرا دھرم ہے۔" وہ شاید یہ سمجھ کر خوفزدہ ہو رہا تھا کہ میں اس پر کسی طرح کا شک کر رہا ہوں۔ اب وہ بتا رہا تھا۔ "رات کو جب میں خالی برتن اٹھانے گیا تو کھانا ویسے ہی پڑا تھا۔ برتن خالی نہیں تھے۔ میرے من میں آئی کہ آواز دے کر پوچھ لوں کہ کھانا کیوں نہیں کھایا؟ لیکن چپ ہی رہا کہ آپ نے اس سے کوئی بات کرنے کو منع کر رکھا ہے۔ کراہتے ہوئے خود اسی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ہلنے جلنے کے قابل نہیں ہے۔ اس نے مجھ سے یہ بنتی (درخواست) بھی کی کہ میں اس کے لئے کسی دوا دارو کا بندوبست کروں مگر میں تھالی اٹھا کر واپس آ گیا اور....."

"اور یہ کہ تیری کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ابے دوا دارو تو بعد کی بات ہے' تُو نے اسے کھانا تو کھلا دیا ہوتا۔ اس طرح بغیر کچھ کھائے پیئے ویسے بھی مر ہی جائے گا۔ کھانا لے کر چل ابھی۔"

پنڈت فوراً دوڑ لیا۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ پنڈت کے ہکلانے کا سبب کیا تھا۔ گرو نے اسے تہہ

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

خانے کے اندر قدم رکھنے اور قیدی سے مکالمے بازی کو منع کر رکھا تھا۔

میری توقع سے پہلے ہی پنڈت کھانے کی تھالی لے کر آ گیا اور میں اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ مندر ہی کا چھوٹا سا تہہ خانہ تھا جہاں اس ریاست کے سابق حکمران شاہنواز خاں کو قید رکھا گیا تھا۔ لوہے کی سلاخوں والا دروازہ مقفل تھا جسے پنڈت ہی نے کھولا۔ میں نے پنڈت سے کھانے کی تھالی لے کر اسے وہاں سے ٹہلا دیا۔ اس سے مجھے بس اتنا ہی کام لینا تھا۔ چابی اور تالا بھی وہ دروازے کے قریب رکھا چھوڑ گیا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی میں نے دیوار کے قریب کپڑوں کا ایک ڈھیر سا پڑا دیکھا تھا۔ اس ڈھیر میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ یا تو وہ سو رہا تھا' گہری نیند یا پھر بے ہوش تھا۔ اس کے ایک پیر میں لمبی سی زنجیر بندھی ہوئی تھی جس کا دوسرا سرا تہہ خانے کی چھت کے قریب ایک آہنی حلقے سے منسلک تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ زنجیر اتنی بڑی ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ تہہ خانے کے اندر گھوم پھر سکتا ہے اور دروازے تک بھی آ جا سکتا ہے۔ جہاں وہ پڑا تھا' اسی سے کچھ فاصلے پر دیوار میں بیت الخلا تھا۔ وہاں مجھے کہیں گندگی یا کوڑا کرکٹ دکھائی نہیں دیا۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ تہہ خانے کی روزانہ باقاعدگی سے صفائی کی جاتی ہو گی۔ گویا پنڈت کے علاوہ بھی وہاں کسی کا آنا جانا تھا۔ گرو ہی نے اپنے کسی بااعتماد آدمی کو یہ ذمے داری سونپی ہو گی۔ وہ شخص بھی پنڈت کی طرح گونگا بہرا بن جاتا ہو گا۔ اپنا فرض انجام دینا اور چلا جانا۔

اس تہہ خانے کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد میں' قیدی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ نہ گہری نیند میں تھا نہ قطعی بے ہوش۔ میرے اندازے کے مطابق بھوکا رہنے کی وجہ سے اس پر نیم غشی سی طاری تھی۔ جسم گرم تھا۔ میں نے اسے سیدھا کیا تو اس کے چہرے پر وحشت سی نظر آئی۔ سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔

بڑی مشکل سے میں نے اسے کھانا کھلا کر پانی پلایا تو وہ کچھ بولنے کے قابل ہوا۔ "کمینے! تُو ..... تُو مجھے نہیں مرنے دے گا ..... ابھی نہیں۔"

"یار شاہنواز خاں! تم بہت ہی ذلیل آدمی ہو۔" مجھے غصہ آ گیا۔ "ایک تو میں نے تمہیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا اس پر شکریہ ادا کرنے کی بجائے مجھے کمینہ کہہ رہے ہو۔"

"میں تجھے کیوں کمینہ کہہ رہا ہوں' یہ بات تُو بھی جانتا ہے وشوا ناتھ!"

"کون وشوا ناتھ؟" میری زبان پر بے اختیار یہ سوال آ گیا حالانکہ وہ مجھی سے مخاطب تھا۔

"خود کو گرو جی کہلوا کہلوا کر کیا ..... کیا اب تُو اپنا نام بھی بھول گیا؟ میں نے اگر اپنی آستین میں تجھ جیسے سانپ کو نہ پالا ہوتا تو ..... تو شاید آج میرا یہ ..... یہ حال نہ ہوتا۔" اس کے لہجے سے انتہائی دکھ کا اظہار ہو رہا تھا۔ پھر وہ اچانک پاگلوں کی طرح چیخ اٹھا۔ "چلا جا یہاں سے ..... تجھے دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اترنے لگتا ہے۔"

"تم کہتے ہو تو چلا جاتا ہوں ورنہ تو میں کسی اور ہی ارادے سے آیا تھا۔" میں نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"قتل کرنے آیا تھا؟ تو کر دے قتل۔ کیا شہباز خاں پکڑا گیا؟ بتا کیا ارادہ ہے تیرا؟" وہ اس طرح بولا جیسے مجھے پھاڑ کھائے گا۔

"تمہیں آزاد کرنے کا ارادہ تھا۔" میں نے دھیرے سے کہہ دیا اور اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔

"تُو اور مجھے آزاد کرے گا۔" وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "ہاں زندگی کی قید سے ضرور آزاد کر سکتا ہے جس کے لئے میں ہر وقت تیار رہتا ہوں۔ یہ مت بھولا کر وشوا ناتھ کہ میرا نام شاہنواز خان ہے اور میں اس ریاست کا حکمران ہوں۔ تجھ جیسا دو ٹکے کا آدمی مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔"

"بے وقوف تو خیر تم ہو شاہنواز خاں! ایسا نہ ہوتا تو اپنی ریاست کالی چرن کو فروخت نہ کرتے۔" میں نے اسے دانستہ چھیڑا۔ "اب اس ریاست پر تمہاری حکمرانی کا دعویٰ کسی پاگل کی بڑ کے سوا کچھ اور نہیں۔ تم آخر احمقوں کی جنت میں کب تک رہو گے؟"

"جب تک میں زندہ ہوں کوئی مجھے اس دعوے سے دستبرداری پر مجبور نہیں کر سکتا۔ مجھے تو حیرت اس پر ہے وشوا ناتھ کہ تُو سب کچھ جانتے بوجھتے میرے ہی منہ پر جھوٹ بول رہا ہے۔ آج بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نشے میں تھا اور ..... اور پھر اس رات تُو ہی کالی چرن کو جوا کھلوانے لایا تھا۔ اس کے بعد تمہی دونوں نے مجھے نشے کی حالت میں یہ بتایا تھا کہ ..... کہ میں جوئے میں اپنی ریاست ہار گیا ہوں اور ہاں وہ ..... وہ بھی تو تھی رکمنی ..... کالی چرن کی حسین و نوجوان بیوی اور میری داشتہ ..... اسی نے تو مجھ سے ..... کاغذات پر دستخط کرائے تھے۔ یاد ہے مجھے' سب یاد ہے ..... مر گئی وہ حرام زادی کہ زندہ ہے ابھی؟"

"اسے تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھی لیکن اس کی بیٹی سے واقف ہوں۔ للتا نام ہے اس کا۔"

"ناممکن!" بوڑھے شاہنواز خاں نے بڑے زور سے انکار میں سر ہلایا۔ "کالی چرن اس قابل تھا ہی نہیں کہ ..... مگر ..... یہ نہیں ہو سکتا' بالکل نہیں۔"

شاہنواز کبھی للتا سے ملا ہے' نہ اس کے بارے میں کچھ جانتا ہے۔ میرے لئے یہ بات بھی حیران کن ہی تھی۔

"اس لڑکی کی عمر کیا ہو گی وشوا ناتھ! جس کا تُو ذکر کر رہا ہے؟" بوڑھے نے اچانک سوال کیا۔

"بیس برس سے کم ہے یا زیادہ؟"

"سال ڈیڑھ سال کم ہی ہو گی زیادہ نہیں۔" میں نے للتا کی عمر اپنے اندازے کے مطابق بتائی۔

"تُو نے پورے بیس سال کے عرصے میں کبھی پہلے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟"

"اس لئے شاہنواز خان کہ یہ تمہاری اور میری پہلی ملاقات ہے۔ میں وہ نہیں جو تم مجھے سمجھ رہے ہو۔" میں اب اس بات کو مختصر کرنا چاہتا تھا۔

بوڑھا شاہنواز خان مجھے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اسے میری دماغی صحت پر شبہ ہو' پھر کہنے لگا۔ "کچھ دیر کے بعد شاید تم یہ کہنے والے ہو کہ میں بھی شاہنواز خان نہیں ہوں۔"

"دیکھو بڑے میاں! میں ایک مسلمان ہونے کے ناتے تم پر رحم کھا رہا ہوں اور تم برف خانے کے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کسی چمار کی طرح اٹھتے ہی چلے جا رہے ہو۔" پھر میں نے اسے اپنا نام تو خیر نہیں بتایا' ہاں اپنی حقیقت ضرور ظاہر کر دی کہ ایک جن زاد ہوں۔

بوڑھے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر وہ ذرا دیر چپ رہا' شاید اپنے منتشر حواس پر قابو پانے کے لئے' اس کے بعد وہ کہنے لگا۔ "تو ..... تو تم نے دشوا ناتھ کے جسم پر قبضہ کر رکھا ہے ..... مجھے سخت تعجب ہو رہا ہے کہ تم نے اس عیار پر قابو کیسے پا لیا۔ وہ تو خود بہت سے شیطانی علوم جانتا ہے۔"

"شیطان تو شیطان ہی ہوتا ہے اور کہیں نہ کہیں مار کھا ہی جاتا ہے۔ اب اس قصے کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم للتا کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"اگر ..... اگر وہ لڑکی رکمنی ہی سے پیدا ہوئی ہے تو ..... تو پھر میری ہی ناجائز اولاد ہے۔" بوڑھے نے انکشاف کیا۔ "مجھے یاد آ رہا ہے کہ شاید اس سلسلے میں ایک مرتبہ رکمنی نے اشارتاً کوئی بات کی بھی تھی جس پر میں نے زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔"

ابھی مجھے بوڑھے شاہنواز خان سے بہت کچھ معلوم کرنا تھا کہ اسی وقت تہہ خانے کی سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی چاپ ابھری۔

"شاہنواز خاں! تم اب قطعی نہ گھبراؤ۔ یہ کسی آدم زاد کا نہیں ایک جن زاد کا وعدہ ہے کہ تمہیں اس قید سے رہائی مل جائے گی۔ میں پھر کسی وقت آؤں گا۔"

آنے والا وہی موٹا پنڈت تھا جو مجھے یہاں تک چھوڑ کر گیا تھا۔ پنڈت کی آمد کا سبب للتا کا یہ پیغام تھا کہ وہ میری خواب گاہ میں ہے۔ گرو کی ایک نوکرانی پنڈت کو یہ پیغام دے گئی تھی۔ پھر تو جیسے میرے پیروں میں پر لگ گئے۔ میں نے گرو دشوا ناتھ کی خواب گاہ تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔

☆======☆======☆

للتا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ کمرے میں موجود آرام دہ مسہری پر نیم دراز تھی۔ ساڑھی کا آنچل ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ اتنا سارا حسن نرگس کے بعد کسی ایک جگہ دیکھنے کا یہ دوسرا اتفاق تھا۔ وہ مجھے آتے دیکھ کر اٹھنے لگی تو میں خمار آلود سی آواز میں بولا۔ "اسی طرح لیٹی رہو' اچھی لگ رہی ہو۔"

"رہنے بھی دیں گرو جی! آپ تو بس مجھے اسی طرح بناتے رہتے ہیں۔" اس کی زبان سے اردو قواعد کی رو سے یہ "شتر گربائی" بھلی لگتی تھی۔ "آپ" اور "تم" دونوں کا مزہ ایک ساتھ آ جاتا تھا۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر حیا کا رنگ دیکھ کر میرا جی چاہا کہ ایک دفعہ کی بجائے کئی بار قربان ہو جاؤں۔ مجھے اس وقت یہ علم نہیں تھا کہ وہ خود ہی مجھے قربانی کا بکرا بنانے آئی ہے۔

کسی جن زاد کو اگر للتا جیسی آدم زادی کے لئے بکرا بھی بننا پڑ جائے تو تامل نہیں کرنا چاہئے۔ سو میری کیا مجال تھی کہ انکار کر دیتا۔ اب تو یہ خوف بھی نہیں تھا کہ اس کا گرو مجھے ہمیشہ کے لئے غلام بنا لے گا۔ گرو کے جسم پر تو خود میں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ جس نے بھی یہ کہا ہو' غلط نہیں کہا کہ مزے میں آدمی موت کو بھول جاتا ہے اور میں بھی اس وقت ایک آدمی ہی کے جسم میں تھا۔ شاید اسی لئے میں بھی

موت کو بھول گیا۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ وہ کافر آدم زادی کتنی خطرناک تھی۔ لمحات قرب میں اس ظالم نے جانے کب اور کیسے اندازہ کر لیا کہ میں اصلی نہیں نقلی "گرو جی" ہوں۔

مجھے تو اس وقت ہوش آیا جب میں گویا بستر دیبا و حریر سے اچھل کر دور جا گرا۔ للتا مجھے اس لمحے کوئی بپھری ہوئی شیرنی محسوس ہوئی۔

"میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا۔" وہ غرائی' پھر سر کے بال پکڑ لئے۔ "بول کون ہے تُو؟"

"تمہارا گرو ..... گرو جی ہوں اور ..... اور کون ہوتا۔" میں نے ڈرتے ڈرتے جھوٹ بولا۔

اسی لمحے میری نگاہ اس کے خوبصورت ہونٹوں پر پڑی جو تیزی سے حرکت کرنے لگے تھے۔ بھاگ لے علیالیش ورنہ مارا جائے گا۔ یہ سوچتے ہی میں نے گرو کے جسم سے نکلنے کے لئے زور لگایا۔

اپنی کوشش میں کامیاب ہوتے ہی انتہائی اذیت کے باوجود میں وہاں سے سرپٹ دوڑ لیا۔ گرو کے جسم کو میں نے ریت کی کسی دیوار کی طرح زمین پر گرتے دیکھا تھا۔ وہاں سے فرار ہو کر میں نے قریبی جنگل ہی کا رخ کیا اور زیادہ دور جانے کی ہمت فی الحال نہیں تھی۔

اس منحوس گرو دشوا ناتھ کے جسم میں داخل ہونے اور پھر نکلنے میں مجھے سخت تکلیف ہوئی تھی۔ خدا کسی دشمن جن زاد کو بھی ایسے پاپی جسم میں داخل ہونے سے بچائے۔

کچھ ہی دیر میں اذیت خود بخود ختم ہو گئی تو مجھے مظلوم بوڑھے شاہنواز خان سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا۔ اسی کے ساتھ بچا کھچا "جوش ایمانی" بھی زور مارنے لگا۔ جن لوگوں پر وہ کافر ظلم ڈھا رہے تھے' میرے ہی ہم عقیدہ تھے۔ فرق صرف جن زاد اور آدم زاد کا تھا۔ میں نے سوچا' آج تک گناہ ہی گناہ کئے ہیں اور آدم زادوں کو ستایا ہے' تھوڑا بہت ثواب بھی کما ہی لوں' کیا خبر کسی آڑے وقت کام آ ہی جائے۔

کالی چرن سے گفتگو کرتے ہوئے غالباً اسی جنگل کا ذکر آیا تھا کہ یہاں باغی مسلمانوں نے اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے۔ یہیں سے ایک سپاہی کی لاش بھی ملی تھی۔

اب میں کسی آدم زاد کے جسم میں قید نہیں تھا کہ اس جنگل کو چھان مارنے میں دیر لگتی۔ میں نے باغیوں کا ٹھکانہ ڈھونڈ ہی لیا۔ ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ مشکل سے چالیس ہوں گے۔ وہ مجھے بڑی خراب حالت میں نظر آئے۔ پتا چلا کہ وہ بے چارے باغی داغی نہیں تھے بلکہ گرفتاری کے خوف سے اس جنگل میں آ چھپے تھے۔ ان کی عمریں بیس بائیس سال سے زیادہ نہیں تھیں۔ سبھی نوجوان تھے۔ ان کی گفتگو سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ریاست کے سپاہی خاص طور پر اسی عمر کے نوجوانوں کو گرفتار کر رہے تھے۔ جس سپاہی کی لاش اس جنگل میں ملی تھی' انہی نوجوانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ اس سپاہی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ سپاہی اگر بخوشی انہیں اپنی بندوق دے دیتا اور مزاحمت نہ کرتا تو نہ مارا جاتا۔ بندوق بھری ہوئی تھی' گولی چل گئی۔ سپاہی مر گیا تو وہ نوجوان اس کی لاش اپنے ٹھکانے سے بہت دور پھینک آئے تھے۔ چالیس نوجوانوں کے پاس صرف تین بندوقیں تھیں۔ بقیہ دو بندوقیں بھی انہوں نے شاید سپاہیوں ہی سے چھینی تھیں۔

میں نے محسوس کیا کہ ان نوجوانوں کی پہلی ضرورت اسلحہ نہیں' خوراک ہے۔ وہ جنگلی پھلوں سے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

گزارہ کر رہے تھے۔

بستی وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی' بطور خاص میرے لئے۔ میں بستی میں پہنچا اور ایک حلوائی کی دکان پر ہاتھ دکھا دیا۔ پوریوں سے بھرا ایک تھال' ترکاری' مٹھائیاں' غرض کہ جو کچھ بھی دکان میں تھا' میں لے کر چمپت ہو گیا۔ حلوائی پوریوں سے بھرا تھال "اڑتے" دیکھ کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ اسی سبب میرا کام اور آسان ہو گیا۔

سارا سامان لا کر میں نے ان بھوکے نوجوانوں کے قریب رکھ دیا۔ باتوں میں وہ اتنے منہمک تھے کہ کوئی اس طرف متوجہ ہی نہ ہوا کہ میرے کارنامے کی داد دیتا نہ دیتا پیٹ پوجا تو کر لیتا۔ جس سرسبز میدان میں وہ نوجوان بیٹھے تھے' درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ میں ان کے عقب میں تھا۔ خود کو ان پر ظاہر کئے بغیر تھال سے میں نے ایک پوری اٹھائی اور قریب ہی بیٹھے نوجوان کے منہ پر مار دی۔ وہ نوجوان اچھل پڑا۔ اس اچھلنے میں گرم پوری کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور تھا۔

ان بھوکے نوجوانوں کو پوریوں اور مٹھائیوں کے تھالوں کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ پھر تو وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے اس طرح پوریوں پر ٹوٹ پڑے جیسے دیر لگائی تو پوریاں کہیں بھاگ جائیں گی۔ ان میں سے کسی نے اس پر اظہار حیرت بھی نہیں کیا کہ جنگل میں گرما گرم پوریاں کہاں سے آ گئیں۔

نوجوانوں کو پوریوں اور مٹھائیوں سے "نبرد آزمائی" کرتے ہوئے وہیں چھوڑ کر میں نے دوبارہ بستی کا رخ کیا۔ محل نما عمارت سے کچھ ہی فاصلے پر مجھے وہ جیل خانہ مل گیا جہاں بے قصور و بے گناہ نوجوانوں کو قید کیا گیا تھا۔ انہیں مختلف بستیوں سے ریاستی پولیس نے "باغی" بنا کر پکڑا تھا۔ حکمرانوں کو اپنی کارکردگی تو دکھانا ہی تھی۔ للتا نے بطور عبرت انہی میں سے دو چار کو پھانسی پر چڑھا دینے کا "نیک مشورہ" دیا تھا۔

جیل خانے کے محافظوں کو بے ہوش کرنے' بیرکوں اور جیل کے سارے دروازے کھولنے اور وہاں سے قیدیوں کو ریس لگوانے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی۔ بے ہوش محافظوں کا سارا اسلحہ میں نے جنگل میں موجود "باغی" نوجوانوں کو "سپلائی" کر دیا۔ جیل سے بھاگنے والے اکثر نوجوانوں نے بھی اسی جنگل میں پناہ لی تھی کہ قریب ترین محفوظ جگہ یہی تھی۔ انہیں خطرہ ہو گا کہ کہیں دوبارہ نہ دھر لئے جائیں۔

آدم زادوں کے درمیان رہتے ہوئے یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے اپنی کسی "حرکت" پر عجیب سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔

میں بستی کے آس پاس ہی منڈلا رہا تھا کہ اپنے دشمنوں کا تماشا دیکھوں۔ للتا کے ادھورے قرب کی وجہ سے میں کچھ زیادہ ہی کھولا ہوا تھا۔ لب بام بس دو چار ہی ہاتھ رہ گیا ہو گا کہ ظالم نے کمند توڑ دی۔ اگر تھوڑی دیر اس بدن بہار کو یہ پتا نہ چلتا کہ میں اصلی نہیں نقلی گرو ہوں تو مجھے اتنا رنج نہ ہوتا۔ چلو اگر اسے حقیقت کا علم ہو بھی گیا تھا تو کیا یہ ضروری تھا کہ فوراً ہی چھارن پن پر اتر آئی۔ میں اسی لئے خونی ہو گیا تھا۔ اس کی ماں چاہے ہندو سہی' باپ تو مسلمان تھا۔ جائز نہ سہی ایک مسلمان کی ناجائز اولاد تو تھی ہی۔ اب میری سمجھ میں یہ قصہ آیا تھا کہ "تو تا ناک" مجھے اس کا "پتا جی" کیوں نہیں لگا تھا۔ شاہنواز خان

نے سارا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ شاید اسی "بھانڈے" کو پھوڑنے کے لئے قدرت نے اسے زندہ رکھا تھا۔ بعض بعض "بھانڈے" اسی طرح کے ہوتے ہیں کہ نہ پھوٹیں تو برسوں نہ پھوٹیں اور جب پھوٹنے پر آئیں تو پھوٹتے ہی چلے جائیں۔ للتا کا بھانڈا بھی اسی قبیل کے بھانڈوں میں سے تھا۔ بستی کا پھیرا لگاتے ہوئے ایک مرتبہ ہمت کر کے میں محل نما عمارت کی طرف بھی نکل گیا۔

دور سے میں نے دیکھا کہ وہاں بڑی افراتفری مچی ہوئی تھی۔ سبھی جیسے ناچے ناچے پھر رہے تھے۔ بات بھی کوئی معمولی نہیں تھی۔ پانچ سو "باغی" نوجوانوں کا جیل سے فرار ہو جانا' اسی کے ساتھ محافظوں کا اسلحہ غائب ہونا بظاہر کسی عظیم الشان قسم کی بغاوت کا پتا دے رہا تھا۔ پھر بھلا محل والے کس طرح چین کی بانسری بجاتے رہتے۔ ایک آ رہا تھا تو ایک جا رہا تھا۔ محل نما عمارت کے سامنے بڑے سے میدان میں مسلح سپاہیوں کا اژدہام نظر آیا۔ کسی ممکنہ بغاوت کا گویا سر کچلنے کی تیاریاں بڑے زور و شور سے جاری تھیں۔ ادھر غریب بستی والوں کا دم خشک ہوا جا رہا تھا کہ دیکھیں پردہ غیب سے کیا نمودار ہوتا ہے۔

"ایوان اقتدار" کے اوپر پرواز کرتے ہوئے میں نے کچھ اور ہمت پکڑی کہ فضا میں ہمت کے سوا پکڑنے کو کچھ اور تھا بھی نہیں۔ میں نے سوچا' کچھ سن گن تو لوں کہ ایک فرضی بغاوت کو دبانے کے لئے وہاں کیا "کھچڑیاں" پک رہی ہیں۔ وہاں صرف ایک بندہ اور ایک عدد بندی ایسی تھی کہ جن سے مجھے ہٹ بچ کر رہنا تھا' ایک تو وہی گرو وشوا ناتھ دوسری اس کی چیلی للتا۔ سو پہلے میں نے انہی کو تلاش کیا کہ کہاں مٹر بھنا رہے ہیں۔

وہ دونوں بدذات مجھے ایک ہی جگہ مل گئے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے میں نے ریس لگائی تھی۔ اس نو تعمیر حصے میں بھی خاصی "بھاگم بھاگ" مچی ہوئی تھی۔

گرو وشوا ناتھ اپنی خواب گاہ کی مسہری پر بے سدھ پڑا تھا۔ اسی کے سرہانے للتا فکرمند سی بیٹھی تھی اور گرو کے بالوں پر کبھی ہاتھ پھیر رہی تھی اور کبھی سر دبا رہی تھی۔ میں خواب گاہ کے ایک دریچے سے چپکا ہوا یہ ناگوار اور ناقابل دید منظر دیکھ رہا تھا۔ گرو بدبخت نے ایک بار ذرا سی آنکھیں کھولیں تو للتا جھٹ سے بول اٹھی۔ "اب آپ کیسے ہیں گرو جی ..... اب چکر تو نہیں آ رہے؟" یہ کہتے ہوئے جیسے اس کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔

"پہلے سے اب کچھ کم ہیں چکر۔" گرو نے جواب دیا۔ "پرنتو بدن کی نس نس میں بڑی دکھن ہے۔ ابھی میں اٹھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔"

"تو آپ لیٹے رہو' آرام کرو' میں یہیں بیٹھی ہوں۔" للتا نے تسلی دی' پھر پوچھنے لگی۔ "سیب کا رس اور پلاؤں؟"

"نہیں۔" گرو نے انکار کرتے ہوئے للتا کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "تم پاس بیٹھی رہو میرے لئے یہی بہت ہے۔"

"مجھے تو حیرت اس پر ہے گرو جی کہ اس مُسلے کی آتما نے اتنی ہمت کیسے کر لی۔ میرے تو وہم و گمان میں نہیں تھا کہ وہ آپ کے بدن میں گھس جائے گا۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"سے سے کی بات ہے للتا! اچھے اچھے گیانی دھیانی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اگر میں اس کی طرف سے چوکنا ہوتا تو وہ ہرگز مجھ پر حملہ نہ کر پاتا۔ نام تو خیر تم نے معلوم کر ہی لیا تھا' میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ اس کی آتما جنم جنم اسی طرح بھٹکتی رہے گی اور اسے کوئی بدن نہیں مل پائے گا۔ وہ دوسرا جنم نہیں لے سکے گی۔"

چل بے لپاڑیئے! تیرا ابا حضور بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا اور وہاں سے کھسک لیا۔ شیطان اور شیطان کی منظور نظر دونوں اس وقت میری طرف سے یقیناً اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ میں اب اس عمارت میں پلٹ کر نہیں آؤں گا۔ ان کی اس غلط فہمی سے فائدہ اٹھانے کی خاطر میں نے ایک اور ایسا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا کہ وہ بلبلا کے رہ جائیں۔ وہاں سے میں سیدھا اس چھوٹے سے مندر میں پہنچا جہاں پہلے بھی آ چکا تھا۔

شام کا وقت ہو چکا تھا اور مندر کے پلے ہوئے دونوں دبنے' یعنی موٹے تھوندے دو عدد پنڈت پوجا پاٹ کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے ان دونوں ہی کو ایک ایک ہاتھ مارا اور لمبا لٹا دیا۔ ایک پنڈت کی انٹی میں تہہ خانے کے قفل کی چابی اڑسی ہوئی تھی جو میں نے نکال لی۔ جب چابی موجود تھی تو تالا توڑ کر شور مچانے کی کیا ضرورت تھی۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تہہ خانے کی سیڑھیوں پر مسلح محافظوں کو متعین کر دیا گیا ہو گا۔ صبح میں نے وہاں کسی محافظ کو نہیں دیکھا تھا۔ ممکنہ بغاوت کے پیش نظر شاید اس اہم قیدی کی حفاظت کے لئے یہ نیا بندوبست کیا گیا تھا کہ کہیں "باغی" اس عمارت پر حملہ کر کے اپنے ساتھی مسلمان حکمراں کو چھڑا نہ لے جائیں۔

محافظوں کی تعداد پانچ تھی۔ دو سیڑھیوں کے اوپر کھڑے تھے' ایک درمیان میں اور دو آہنی سلاخوں والے دروازے پر موجود تھے۔ ان پانچوں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے "باغیوں" نے حملہ اب کیا اور تب کیا۔ بندوقیں اوپر کی طرف تانے وہ سبھی چہروں سے خاصے ہونق لگ رہے تھے۔

میں نے ان سے تفریح لینے کی خاطر ایک کے قریب جا کے سرگوشی کی۔ "ابے بھاگ لے یہاں سے' محل پر باغیوں نے حملہ کر دیا ہے۔"

"نن ..... نہیں۔" وہ اچھل پڑا۔

پھر قریب ہی کھڑے دوسرے محافظ کی سماعت میں بھی میں نے تقریباً یہی الفاظ انڈیل دیئے۔ وہ بھی بوکھلا گیا۔

"ارے او للو! سنا تُو نے کچھ ..... باغیوں نے محل پر چڑھائی کر دی ہے۔" آخر ایک محافظ نے دوسرے کو خوفزدہ سی آواز میں خطرے سے آگاہ کر ہی دیا۔

"اور اب وہ تمہیں چٹنی بنانے ادھر آ رہے ہیں۔" میں نے انہیں اور بھی ڈرایا۔ "جان ہے تو جہان ہے اس لئے پیارے للو! خاموشی کے ساتھ یہاں سے سرک لو۔"

عقل سے پیدل ان محافظوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ سرگوشیاں کرنے والا کون ہے۔ وہ بندوقیں

تانے ہوئے آگے پیچھے دوڑ لئے۔ میں اگر چاہتا تو پنڈتوں کی طرح ان سب کو بھی "لم لیٹ" ہونے پر مجبور کر دیتا مگر اس کے بغیر ہی بات بن گئی۔

محافظ وہاں سے رفو چکر ہو گئے تو میں نے آہنی دروازے کا تالا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ شاہنواز خان دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے وحشت کے ساتھ حیرت بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "شاہنواز خان! میں اپنے وعدے کے مطابق تمہیں رہائی دلانے آ گیا ہوں۔"

"لل ..... لیکن ..... تم ..... تم تو گرو ..... یعنی وشوا ناتھ کے جسم میں تھے۔" وہ ہکلایا۔

"تو کیا اسی کے غلیظ جسم کے اندر ساری زندگی گزار دیتا۔ بڑھاپے کی وجہ سے تم شاید سٹھیا گئے ہو۔ میں اگر کسی آدم زاد کے جسم میں داخل ہو جاؤں تو کیا نکل نہیں سکتا۔ تم کیا مجھے کسی جن زاد کے بجائے کوئی گھسیارا سمجھ رہے ہو؟"

"بل ..... بالکل نہیں۔" شاہنواز خان جلدی سے بول اٹھا۔ "تم تو مجھے اللہ کے کوئی نیک بندے لگتے ہو۔"

"نیک ویک میں بالکل نہیں ہوں' بس حالات ہی نے مجھے وقتی طور پر نیک اطوار بنا دیا ہے۔ اچھا خیر چھوڑو' اپنی ٹانگ ادھر کرو جس سے زنجیر بندھی ہے۔"

اس نے ٹانگ پھیلا دی۔ پیر پر موٹے چمڑے کا جو خول چڑھا تھا' زنجیر اسی سے منسلک تھی تاکہ لوہے کی زنجیر سے پیر زخمی نہ ہو۔ میں نے چمڑے کے اس موٹے خول کو اس طرح پکڑا کہ شاہنواز خان کے پیر پر چوٹ نہ لگے۔ دوسرے ہی لمحے وہ موٹا خول دو ٹکڑے ہو گیا۔

"اب اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "میں تمہیں اس بستی کے قریب جنگل میں پہنچا دوں گا۔ وہاں متعدد ایسے مسلح مسلمان نوجوان موجود ہیں جو اپنی جان سے زیادہ تمہاری جان کی حفاظت کریں گے۔ تم انہیں بتا دینا کہ کون ہو۔ تمہاری ہی خاطر وہ بے چارے گھر سے بے گھر ہوئے ہیں۔ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ تمہارے ہم مذہب ہیں۔" پھر میں نے اسے مختصراً ان نوجوانوں کے متعلق بتا دیا۔

"حرامزادہ کالی چرن میری رعایا پر یہ ظلم ڈھا رہا ہے۔" بوڑھا جوش میں آ گیا۔

"تم کون سے بھولے شاہ ہو۔ کیا تم نے کالی چرن کی حسین و نوجوان بیوی رکمنی پر ظلم نہیں ڈھایا؟ اسے داشتہ بنا کر ایک عدد ناجائز بیٹی کی ماں نہیں بنایا بڑے میاں! کبھی کبھار اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لیتے ہیں۔ نشے کی حالت میں جوا کھیلتے ہوئے پوری ریاست ہار دی اور پھر اپنی داشتہ کے کہنے پر کاغذات پر دستخط بھی کر دیئے۔ سب کچھ خود ہی مجھے بتا چکے ہو اور اب ننھی معصوم جان بن رہے ہو۔ تمہاری اسی حماقت کے نتیجے میں آج بے چارے غریب مسلمان نوجوان ریاستی ظلم کا نشانہ بن رہے ہیں۔"

میں نے بوڑھے کو آئینہ دکھایا تو پھر اس کی ساری اکڑ فوں نکل گئی۔

aazzamm@yahoo.com

"اچھا' اب میں تمہیں اٹھا کر یہاں سے تھری فور ہونے والا ہوں' ڈر لگے تو آنکھیں بند کر لینا!" یہ کہتے ہی میں نے بوڑھے کو اپنی پشت پر لاد لیا۔

شاہنواز خان کو اس عمارت سے نکال کر جنگل تک پہنچنے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی۔ اپنی اسپیڈ میں نے ذرا کم ہی رکھی تھی ورنہ وہ بے ہوش ہو جاتا۔

وہ مجھے دعائیں دینے لگا جنہیں سننے کے لئے میں وہاں نہیں رکا۔ چند ہی لمحوں بعد میں ایک بار پھر محل میں داخل ہو گیا۔ اب مجھے اصل معاملے کی سن گن لینا تھی۔

کالی چرن مجھے اسی عمارت کے ایک بڑے کمرے میں مل گیا۔ اس کے ساتھ دس گیارہ افراد اور تھے۔ میٹنگ شاید اپنے "اخیر" پر تھی۔ شاہنواز خان کو وہاں سے فرار کرانے کے چکر میں پوری میٹنگ اٹینڈ کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہوا تھا۔

ایک باوردی شخص نے شاید کوئی تجویز پیش کی تھی جس پر "توتا ناک" بڑے خطرناک انداز میں رائے زنی کر رہا تھا۔ "یقیناً ان مفرور باغیوں کو بستیوں کے مسلمانوں ہی نے پناہ دی ہو گی۔ بستی کے سارے محلوں کا محاصرہ کرنا تو ایک ساتھ ممکن نہیں' ہاں باری باری ایسا ہو سکتا ہے۔ بستی سے باہر جانے والے تمام راستے پہلے بند کر دیئے جائیں! اس کے بعد کسی ایک محلے کا محاصرہ کر کے ایک ایک گھر کی تلاشی لو! وہاں جو بھی نوجوان مسلمان نظر آئے اسے گرفتار کر لو!"

"اور جنگل کے بارے میں راجا صاحب کا کیا حکم ہے؟" کسی نے سوال کیا۔

"اتنی نفری کہاں ہے کہ بستی اور جنگل دونوں کو ایک ساتھ گھیرا جا سکے۔" ایک ادھیڑ عمر شخص' کالی چرن سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ریاستی پولیس کا شاید وہی سربراہ تھا۔ ہر دور میں پولیس کے سربراہوں کو نفری کم ہونے کا شکوہ رہا ہے۔ پھر بھلا وہ شخص یہ رٹا کیوں نہ لگاتا!

"لیکن اب تک کی تفتیش سے تو یہی بات سامنے آئی ہے کہ باغیوں کا ٹھکانا قریبی جنگل ہے۔ وہاں سے ایک سپاہی کی لاش بھی مل چکی ہے جسے گولی ماری گئی ہے۔ ایسی صورت میں ہم جنگل کو نظر انداز کرنے کی غلطی کس طرح....."

"دیوان جی ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ!" کالی چرن اس بوڑھے کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا جس کے سر پر پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر داڑھی بھی تھی جسے دونوں جانب سے اوپر کی طرف کس کے باندھا گیا تھا۔ اس کے حلیے سے میں سمجھ گیا کہ یہی ریاست کا دیوان جے پال سنگھ ہے۔ کالی چرن نے صبح اسی کا ذکر کیا تھا۔ سکھ دیوان اپنے چہرے سے گھاگ ہونے کے ساتھ سفاک بھی معلوم ہوتا تھا۔ کالی چرن نے اس کی رائے سے اتفاق کیا تو وہ جیسے کھل اٹھا۔

"راجا صاحب! میری یہ تجویز ہے کہ نفری کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے۔" گھاگ دیوان بولا۔ "نفری کا ایک حصہ جنگل کو گھیر لے' دوسرا حصہ باری باری محلوں کا محاصرہ کرے اور گھر گھر تلاشی لینے کا کام شروع کرے۔ مجھے یقین ہے کہ ریاست کی جیل سے فرار ہونے والے نوجوان باغیوں نے جنگل ہی میں پناہ لی ہو گی۔"

بوڑھے گھاگ دیوان کا اندازہ قطعی درست تھا۔ اس طرح نہ جانے کتنے مظلوم و بے گناہ مارے جاتے! چیونٹی کو بھی کوئی مسلے تو وہ بھی اپنی جان بچانے کے لئے کاٹ کھاتی ہے۔ وہ تو بہرحال آدم زادے تھے۔ ان کے پاس ریاستی پولیس کے مقابلے میں ہتھیار کم تھے' پھر بھی جان بچانے کی خاطر وہ مقابلہ تو کرتے ہی! بہرحال یہ سب کچھ ان نوجوانوں کے حق میں سود مند نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ محاصرے اور گھروں کی تلاشی کے دوران پولیس اپنی روایت کے مطابق اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتی۔

اس ممکنہ ظلم و تشدد کو کس طرح روکا جائے؟ چند ہی لمحوں میں یہی ایک سوال کئی بار میرے ذہن میں گردش کر گیا۔ اسے اگر کسی جن زاد کی خودستائی نہ سمجھا جائے تو میں کہوں گا کہ ہم جنات' آدم زادوں کے مقابلے میں جلد نتائج اخذ کر لیتے ہیں اور جلد ہی کسی مسئلے کا حل بھی دریافت کر لیتے ہیں۔ اس کا سبب شاید ہمارے مزاج کی تیزی اور شعلہ صفت حرکت کرنے کی صلاحیت ہے۔ غالباً اسی وجہ سے بہت جلد اس اہم مسئلے کا حل بھی میرے ذہن میں آ گیا۔

وہاں ایک ہی شخص ایسا تھا کہ جس کا حکم ٹالنا کسی کے لئے ممکن نہیں تھا۔ آمریت میں کسی آمر کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ حکم اور قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ ایک احمق' ایک آمر ہزاروں لاکھوں انسانوں کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ انگریزوں کے عہد حکومت میں جو ریاستیں تھیں' ان کے فرمانروا بھی آمر ہی تھے' خواہ وہ ہندو ہوں کہ مسلمان! کالی چرن بھی انہی میں سے تھا۔ شیطان گرو وشواناتھ بستر سے اٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا اور للتا اس کی ناز برداری میں لگی ہوئی تھی۔ ایسے میں ان دونوں کے وہاں آنے کا سوال ہی نہیں تھا کہ میں کسی خطرے میں گھر جاتا۔ سو میں نے تیزی سے جھپٹ کر اس "توتا ناک" پلس خطرناک آمر کالی چرن کو دبوچ لیا۔

دیکھنے والوں نے بس اتنا ہی دیکھا ہو گا کہ کالی چرن اپنی اونچی پشت والی آرام دہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے اچھل پڑا ہے۔ میں اس کے جسم میں اتر چکا تھا۔

"کیا ہوا راجا صاحب؟" دیوان جے پال سنگھ نے چونک کر پوچھا۔

"توتا ناک" کا جسم بھی گندا اور مکروہ تھا مگر خبیث گرو وشواناتھ سے کم۔ میں نے اس لئے اس کے رگ و ریشے میں جلد ہی سرائیت کر لی۔ گھٹن تو خیر ہوئی' لیکن ناقابل برداشت حد تک نہیں۔ مجھے خود پر قابو پانے میں چند لمحے ضرور لگے۔

"تم کیا پوچھ رہے تھے دیوان جی؟" میں نے دیوان جے پال سنگھ کو گھور کر دیکھا۔ سارے فساد کی جڑ وہی کمینہ تھا۔ اسی کی وجہ سے مجھے کالی چرن کے غلیظ جسم میں اترنا پڑا تھا۔

"کک..... کچھ نہیں..... کچھ بھی نہیں را..... راجا صاحب!" بوڑھا دیوان میری سخت نظروں کی تاب نہ لا کر ہکلانے لگا۔

"ہاں وہ کیا تجویز تھی تمہاری کہ جنگل کو گھیرے میں لے لیا جائے؟ اس کا فائدہ؟" میرے لہجے میں سختی برقرار رہی۔

"وہ..... وہ راجا صاحب' اس طرح باغی وہاں..... وہاں سے فرار نہیں ہو سکیں گے۔"

aazzamm@yahoo.com
aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"ایک طرف تمہارا کہنا یہ ہے کہ جنگل میں باغیوں نے اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے' دوسری جانب تمہیں ان کے فرار ہو جانے کا غم کھائے جا رہا ہے۔ دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات ہی درست ہو سکتی ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری دونوں ہی باتیں بالکل غلط ہیں۔ قیدیوں کو جیل سے فرار ہوئے اب تک خاصا وقت گزر چکا ہے۔ اگر انہیں جنگل میں موجود اپنے ٹھکانے تک ہی پہنچنا تھا تو پھر وہاں سے کہیں اور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ بولو' غلط کہہ رہا ہوں میں!"

"آپ..... آپ نے کبھی کوئی غلط بات کی ہی نہیں۔" دیوان نے فوراً سپر ڈال دی' مگر ابھی میں اس کی جان چھوڑنے والا نہیں تھا۔

"اب شام ہو رہی ہے اور کچھ ہی دیر میں اندھیرا پھیل جائے گا۔ ایسی صورت میں کیا سپاہیوں کو جنگل کے اندر بھیج کر تم انہیں گاجر مولی کی طرح باغیوں کے ہاتھوں کٹوانا چاہتے ہو.....؟ اور پھر مجھے ایک بات کا جواب دو کہ جن نوجوانوں کو پکڑا گیا تھا' کیا ان میں سے کسی نے باغی ہونے کا اقرار کیا؟"

"اس..... اس کا جواب تو یہی..... یہی دے سکتے ہیں۔" دیوان نے اپنی طرف آنے والے پتھر کا رخ پولیس چیف کی طرف موڑ دیا۔

ادھیڑ عمر باوردی پولیس چیف کو غالباً یہ گمان نہیں ہو گا کہ وہ بھی رگڑائی میں آجائے گا۔ وہ اسی لئے سٹپٹا گیا۔ "مم..... میں بتاؤں..... میں جواب دوں!"

"ناں' تجھے کیا ضرورت ہے جواب دینے کی! تیرا باپ مرگھٹ سے اٹھ کر آئے گا تو وہ جواب دے گا!" میری آواز زہر میں بجھی ہوئی تھی۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں راجا صاحب.....! دیوان جی نے مجھ سے کہا تھا کہ ابھی گرفتاریاں کرتے رہو' پوچھ گچھ بعد میں کرتے رہنا۔" پولیس چیف نے سارا الزام ریاست کے سکھ دیوان (وزیر) پر ڈال دیا۔ "دیوان جی نے کہا تھا کہ جتنی زیادہ گرفتاریاں ہوں گی' راجا صاحب اتنے ہی زیادہ مطمئن اور خوش ہوں گے۔"

"جن نوجوانوں کو ریاست کی مختلف بستیوں سے گرفتار کیا گیا' ان کے متعلق یہ کیسے پتا چلا کہ وہ باغی ہیں۔ کیا ان کے ماتھوں پر لکھا تھا کہ ہم باغی ہیں؟ جواب دو!"

"نہیں..... کچھ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ..... کہ کون کیا ہے..... اور دیوان جی کا اصرار بڑھ رہا تھا۔ سو..... جو نوجوان بھی ہتھے چڑھ گیا....."

"اسے تم نے باغی قرار دے دیا!" میں نے طنزیہ لہجے میں پولیس چیف کی بات پوری کر دی' پھر زور سے بولا۔ "کیا تم اور کیا یہ بوڑھے دیوان جی' تم سبھی گھامڑ اور نااہل ہو۔ تم لوگ اس طرح ریاست کے خلاف زبردستی بغاوت کرانا چاہتے ہو! جو نوجوان ریاست کے وفادار ہیں تم لوگ اپنے نمبر بڑھانے کے لئے انہیں باغی بنا رہے ہو! محاصروں اور گرفتاریوں سے جنتا (عوام) میں حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہو گی۔ تم لوگوں کی نااہلی پوری طرح ثابت ہو چکی ہے۔ نوبت یہ آگئی ہے کہ قیدی جیل سے فرار ہو رہے ہیں اور تم لوگ میرے سامنے احمقانہ تجویزیں پیش کر کے اپنی قابلیت بگھار رہے ہو۔ اب کسی محاصرے' کسی

گرفتاری کی ضرورت نہیں۔ لوگوں کے جسموں پر نہیں دلوں پر حکومت کی جاتی ہے اور تم نے لوگوں کے دل ہماری طرف سے پھیر دیئے ہیں۔ ہم اس جرم میں مع دیوان جی کے تم سب کو تمہارے عہدوں سے معطل کرتے ہیں۔ دفع ہو جاؤ۔ باہر جو سپاہی جمع کئے ہیں' ان سے کہہ دو کہ اپنی اپنی بیرکوں میں چلے جائیں!" یہ کہتے ہی میں کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اسی وقت اچانک میری نگاہ دروازے کی طرف اٹھی اور مجھے خطرے کی گھنٹی سنائی دینے لگی۔ دروازے سے داخل ہونے والی للتا تھی جس کے چہرے سے بدحواسی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"یہ کمبخت اس وقت اپنے عاشق کو چھوڑ کر یہاں کیسے آمری؟" میں نے سوچا۔ اگر میں فوری طور پر کالی چرن کے جسم کو چھوڑ کر بھاگ نکلتا تو سارے کئے دھرے پر پانی پھر جاتا۔ اس کے علاوہ کالی چرن کے جسم کو شدید جھٹکا لگتا جس سے للتا چوکنا ہو جاتی اور پھر اسے حقیقت تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگتی۔ اسی خطرے کے پیش نظر میں' کالی چرن کا جسم چھوڑ کر بھاگتے بھاگتے ذرا دیر کو رک گیا۔ اس کی وجہ للتا کے چہرے کی بدحواسی بھی تھی۔ میں اس کا سبب جاننا چاہتا تھا۔

"پتا جی!" وہ قریب آتے ہوئے بولی۔ "قیدی' مندر کے تہہ خانے سے فرار ہو گیا۔"

"آج کے دن جو نہ ہو جائے سو کم ہے۔" میں نے کہا۔ "تمہیں کس طرح اس کا پتا چلا؟"

"گرو جی کی دو نوکرانیاں مندر میں شام کی پوجا کرنے گئی تھیں۔ انہوں نے وہاں پنڈتوں کو بے ہوش پڑے دیکھا تو آ کر بتایا۔ گرو جی نے مجھے وہاں بھیجا کہ تہہ خانے کی خبر لوں اور دیکھوں کہ وہاں تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ مسلح محافظ موجود ہیں کہ نہیں۔ وہاں نہ کوئی محافظ تھا اور نہ تہہ خانے میں کوئی قیدی۔ معلوم نہیں' یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے پتا جی!"

ابے او ہندو نار! مجھے پتا جی تو نہ کہہ۔ ویسے بھی تُو جسے پتا جی سمجھ رہی ہے' تیرا باپ نہیں۔ تیرا اصل باپ تو وہ تھا جسے میں نے تہہ خانے سے فرار کرا دیا۔ کاش اس وقت میں نے جو کچھ سوچا تھا' اس آفت کی پرکالہ سے کہہ بھی سکتا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ مجھے ابھی تک کالی چرن ہی سمجھ رہی تھی۔

"انہی تمام کوتاہیوں کی وجہ سے میں نے ان سب کو عہدوں سے ہٹا دیا ہے۔" میں نے سامنے منہ لٹکائے کھڑے ہوئے افراد کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا..... کیا دیوان جی کو بھی.....؟ ان کی تو بڑی خدمات ہیں ریاست کے لئے۔" للتا حیرت سے بولی۔

"دیوان جی اب بوڑھے ہو گئے ہیں اور ان کی عقل بھی ماری گئی ہے۔ یہ صرف میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ریاست کا بیڑا غرق کر رہے ہیں۔"

"تو پھر..... پھر ان کی جگہ کسے دیوان بنائیں گے؟"

"یہ بعد میں سوچیں گے۔" میں نے جواب دیا اور پھر ان سب "منہ لٹکوں" کو حاضری برخاست کا اشارہ کیا۔

"میرے خیال میں گرو جی کو نیا دیوان بنا دیں۔" للتا نے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"تمہیں تو سارے سنسار میں گرو جی کے سوا کوئی اور نظر ہی نہیں آتا۔" میں منہ بنا کر بولا۔ "جاؤ' اندر جاؤ اپنی ماں کے پاس۔"

"اندر .....ماں جی کے پاس۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ ماں کو جی تو مرے بھی دو برس سے زیادہ....." پھر للتا نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر غور سے میری طرف دیکھا۔

مجھے کیا خبر تھی کہ اس بدبخت کی بدکردار ماں دو سال پہلے ہی جہنم کا ٹکٹ کاٹ چکی تھی۔ میں نے تو محض اس سے جان چھڑانے کے لئے یوں ہی یہ بات کہہ دی تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ میرے "پر" باندھ دیتی' میں اس کے باپ کا جسم چھوڑ کر اڑان بھر گیا۔ اب وہاں مزید ایک لمحے بھی رکنا اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔

☆======☆======☆

وہاں سے بھاگ کر میں نے جنگل کی راہ لی۔ جنگل میں منگل منایا جا رہا تھا۔ حالانکہ اس دن منگل نہیں بدھ تھا۔ شاہنواز خاں پورے کروفر کے ساتھ غریب نوجوانوں کے درمیان موجود تھا۔ اس نے یقیناً یہ بتا دیا تھا کہ وہ کون ہے۔ کسی ریاست کے سربراہ کو ان بے چارے نوجوانوں نے پہلی بار یوں "گھاس نشیں" دیکھا ہو گا۔ شاہنواز خاں اپنے حلئے کے سبب اس وقت کسی بھنگی سے بھی بدتر دکھائی دے رہا تھا' مگر گردن تنی ہوئی تھی' یوں جیسے ابھی کائنات کے زیر و زبر ہونے کا فیصلہ سنانے والا ہے۔ خوئے سلطانی ابھی گئی نہیں تھی' سر سے کلاہ گر چکی تھی مگر بانکپن وہی تھا۔

شاہنواز خان سے مجھے کچھ پوچھ گچھ کرنا تھی اور وہ تھا کہ نوجوانوں کو اس زمانے کے قصے سنا رہا تھا جب انہوں نے اس عالم بے ثبات میں آنکھ بھی نہیں کھولی تھی۔

"جب ہم تمہاری عمر کے تھے تو ہمارے جسم میں بے پناہ طاقت تھی جس کا تم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔" شاہنواز خان نان سٹاپ بولے جا رہا تھا۔ "ایک مرتبہ کیا ہوا کہ شیر کا شکار کھیلتے ہوئے ہمارے ہاتھ سے بندوق گر گئی۔ ہمارے سامنے تین ببر شیر کھڑے تھے۔ ہماری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو وہیں دہشت کھا کے مر گیا ہوتا' لیکن ہم ٹھہرے نواب ابن نواب۔ ہم بھلا کس طرح ان شیروں سے ڈر جاتے۔ پھر جو ایک شیر کے ہم نے گھونسا مارا تو اس کا سر ضرب سے پاش پاش ہو گیا۔ دوسرے شیر کو ہم نے بغل میں دبوچ لیا۔ تیسرا شیر یہ صورت حال دیکھ کر دور کھڑا سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔"

شاہنواز خاں ابھی اسی قدر کہہ پایا تھا کہ میں نے اس کے قریب پہنچ کر سرگوشی کی۔ "سبحان اللہ! تیسرا شیر جو دور کھڑا سوچ رہا تھا' وہ بھی تمہیں جادو سے معلوم ہو گیا۔"

خلاف توقع میری سرگوشی سن کر وہ اس طرح اچھلا جیسے واقع کوئی شیر مقابل آ گیا ہو۔

اس کے ہونٹ کچھ کہنے کو پھڑپھڑائے ہی تھے کہ میں نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا' پھر بولا۔ "ان نوجوانوں کو کوئی گھسا دے کر کسی طرف اکیلے نکل چلو۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔ کہہ دو کہ پیٹ میں مروڑ ہو رہا ہے جس کے لئے تمہیں کچھ دیر کو خلوت چاہئے۔" یہ کہتے ہی میں نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"پھر کیا ہوا نواب صاحب؟" ایک نوجوان نے شاہنواز خاں کو خاموش دیکھ کر پُر اشتیاق آواز میں پوچھا۔ "تیسرے شیر نے کیا کیا؟"

"ہم ابھی آ کر بتاتے ہیں۔" پھر شاہنواز خاں نے وہی بہانہ بنا دیا جو میں نے سمجھایا تھا۔

چند ہی لمحے بعد وہ تیز قدمی سے درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اسے وہاں سے خاصی دور لے آیا کہ کوئی اسے اکیلے بیٹھ کر باتیں کرتے دیکھ تو پاگل نہ سمجھے۔

شاہنواز خاں کے سامنے گھاس پر بیٹھتے ہوئے میں نے کہا۔ "ہاں تو جناب قبلہ نواب شاہنواز خاں صاحب بہادر! اب سنائیں تیسرے شیر کی روداد خوں چکاں۔"

"تم سے بھلا کیا دون کی لینا' میاں! بس بچوں بالوں کا دل بہلا رہا تھا۔ بہادری کے قصے سن کر بچے ذرا خوش ہو جاتے ہیں۔"

"ایک ہی فقرے میں تم نے کئی قابل اعتراض باتیں کر دی ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ عمر کیا ہو گی تمہاری؟"

"اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو ستر کی لپیٹ میں ہوں گا۔"

"اور میری عمر معلوم ہے تمہیں ..... ڈیڑھ سو برس کا ہوں۔ یہ اس لئے تمہیں بتایا ہے کہ آئندہ مجھے میاں کہہ کر بزرگی نہ جھاڑنا' سمجھ گئے ستر سالہ برخوردار!"

"بالکل سمجھ گیا قبلہ! آپ تو مجھ سے بھی دگنی عمر کے ہیں بلکہ دس برس اور زیادہ ہیں۔ آئندہ غلطی نہیں ہو گی۔"

"دوسری قابل اعتراض بات یہ تھی کہ وہ بچے نہیں نوجوان تھے جنہیں تم بچہ کہہ کر اپنے بچپنے کا ثبوت دے رہے ہو۔ تیسرے یہ کہ تم ان کا نہیں اپنا دل بہلا رہے تھے۔ چوتھی اور آخری بات یہ کہ بہادری اور حماقت میں فرق ہوتا ہے۔ وہ قصے تمہاری بہادری نہیں حماقت ظاہر کر رہے تھے۔ آئندہ گپ ہانکنے سے پہلے سوچ لیا کرو کہ اگلا بھی تھوڑی بہت تو عقل رکھتا ہی ہو گا' لحاظ مروت میں کچھ نہ کہے تو الگ بات ہے۔ خیر یہ ذکر چھوڑو' مجھے تم سے شہباز خاں کے بارے میں معلوم کرنا تھا' اس کا کیا چکر ہے؟"

"دراصل شہباز خان بھی میرا ہی بیٹا ہے۔"

"جائز یا ناجائز؟" میں فوراً بول اٹھا۔ "تم نوابین کا کوئی بھروسا نہیں۔"

"وہ میرا جائز بیٹا ہے۔ اسے میرے جڑواں بھائی ایاز خاں نے گود لے لیا تھا کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ایاز خاں کو رنج نہ ہو' یہ سوچ کر کبھی میں نے شہباز پر اپنا حق نہیں جتایا۔ شہباز کے علاوہ میرے دو بیٹے اور بھی تھے مگر وہ جی نہ سکے۔ وہ شہباز سے چھوٹے تھے۔ میں کیونکہ تین بیٹوں کا باپ تھا اس لئے جب بڑے بیٹے کو بھائی نے گود لینے کے لئے کہا تو مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ ایاز خاں نے شہباز کو بالکل اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ میں نے اسی لئے چھوٹے بیٹوں کی موت کے بعد بھی شہباز کو ایاز خاں کے پاس ہی رہنے دیا۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"چلو یہ قصہ تو ایک طرف ہوا۔ یہ بتاؤ کہ کالی چرن تمہاری ریاست میں کہاں سے آ گیا؟" میں نے دریافت کیا۔

"کالی چرن قریبی ہندو ریاست کا دیوان تھا اور میرا دیوان وشوا ناتھ تھا جو خود کو گرو جی کہلواتا ہے۔ وشوا ناتھ اور کالی چرن میں دوستی تھی۔ اسی دوستی کے ناتے کالی چرن آتا جاتا رہتا تھا۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا کہ کالی چرن کی بیوی رکمنی پر میرا دل آ گیا۔ وہ ہر وقت اداس اداس سی رہتی تھی۔ ایک دفعہ مجھے موقع مل گیا کہ اس اداسی کی وجہ معلوم کر سکوں۔ وجہ وہی تھی جو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ رکمنی کو ازدواجی سکھ میسر نہ تھا۔ پھر باہمی رضامندی سے میرے اور اس کے درمیان تعلقات استوار ہو گئے۔ رکمنی ہی کی وجہ سے کالی چرن بھی میرے قریب آ گیا۔ کالی چرن کو لمبا جوا کھیلنے کی لت بھی تھی۔ سو جوا چل نکلا۔ وشوا ناتھ نے مجھے شراب کا چسکا بھی لگا دیا تھا۔ غرض کہ شراب و شباب نے مجھے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس پر جوا بھی جان کو لگ گیا۔ میں بھی کالی چرن کی طرح بڑے داؤ لگانے لگا۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ میں' کالی چرن کا مقروض ہوتا گیا۔ پھر ایک روز نشے کی ترنگ میں اپنی پوری ریاست میں نے داؤ پر لگا دی اور اسے بھی ہار گیا۔ رکمنی اس وقت مجھے اپنے ہاتھ سے شراب پلا رہی تھی۔ یہ اندازہ مجھے بہت بعد میں اور وقت گزرنے کے بعد ہوا کہ اس سازش میں حرام زادی رکمنی بھی برابر کی شریک تھی' اسی کے ساتھ وشوا ناتھ بھی۔ رکمنی کو کالی چرن اور وشوا ناتھ نے مجھے پھانسنے کے لئے بطور چارا استعمال کیا تھا۔ خدا اسے غارت کرے۔"

"تو پھر خوش ہو جاؤ کہ خدا نے اسے غارت کر دیا ہے۔ رکمنی دو سال پہلے مر چکی ہے۔ اب تو پیارے تم کالی چرن اور وشوا ناتھ کے لئے بددعا کرو کہ وہ غارت ہو جائیں۔" میں نے کہا۔ "اور ہاں تمہیں یہ معلوم ہے کہ تمہارے آبائی قبرستان میں تمہاری قبر بھی موجود ہے؟"

"میری قبر..... مگر میں تو زندہ ہوں۔"

"ہاں مجھے بھی تم زندہ ہی نظر آ رہے ہو' لیکن بہرحال تمہاری قبر بن چکی ہے اور تمہاری جگہ اس میں تمہارے جڑواں بھائی ایاز خاں کو دفن کر دیا گیا ہے۔ یعنی قبر میں تمہارا بھائی ہے اور قبر پر کتبہ تمہارے نام کا ہے۔ تمہارے دشمنوں نے پکا کام کیا ہے..... اچھا تو پھر جب جوئے میں تم نے ریاست ہار دی تو کیا گزری؟"

"اسی رات وشوا ناتھ نے مجھے قید کر لیا۔ آخری بچے کی پیدائش کے کچھ روز بعد ہی میری بیوی مر چکی تھی۔ عورتوں کی میرے لئے کمی نہیں تھی اس لئے دوسری شادی نہیں کی۔ وشوا ناتھ اس معاملے میں مجھے خوش رکھتا تھا۔ کوٹھی میں ایاز خاں' شہباز اور ایاز کی بیوی کے سوا صرف میں تھا۔ ایاز خاں کے بارے میں ابھی تم سے معلوم ہوا کہ اسے میری جگہ دفنا دیا گیا۔ شہباز خاں کے متعلق قید کے دوران خود وشوا ناتھ نے مجھے یہ بتایا تھا کہ وہ نکل بھاگا تھا۔ ایاز کی بیوی کو ظالموں نے مار دیا ہو گا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوا میری قسمت میں لکھا تھا اور اللہ کو یہی منظور تھا۔" یہ کہہ کر شاہنواز خاں کچھ اداس سا ہو گیا۔

"سنو' میں کوئی عالم فاضل تو نہیں ہوں لیکن چند باتیں واضح طور پر سمجھتا اور جانتا ہوں جو میں نے

اپنے بزرگوں سے سنی ہیں۔" میں بولا۔ "یہ جو تم آدم زاد ہر بات کو قسمت اور اللہ میاں کے کھاتے میں ڈال دیتے ہو' یہ قطعی مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم آدم زادوں کو بااراده اور بااختیار مخلوق بنایا ہے۔ جب میں چھوٹا سا تھا' یعنی یہی کوئی چالیس پچاس برس کا تو میں نے اپنے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ جب اللہ ہر شے پر قادر ہے تو پھر بندے پر کس بات کا الزام ہے؟ بندہ جو کچھ کرتا ہے' اللہ کے حکم ہی سے کرتا ہے' چاہے ثواب کمائے یا گناہ کرے۔ بزرگ نے مجھے ایک معمولی سی مثال دے کر سارا مسئلہ سمجھا دیا۔ اسی کو ہم مسئلہ جبر و اختیار کہتے ہیں۔ تمہاری سمجھ میں یوں بھی آسانی سے یہ بات آ جائے گی کہ طویل عرصے تک تمہارا ایک پیر بھی بندھا رہا ہے۔ وہ معمولی مثال یہ تھی کہ کسی پرند کا ایک پیر کسی رسی یا زنجیر سے باندھ دیا جائے اور وہ رسی خاصی بڑی ہو' یعنی پرند ایک محدود رقبے میں چلنے پھرنے کا اختیار رکھتا ہو۔ اس دائرے میں ہموار جگہ بھی ہو' گڑھے بھی ہوں۔ پرند کو اس دائرے کی حدود میں رہتے ہوئے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے گڑھے میں گر جائے یا ہموار جگہ پر چلے۔ اسی دائرے کے اندر دانہ بھی پڑا ہو اور غلاظت بھی موجود ہو۔ پرند دانہ بھی کھا سکتا ہے اور غلاظت پر بھی منہ مار سکتا ہے۔ سو شاہنواز خاں' زندگی اسی دائرے کی طرح ہے۔ دائرے کے اندر اللہ کی مخلوق کو اختیار ہے کہ وہ چاہے گڑھے میں گرے یا سیدھی راہ چلے' رزق حلال کو اپنے لئے منتخب کرے یا حرام کھائے۔ اللہ نے اسے پورا اختیار دیا ہے۔ جبر پاؤں کا باندھا جانا ہے' یعنی مخلوق اپنی متعینہ حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ تو میری جان' اے ستر سالہ برخوردار! قسمت مخلوق کے عمل سے بنتی اور بگڑتی ہے۔ یہ کوئی جامد شے نہیں ہے۔ پیر باندھا ہونا' موت کا استعارہ ہے' یعنی مخلوق اپنی موت سے فرار حاصل نہیں کر سکتی۔ اب آیا تمہاری سمجھ میں کچھ۔ عموماً میں کسی سے ایسی گاڑھی باتیں نہیں کرتا' لیکن جب کوئی تم جیسا پاپی سب کچھ خود کر کے یہ کہنے لگتا ہے کہ اللہ کو یہی منظور تھا تو مجھے غصہ آ جاتا ہے۔ بہرحال آئندہ کم از کم میرے سامنے تم مظلوم کبوتر بننے کی کوشش نہ کرنا۔"

"تم نے واقعی آج میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب مجھے پتا چلا کہ جنات میں بھی بڑے بڑے بزرگ موجود ہیں۔"

جو باتیں میرے لئے الجھن اور تجسس کا سبب بنی ہوئی تھیں' شاہنواز خاں سے معلوم ہو گئیں۔ تو میں نے پوچھا۔ "اب تمہارے کیا ارادے ہیں؟ اصولی طور پر تم یہ ریاست جوئے میں ہار چکے ہو۔ تمہیں اس پر دعوے کا حق نہیں رہا' لیکن تمہارے ساتھ دھوکا ہوا ہے یا سیدھے سادے لفظوں میں یوں کہہ لو کہ الو بنا دیئے گئے ہو۔ کالی چرن نے یہ مشہور کر رکھا ہے اور غالباً جن کاغذات پر تم سے دستخط لئے گئے ہیں' ان سے بھی یہی ثابت ہے کہ کالی چرن نے اس ریاست کو تم سے خریدا ہے۔ انگریز سرکار نے بھی ریاست پر کالی چرن کے حق کو تسلیم کر لیا ہے۔ مسئلہ اگر صرف تمہارے مفاد کا ہوتا تو میں ہرگز اس میں دلچسپی نہ لیتا۔ میری بلا سے اس ریاست کے مالک تم ہوتے یا کوئی اور' مجھے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ اصل مسئلہ میرے نزدیک اس ریاست کی اکثریت کا ہے جو مسلمان ہے اور تمہاری حماقت سے ان بے چارے مسلمانوں پر ہندو حاکم مسلط ہو گئے ہیں۔ ان کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اس

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ریاست کا حکمران بن جائے یا بنا دیا جائے تو میرے خیال میں یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ مسلمان آبادی ہ
حکمران کے ظلم سے بچ جائے گی۔ اس سلسلے میں تم مجھ سے جو مدد چاہو' وہ میں کرنے کو تیار ہوں۔"

"یقیناً اللہ تمہیں اس کارِ خیر کا اجر دے گا کہ تم نے ایک مسلمان جن زاد ہونے کا حق ادا کر دیا۔"

"اجر تو اس وقت ملے گا جب حق ادا ہو جائے' ابھی تو حق ادا کرنے کی ابتدا بھی نہیں ہو
برخوردار!"

"یہی کیا کم ہے کہ تم نے پانچ سو بے گناہ نوجوان مسلمانوں کو رہا کرا دیا اور پھر مجھے بھی آزادی
دی۔"

"تو پھر اور کچھ نہیں چاہئے' میں ٹہل لوں؟"

"میرا یہ مقصد نہیں تھا۔"

"تو پھر مقصد بیان بھی کر چکو یار! تم تو تکلف خان بن کر خواہ مخواہ اِدھر اُدھر کی اڑائے جا رہے
..... اور ہاں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ ریاستی سپاہی اس جنگل کو گھیرے میں لے کر بزن بھی بول
ہیں۔ تمہیں نوجوانوں کو اس کے لئے پہلے سے ذہنی طور پر تیار رکھنا ہے۔" میں نے بتایا۔

"یہ جنگل بہت بڑا اور گھنا ہے۔ اگر سپاہیوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں نقصا
اٹھانا پڑے گا۔ نوجوانوں کے پاس میں نے اسلحہ بھی دیکھا ہے۔"

"لیکن اسلحہ کم ہے۔ ہر نوجوان کے پاس نہ تو بندوق ہے' نہ وافر تعداد میں کارتوس ہیں۔ پھر یہ
ان میں سے ایسے بھی ہوں گے جنہیں بندوق چلانا بھی نہیں آتی ہو گی۔ مزید اسلحہ اور خوراک کا بندوبس
کیا جا سکتا ہے۔ پھر بھی بہتر یہ ہے کہ کوئی اور راستہ نکل آئے۔ ریاستی سپاہیوں سے مقابلے کی صور
میں مسلمان نوجوان بھی مارے جا سکتے ہیں۔ میں بھی اس جنگ میں تم لوگوں کی پوری مدد کروں گا۔ ممکن
ہے کہ صبح ہوتے ہی اس جنگل پر یلغار کر دی جائے اس لئے میں چلتا ہوں تاکہ تمہارے لئے اسلحہ
بندوبست کر ہی دوں۔ تمہیں علم ہے کسی اسلحہ خانے کا؟" اپنی بات ختم کرتے ہوئے میں نے دریافت کیا

جواب میں شاہنواز خان نے دو بڑے اسلحہ خانوں کی نشاندہی کی' ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ممکن ہے
اب اسلحہ خانوں کے مقامات تبدیل کر دیئے گئے ہوں۔

"تم فکر نہ کرو' میں ڈھونڈ لوں گا۔" میں نے اسے دلاسا دیا اور ایک بار پھر جنگل سے آبادی
طرف چل دیا۔

شاہنواز خاں سے میں نے جس خدشے یا خطرے کا اظہار کیا وہ بعید از قیاس بہرحال نہیں تھا۔ کالی
چرن کے جسم پر قبضہ کر کے میں نے جو کامیابی حاصل کی تھی' ذرا سی لاعلمی کے سبب ناکامی میں بدل
تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ہندو حسینہ للتا کی اماں دو سال پہلے ہی زمین کا بوجھ کم کر چکی ہے تو یہ کھنڈ
نہ ہوتی۔ للتا اسی سے چونک گئی تھی اور پھر مجھے وہاں سے ریس لگانا پڑی تھی۔ ایسی صورت میں کالی
کی حیثیت سے میں نے جو احکام دیئے تھے انہیں کالعدم قرار دے دیا گیا ہو گا۔ بات گھوم پھر کے
وہیں آ گئی تھی' یعنی بستی کے محلوں کے محاصرے اور گرفتاریوں کا خطرہ بدستور تھا۔ پھر بھی مجھے اس

ملال نہیں تھا۔ میں نے اپنی سی کوشش تو کر ہی لی تھی۔

للتا کو یہ معلوم ہو جانا بھی میرے لئے خطرے سے خالی نہیں تھا کہ اسے پتا چل گیا تھا' میں ابھی ٹلا
نہیں ہوں۔ وہ میرے لئے کوئی نہ کوئی جال ضرور پھیلاتی کہ اب اگر محل نما عمارت میں داخل ہونا چاہوں
تو گھیر لیا جاؤں۔ میرے لئے پہلے کی نسبت خطرہ بڑھ گیا تھا' پھر بھی میں نے جی نہیں ہارا اور ایک اسلحہ
خانے کا سارا اسلحہ غائب کر کے جنگل میں اس کا ڈھیر لگا دیا۔ ریاستی سپاہیوں سے مقابلے کی صورت میں
اب کم از کم اسلحہ کی کمی نہ ہوتی۔ اسی کے ساتھ میں نے خوراک بھی وافر مقدار میں پہنچا دی کہ خالی
پیٹ لڑنے والے اکثر مار لئے جاتے ہیں۔ لڑنے کے لئے پیٹ میں روٹی ہونا بہت ضروری ہے۔ بھیڑ بکریوں
کا ایک ریوڑ بھی ہانک کر میں نے جنگل میں بھیج دیا تھا۔ اس پر نوجوان بہت خوش اور پُرجوش تھے۔ شاہنواز
خان نے انہیں بتا دیا تھا کہ ایک صاحب ایمان جن زاد ان بے گناہ نوجوانوں کی مدد کر رہا ہے۔ اس سے
نوجوانوں کا حوصلہ اور بڑھ گیا تھا۔

اسی رات نصف شب سے پہلے چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں بستی کی طرف سے آ
رہی تھیں۔ ریاستی سپاہیوں نے بستی میں ظلم و تشدد کا بازار گرم کر دیا تھا۔ میں بستی کی طرف لپک لیا۔
شاہنواز خاں مجھے بتا چکا تھا کہ بستی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے محلے الگ الگ ہیں۔

معلوم ہوا کہ سپاہیوں نے ایک ایسے ہی محلے کا محاصرہ کر رکھا ہے جہاں مسلمان آباد ہیں۔ وہ
زبردستی لوگوں کے گھروں میں گھس گھس کر انہیں باہر نکال رہے تھے۔ نوجوانوں کی چھٹائی ہو رہی تھی۔
ان کی مائیں اور بہنیں چیخ چلا رہی تھیں۔ کچھ حرام زادے سپاہی مسلمان لڑکیوں پر اس موقع سے فائدہ اٹھا
کر دست درازیاں بھی کر رہے تھے۔

میں نے ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا جو دو سپاہیوں کے چنگل سے نکل کر کسی وحشت زدہ ہرنی کی
طرح ایک طرف بھاگ رہی تھی۔ سپاہی اس کے پیچھے تھے اور ایک ادھیڑ عمر عورت ان سپاہیوں کے
عقب میں چیختی ہوئی دوڑ لگا رہی تھی۔ "میری بچی ..... ارے کوئی میری بچی کو بچاؤ۔"

جھپٹ کر میں نے دونوں سپاہیوں کی گردنیں دبوچ لیں۔ گرفت اتنی سخت تھی کہ دونوں بدمعاش
وہیں گر کر شیطان کو پیارے ہو گئے۔

سپاہی لوگوں کے گھروں کا مال و اسباب بھی لوٹ رہے تھے' انہیں بے عزت بھی کر رہے تھے اور
نوجوانوں کی گرفتاریاں بھی جاری تھیں۔ ادھیڑ عمر پولیس چیف کی وہاں موجودگی سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ
کالی چرن کے جسم پر قبضہ کر کے میں نے جن اعلیٰ عہدیداروں کو معطل کر دیا تھا' وہ بدستور اپنے عہدوں پر
براجمان تھے۔

بربریت اور ظلم و وحشت کے اس تماشے کو بند کرانے کی غرض سے میں نے پولیس چیف کا عہدہ
سنبھال لیا۔ اس کے لئے مجھے پولیس چیف کے جسم پر قبضہ کرنا پڑا۔ پولیس چیف کے اردگرد اس کے ماتحت
افسران کھڑے تھے جو چیف کے احکام کی تعمیل کرا رہے تھے۔

"بس کافی ہے اتنا۔" میں نے چیخ کر پہلا حکم دیا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"مگر حضور! ابھی تو آدھے محلے کے گھر باقی ہیں' ان کی تلاشی....."

اس پولیس افسر کا جملہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ اس کے منہ پر بڑا زوردار طمانچہ پڑا تھا۔ وہ اپنا رخسار سہلانے لگا۔

"تُو کون ہے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کرنے والا یا ہمیں یہ بتانے والا کہ ابھی کتنے گھروں کی تلاشی باقی ہے۔" میں نے چیخ کر کہا۔

اپنے ایک ساتھی کو سرِ عام پٹتے دیکھ کر دوسرے پولیس افسروں کو بھی عبرت ہو گئی اور پھر فوری طور پر میرے حکم کی تعمیل ہونے لگی۔

اب تک تقریباً پچاس نوجوانوں کو حراست میں لیا جا چکا تھا۔ انہیں میرے سامنے پیش کیا گیا۔ پیشی کا حکم میں نے ہی دیا تھا۔ ایک ہی سوال تھا جو میں نے ہر نوجوان سے کیا۔ "کیا تم حکومت کے خلاف ہو؟" اس سوال کا جواب ظاہر ہی تھا۔ کوئی اگر حکومت کے خلاف بھی ہوتا تو کس طرح اقرار کر لیتا۔ نتیجتاً میں نے ایک ایک کر کے سب کو رہا کر دیا اور اپنے ماتحتوں سے کہا کہ ان میں سے کوئی باغی نہیں ہے۔ وہ سپاہی بھی میری نظر میں تھے جنہوں نے مسلمانوں کے گھر لوٹے تھے۔ وہ بھی میرے حکم پر حاضر ہو گئے۔ ان کی تعداد خاصی تھی' سو سے اوپر ہوں گے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس لئے یہاں لایا گیا تھا؟

"گھروں کی تلاشی اور باغیوں کی گرفتاری کے لئے جناب!" ایک باریش سپاہی نے جواب دیا جو مجھے مسلمان معلوم ہوا۔

"نام کیا ہے تیرا؟" میں نے دریافت کیا۔

"صغیر جناب!" جواب ملا۔

"تو مسلمان ہے تُو! تجھے شرم نہیں آئی مسلمانوں ہی کے گھر لوٹتے ہوئے؟" میں نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر گریبان پکڑ کر آگے گھسیٹ لیا۔ لکڑی کا ایک رول میرے ہاتھ میں تھا' اس سے میں نے لٹیرے سپاہی کو "نچانا" شروع کر دیا۔ پھر دوسروں کی باری آئی۔ انہیں میرے حکم پر دوسرے سپاہیوں نے مارا تھا۔

سارا محلہ چوک میں جمع ہو کہ لٹیرے سپاہیوں کی "کٹائی" کا ناقابل یقین منظر دیکھ رہا تھا۔ یقیناً اس طرح کا تماشہ انہوں نے پہلے نہیں دیکھا ہو گا۔

"حرامزادو! تم عوام کے جان و مال کے محافظ ہو کر لٹیرے۔" میں نے پٹنے والوں کو مخاطب کیا۔ "رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر تم سب کو معطل کیا جاتا ہے۔ اتارو اپنی اپنی پٹیاں۔"

پھر میرے حکم کے مطابق ہی عمل کیا گیا۔ جو سامان جس گھر سے لوٹا گیا تھا' واپس کر دیا گیا۔

اس تمام کارروائی میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا اور میں نے واپسی کا حکم دے دیا۔ پھر میں نے اپنے ایک ماتحت افسر سے کہا' تم چلو سپاہیوں کو لے کر میں آتا ہوں۔

پولیس چیف کی گردن پر نہ جانے کتنے بے گناہوں کا خون تھا' سو میں نے اسے سزا دینا ضروری

سمجھا۔ میرے خیال میں اس ظالم کے لئے سزائے موت بھی کم تھی' مگر مجبوری تھی۔ اسے مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا اور پھر قتل کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔ حکمرانوں کے ایوانِ اقتدار کی عظیم الشان عمارت کے سامنے پہنچ کر میں اس کے جسم سے باہر آ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر گرا تو میں نے اس کی گردن مروڑ دی۔ وہ کوئی آواز نکالے بغیر مر گیا۔

میرا جی چاہا کہ اس محل نما عمارت میں بھی گھس جاؤں اور دو چار کو ٹھنڈا کر دوں لیکن ممکنہ خطرے کے پیش نظر ایسا نہیں کیا اور جنگل کی طرف لوٹ گیا۔

جن مسلح نوجوانوں کو جنگل کے ابتدائی حصے میں پہرے پر مقرر کیا گیا تھا' انہوں نے شاہنواز خاں کو دوسرے دن صبح ہی صبح ایک سنسنی خیز اطلاع دی۔ سپاہیوں نے جنگل کو گھیرے میں لے لیا تھا اور اب مختلف راستوں سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ریاست کا دیوان جے پال سنگھ اپنی نگرانی میں یہ کارروائی کرا رہا تھا۔

میں' شاہنواز خاں کے قریب ہی تھا اور یہ بات شاہنواز خاں کو بھی معلوم تھی۔ اس نے مجھے مخاطب کیا۔ "بولو کیا کہتے ہو اب؟ تم سن رہے ہو میری آواز؟" اسے ابھی ابھی سوتے سے جگایا گیا تھا اس لئے آواز بھاری سی تھی۔

"اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ جنگل کے اندر گھسنے کے جو بھی راستے ہیں' ان پر پہلے ہی مسلح نوجوان مقرر ہیں۔ ان سے کہلوا دو کہ وہ درختوں پر چڑھ کر سپاہیوں کو بھوننا شروع کر دیں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں اتنے میں اس بوڑھے دیوان کی خبر لیتا ہوں۔ جنگل پر چڑھائی کرنے کی تجویز اسی حرامزادے کی تھی۔"

رات کو میں نے جس طرح بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالا تھا اور پھر بعد میں پولیس چیف کو ٹھکانے لگا دیا تھا' شاہنواز خاں کو بتا دیا تھا۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اب تم شاید اس ظالم دیوان کو بھی زندہ نہیں چھوڑو گے۔ میرا اندازہ ٹھیک ہے نا؟"

دیوان جے پال سنگھ مجھے چند بڑے افسران کے ساتھ جنگل سے باہر نظر آیا۔ اس کے ساتھ نظر آنے والے وہی لوگ تھے جنہیں میں نے کالی چرن کی میٹنگ میں دیکھا تھا۔ ایسے ہی ظالم و جابر حکام کسی باجبروت حکومت کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ انہی کے بل پر حکمرانی کی جاتی ہے اور عوام پر حکومت کا رعب قائم کیا جاتا ہے۔

میں نے سوچا کہ اگر دشمن کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ سو میں نے دیوان کے قریب کھڑے ہوئے ایک افسر کے جسم پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ہولسٹر میں مجھے بھرا ہوا ریوالور نظر آ گیا۔ ہولسٹر سے ریوالور نکال کر میں نے بڑے اطمینان سے دیوان کے سر کا نشانہ لیا اور پھر دوسرے ہی لمحے دیوان کی پیشانی کے بیچوں بیچ سوراخ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ہی میں نے فوری طور پر اس افسر کا جسم چھوڑ دیا اور یہ میرے حق میں بہتر ہی ہوا۔ ادھر میں نے اس افسر کا جسم چھوڑا' ادھر ایک اور افسر نے اس کے سینے میں گولی اتار دی۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

پہلا فائر ہوتے ہی جنگل کی طرف سے دھماکے سنائی دینے لگے تھے۔ مقتول دیوان نے شاید سپاہیوں کو بھی حکم دیا ہو گا کہ پہلے فائر کی آواز سنتے ہی فائرنگ شروع کر دیں۔

دیوان جے پال سنگھ اور ایک افسر کی موت کے بعد اب وہاں صرف آٹھ افراد باقی رہ گئے تھے۔ میں نے پھر ایک افسر کو یرغمال بنا لیا۔ اس وقت قریب کھڑے ہوئے ایک افسر نے مجھے مخاطب کیا۔ "فوری طور پر راجا صاحب کو دیوان جی کے قتل کی اطلاع بھجوانا چاہئے۔ معلوم نہیں اچانک شیکھر کو کیا ہوا کہ اس نے دیوان جی کو گولی مار دی۔"

"شیکھر یقیناً باغیوں سے مل گیا ہو گا ورنہ وہ ہرگز ایسا نہ کرتا۔" میں نے کہا۔ "تمہیں شاید یہ سن کر حیرت ہو گی کہ ہمارے درمیان اب بھی دو ایسے افسران موجود ہیں جو مسلمانوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ انہیں اس سے بڑے عہدوں اور دولت کا لالچ دیا گیا ہے۔"

توقع کے مطابق وہ سبھی بیک زبان پوچھنے لگے کہ وہ دونوں کون ہیں۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہتے ہی میں نے ریوالور نکال لیا اور پھر اپنے سامنے کھڑے ہوئے دو افسران کو بھون دیا۔ "یہ تھے وہ غدار۔"

چند لمحے وہ سبھی خاموش رہے' پھر ان میں سے ایک بولا۔ "یہ تم نے کیا کیا؟ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ دونوں غدار تھے؟"

"ثبوت چاہئے۔" میں نے ریوالور سیدھا کیا اور ثبوت طلب کرنے والے کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟" ایک افسر چیخ اٹھا۔

پھر اسی لمحے میرے پیچھے کھڑے ہوئے ایک افسر نے اپنے ریوالور کی نال میری کمر سے لگا دی اور سخت لہجے میں بولا۔ "ریوالور پھینک دو۔"

ریوالور پھینکتے ہی میں اس افسر کے جسم سے باہر آ گیا۔ اس کے جسم کو جھٹکا لگا اور وہ زمین پر گر گیا۔ میں نے دانستہ اس کے جسم سے نکلتے ہوئے زوردار جھٹکا لگایا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کے دل پر بھی ایسی ضرب لگائی تھی کہ وہ جاں بر نہ ہو سکے۔

آس پاس ہی چھ لاشیں پڑی تھیں۔ اب وہاں صرف چار افراد زندہ تھے۔ معلوم نہیں ان میں سے ایک کو کیا سوجھی کہ وہ پلٹ کر بستی کی طرف بھاگنے لگا۔

"ارے ارے' اسے کیا ہوا؟" کوئی حیرت سے بولا۔

"شاید قتل و غارت گری دیکھ کر دہشت کھا گیا ہے۔" دوسرے نے تبصرہ کیا۔

میں نے لپک کر بھاگنے والے کی ٹانگ پکڑ لی اور وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ پھر اس کی ٹانگ پکڑ کر میں نے اسے فضا میں کئی چکر دیئے اور پختہ زمین پر دے مارا۔ زمین سے ٹکرا کر اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور مغز نکل کر ایک طرف جا پڑا۔

بقیہ تین افسران کے لئے یہ منظر اتنا ہولناک اور خوفزدہ کر دینے والا تھا کہ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"یہ ..... یہ کوئی اَن دیکھی پُر ..... پُراسرار طاقت ہے جو ..... جو ہمیں ایک ایک کر کے قتل....." اس کا جملہ پورا نہ ہو سکا۔ اس سے پہلے ہی میں نے اسے دبوچ لیا تھا۔

اس کے جسم کی ہڈیاں میری گرفت میں آ کر کڑکڑائیں اور پھر وہ بھی سدھار گیا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص ہوش و حواس کھو بیٹھا اور دوسرا "بچاؤ' بچاؤ۔" چیخنے لگا۔ موت کی گرفت سے بھی کوئی بچا ہے جو وہ بچ جاتا۔ جو بے ہوش تھا' اس کی بے ہوشی کو بھی میں نے ہمیشگی میں بدل دیا۔

جنگل کے اندر سے شدید فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں' سو میں ادھر متوجہ ہو گیا۔

سپاہیوں کے ایک دستے کو میں نے ایک پگڈنڈی پر آگے بڑھتے دیکھا تو اپنے منہ سے دہشت ناک آواز نکالی اور پھر قریبی درختوں کو زور زور سے ہلانے لگا۔

"بب ..... بھوت۔" کوئی سپاہی خوفزدہ ہو کر چیخا۔

اتنا کافی تھا۔ سپاہیوں کا وہ دستہ واپسی کے لئے بھاگ اٹھا۔ اسی وقت میں نے ایک خوفناک شیر کا قالب اختیار کر لیا اور جنگل میں زقندیں بھرنے لگا۔ نتیجہ میری توقع کے مطابق ہی نکلا۔ جنگل میں شیر کی دھاڑیں سن کر سپاہیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ دو چار کو میں نے چیر پھاڑ ڈالا۔

"شیر..... شیر..... بھاگو' بھاگو۔" کے شور سے جنگل گونج اٹھا۔

درختوں پر مسلح نوجوان موجود تھے۔ انہوں نے بھاگتے سپاہیوں پر جہنم کے دہانے کھول دیئے۔ مقتول دیوان جے پال سنگھ نے شاید اس حملے میں سپاہیوں کی پوری نفری جھونک دی تھی۔ ان میں سے شاید آدھے سپاہی جنگل سے جان بچا کر فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ ان کی پسپائی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ انہیں کمان کرنے والا کوئی زندہ نہیں بچا تھا۔ انہیں تو میں نے پہلے ہی ہلے میں صاف کر دیا تھا۔ فائرنگ رک گئی اور جنگل میں سناٹا پھیل گیا تو میں نے شیر کا قالب ترک کر دیا اور شاہنواز خاں کے پاس پہنچ گیا۔ وہ خود بھی بندوق سنبھالے ایک پیڑ پر چڑھا ہوا تھا۔ میں نے قریب پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔ "کب تک اسی طرح بندر بنے شاخ پر لٹکے رہو گے' چلو نیچے اترو۔"

"دشمن اگر پھر پلٹ کر حملہ آور ہو گیا تو؟"

"اب ایسا نہیں ہو گا برخوردار! کیونکہ پلٹ کے حملہ کرنے کا حکم دینے والوں میں سے کوئی زندہ نہیں بچا۔" پھر میں نے اسے مختصراً مقتول حکام کے بارے میں بتا دیا۔

"یہ تو تم نے کمال کر دیا۔" وہ مرعوب ہو کر بولا۔

"اصل کمال تو اس شیر کا تھا جس نے دھاڑیں مار مار کر سپاہیوں کے پتے پانی کر دیئے اور وہ بھاگ اٹھے۔"

"ویسے یہ بات ہمارے لئے بھی بہت خطرناک ہے۔ پہلے تو اس جنگل میں ایک بھی شیر نہیں تھا۔" شاہنواز خاں نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"وہ تو خیر اب بھی نہیں ہے۔" میں پُرسکون آواز میں بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم! میں نے خود اسے ایک سپاہی پر زقند بھرتے اپنی ان گناہگار آنکھوں سے دیکھا

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ہے۔"

"گناہگار آنکھوں سے دیکھنے والوں کو اکثر کچھ کا کچھ نظر آتا ہے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں پیارے نواب!" پھر اسے میں نے حقیقت سے آگاہ کیا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تو ..... تو وہ تم ..... تم تھے۔" شاہنواز خاں ہکلایا۔

"یقین نہیں آ رہا تو لو یہ دیکھو۔" میں نے یہ کہتے ہی شیر کا قالب اختیار کیا اور پیڑ سے چھلانگ لگا دی۔

"بب ..... بس ..... بس۔" شاہنواز خاں کی ڈری ڈری سی آواز آئی اور میں نے شیر کا قالب چھوڑ دیا۔

اس روز پولیس سے مقابلے میں چھ نوجوان مارے گئے اور اٹھارہ زخمی ہوئے۔ دشمنوں کے جانی نقصان کے مقابلے میں یہ تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ مرنے والے نوجوانوں کو جنگل ہی میں ایک جگہ دفن کر دیا گیا۔ سپاہیوں کی لاشیں گنی گئیں تو ان کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ اس خیال سے کہ جنگل میں لاشوں کے سڑنے سے بدبو نہ پھیلے' میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میرے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جاتے۔

پھر اس بستی والوں نے شاید اپنی زندگی کا سب سے حیران کن منظر دیکھا۔ "ایوان اقتدار" پر آسمان سے گویا لاشوں کی بارش ہو رہی تھی۔ ساری بستی میں سنسنی پھیل گئی۔ میں نے ردعمل کے طور پر لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ حکمرانوں پر خدائی قہر ٹوٹ رہا ہے۔ بستی والوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ لاشیں صرف ظالموں کی تھیں۔ گزشتہ روز سے اب تک اس ریاست کے ستون ہل کر رہ گئے تھے۔ للتا کو مجھ سے دشمنی بہت مہنگی پڑی تھی۔ مسلمان اب کھل کر باغی نوجوانوں کی حمایت میں بول رہے تھے۔ پے در پے جو واقعات رونما ہوئے تھے' ان سے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ نیچے والوں نے اپنی کارگزاری ظاہر کرنے کے لئے جس ممکنہ فرضی بغاوت کے قصے "ایوان اقتدار" میں سنائے تھے' وہ اب حقیقت بنتی جا رہی تھی۔

میں نے لوگوں کے جوش و ولولے کو مزید بڑھانے کی خاطر بستی میں یہ بات پھیلا دی کہ ریاست کا اصل حکمراں شاہنواز خان زندہ ہے اور وہی باغی نوجوانوں کی قیادت کر رہا ہے۔ اس کے لئے مجھے کئی قالب بدلنا پڑے۔ اس دور میں شخصیت پرستی عام تھی' سو عوام شاہنواز خاں کے گن گانے لگے۔ اس دن شام تک یہ حالت ہو گئی کہ وردی پوشوں کے لئے مسلمان محلوں سے گزرنا دوبھر ہو گیا۔ میں نے شاہنواز خاں کو یہ سب کچھ بتایا تو اس کا سینہ فخر سے اتنا چوڑا ہو گیا کہ مزید چوڑنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے عوام مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں۔" فرط جذبات سے اس کی آواز بھرا سی گئی۔

"غلط فہمی ہے تمہیں برخوردار! لوگ تم سے نہیں اقتدار سے محبت کرتے ہیں۔ ریاست میں اکثریت کیونکہ مسلمانوں کی ہے اور اتفاق سے تم بھی میری طرح نام کے مسلمان ہو اس لئے تمہارا برسراقتدار آنا اکثریت کے حق میں ہے۔" میں نے صاف بات کہہ دی۔

"کبھی کبھی تم بڑی تلخ باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"کبھی کبھی نہیں بلکہ ہمیشہ میں اتنی ہی تلخ باتیں کرتا ہوں۔ مجھے تم سے نہ کوئی جاگیر اپنے نام لکھوانی ہے' نہ کسی عہدے کی طلب ہے۔ پھر جھوٹ کیوں بولوں۔"

"میرے اندازے کے مطابق حالات اب ایسا رخ اختیار کرتے جا رہے ہیں کہ چند ہی روز میں مشتعل عوام کوٹھی پر حملہ کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو ..... تو پھر وہ ..... عوام اسے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے جسے کالی چرن کی بیٹی سمجھتے ہیں اور ..... تمہیں تو یہ ..... یہ معلوم ہی ہے کہ وہ ..... وہ دراصل میرا خون ہے۔"

"گندا خون کہو تو زیادہ مناسب ہے۔" میں بولا۔ "وہ بھی اپنی ماں کی روش پر چل رہی ہے۔"

"کیا مطلب؟" بوڑھے شاہنواز خاں کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ بیٹی چاہے ناجائز ہی سہی مگر بوڑھا یہ کڑوا سچ برداشت نہ کر سکا۔

"ابھی مزید وضاحت کی ضرورت ہے کیا؟" میں نے کہا۔ "جس طرح اس کی ماں تمہاری داشتہ بنی ہوئی تھی اسی طرح وہ گرو وشواناتھ کی داشتہ ہے۔"

"نہیں۔" بوڑھا شاہنواز خاں تقریباً چیخ اٹھا۔ "میرا خون ایسا نہیں ہو سکتا۔"

غنیمت تھا کہ کوئی اس وقت ہم دونوں کے آس پاس نہیں تھا اور ہم نوجوانوں سے خاصی دور آ کر بیٹھے تھے ورنہ شاہنواز خان کو چیختے دیکھ کر کوئی نہ کوئی تفتیش حال کو آ گیا ہوتا۔

"تمہارا خون ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا تم آسمان سے اترے ہو؟" میں نے لگی لپٹی نہ رکھی۔

خاندانی شرافت و نجابت بھی کچھ ہوتی ہے۔" بوڑھا شکست خوردہ سے لہجے میں کہنے لگا۔

"اور تمہارا خیال یہ ہے شاید کہ شرافت و نجابت صرف امیروں کے حصے میں آئی ہے۔ دوسرے کی بیوی کو داشتہ بنا کر تم نے کون سی خاندانی شرافت کا ثبوت دیا تھا۔ اب اگر تمہاری ناجائز بیٹی کسی کی داشتہ بنی ہوئی ہے تو بلبلا رہے ہو ..... اور سنو شاہنواز خاں! جس کا غم تمہیں کھائے جا رہا ہے' اسے مارنا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ تمہیں شاید یقین نہ آئے کہ اس سے تو میں بھی ڈرتا ہوں۔"

"کیا ..... یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" شاہنواز خاں مجسم حیرت بن گیا۔ کوئی جن زاد بھی کسی سے ڈر سکتا ہے' یہ شاید اس کے لئے نئی بات تھی۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں میرے نواب! تمہاری بٹیا رانی للتا اتنی ہی خطرناک ہے۔ گرو وشواناتھ کی وہ داشتہ بھی ہے اور چیلی بھی۔ گرو نے اسے ایسے ایسے شیطانی عمل سکھا رکھے ہیں کہ کوئی آدم زاد تو کیا جن زاد بھی اس کی مرضی کے خلاف اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ دو مرتبہ تو وہ مجھے ہی دوڑا چکی ہے۔ ایک اور بات سن لو' اس کے بارے میں کہ تمہارا گندا خون ہونے کے باوجود مسلمانوں کی وہ بھی پکی دشمن ہے۔ اگر تمہاری کوٹھی یا اس محل نما عمارت میں للتا نہ ہوتی تو اب تک میں تمہیں تخت حکومت پر بٹھا چکا ہوتا۔ گرو کو تو میں نے قابو میں کر ہی لیا تھا۔ یہ ساری باتیں میں نے تمہیں اس لئے بتائی ہیں کہ اس کی محبت میں تمہارا کلیجہ آئندہ نہ پھٹے۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"یہ تو بہت بُرا ہوا کہ اپنا ہی خون اپنا دشمن ہو گیا۔" شاہنواز خاں دکھ بھری آواز میں بولا۔ "کاش کسی طرح اسے حقیقت کا علم ہو جائے۔"

"خام خیالی ہے تمہاری۔ حقیقت جان لینے کے بعد بھی وہ تمہی کو ظالم سمجھے گی اور اپنی ماں کو مظلوم۔ اسے تم صبر ہی کر لو پیارے!" میں نے اسے سمجھایا۔

دشمن کے خلاف میں نے جو اقدامات کئے تھے' میرے دل میں ان کا ردعمل جاننے کی بڑی جستجو تھی۔ پھر بھی میں نے محل نما عمارت میں داخل ہونے سے گریز کیا۔ اس رات کو میں للتا کا تصور کئے سو گیا اور حیرت اس پر ہوئی کہ آنکھ کھلتے ہی مجھے اس کا حسین چہرہ نظر آیا۔ وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ مجھے شاید اس کے حسن نے مبہوت کر دیا تھا۔ پہلی مرتبہ للتا کو میں نے ریشمی لبادے میں دیکھا تھا۔ اس وقت بھی جیسے ریشم میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔

اس نے مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور پھر فضا میں بلند ہونے لگی۔

"للتا! یہ تم مجھے کہاں لے جا رہی ہو؟" میں نے اس سے دریافت کیا۔

"اپنے من مندر میں بسانے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تو کیا تم اپنا من مندر کہیں اور بھول آئی ہو جو مجھے وہاں لے جا رہی ہو؟"

وہ میری بات نظرانداز کرتے ہوئے کہنے لگی۔ "تم سے دشمنی مول لے کر ہم نے اچھا نہیں کیا۔ گرو جی کو بھی اب اس بات کا احساس ہو گیا ہے۔ مجھے بھی اب یقین ہو گیا ہے کہ تم مجھ سے بے انتہا محبت کرتے ہو۔ پھر یہ کہ ایک بار تو تم گرو جی کے روپ میں میرے اتنے قریب آ چکے ہو کہ گرو جی کے سوا کوئی میرے اتنا قریب نہیں آ سکا۔ تمہارے اور میرے درمیان کوئی پردہ نہیں رہا۔ میں چاہتی ہوں کہ آئندہ کے لئے بھی اب کوئی پردہ نہ رہے۔"

"تمہارے گرو جی اس پر راضی ہو جائیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"انہی کی مرضی سے تو میں تمہیں تلاش کر کے ان کے پاس لے جا رہی ہوں۔"

"میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آ رہی کہ ایک نیام میں دو تلواریں کیسے رہ سکتی ہیں۔"

"سمجھ جاؤ گے۔ گرو جی تو اس پر راضی ہیں' تم ان کے پاس چل ہی رہے ہو' خود بات کر لینا۔ دراصل غلطی ہماری ہی ہے۔ تم نے تو کہہ ہی دیا تھا پہلے کہ ہم جو کچھ کہیں گے تمہیں اس پر عمل کرنے میں اعتراض نہیں ہو گا۔ مجھے تمہاری یہ پیشکش مان لینا چاہئے تھی۔"

پھر وہ مجھے اپنی آغوش میں سمیٹے ہوئے محل نما عمارت کے اس حصے میں اتر گئی جو گرو وشواناتھ کے لئے مخصوص تھا۔ گرو کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ للتا مجھے گود میں اٹھائے اندر پہنچ گئی۔ وہاں مسہری پر گرو نیم دراز تھا۔ اس کے چہرے سے اب بھی نقاہت جھلک رہی تھی۔ للتا پر نظر پڑتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا' پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "آؤ عبدالغفور! آخر للتا نے تمہیں تلاش کر ہی لیا۔ معلوم نہیں' تم نے ایک ہی ادھورے ملن میں اس پر کیا جادو کر دیا ہے کہ اب ہر دم یہ تمہارے ہی گن گاتی رہتی ہے۔"

للتا کی آغوش میں مجھے ایسی راحت محسوس ہو رہی تھی جو ناقابل بیان ہے۔ میں جیسے پگھلا جا رہا تھا

لیکن یہ لمحات راحت اس وقت ختم ہو گئے جب اس نے مجھے گرو کے قریب ہی مسہری پر لٹا دیا۔ میرے تمام حواس پوری طرح بیدار تھے' صرف اتنا تھا کہ میں اپنی مرضی سے اپنے جسم کو حرکت دینے سے قاصر ہو چکا تھا۔ للتا نے یقیناً مجھے تلاش کرنے کے بعد سوتے ہی میں کسی شیطانی عمل کے ذریعے باندھ دیا تھا۔ پھر جب وہ مجھے اٹھا کر یہاں لا رہی تھی تو میری آنکھ کھل گئی تھی۔ مجھے حیرت اس پر تھی کہ میرے دشمن مجھ پر قابو پانے کے باوجود محبت سے پیش آ رہے تھے اور ایسا بلا سبب ممکن نہیں تھا۔ گرو نے مجھے اسی فرضی نام سے مخاطب کیا تھا جو قید کے دوران میں للتا کو میں نے بتایا تھا' یہ بات بہرحال میرے لئے تسلی بخش تھی۔

گرو مسہری سے اٹھ کر قریب ہی پڑی آرام دہ کرسی پر نیم دراز ہو گیا اور للتا میرے پاس آ گئی۔

"ہم تمہیں اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں عبدالغفور!" گرو نے بات شروع کی۔ "اب تک ہمارے درمیان جو معرکہ آرائی ہوئی' اسے بھول جاؤ۔ مجھے اس پر کوئی غصہ نہیں کہ تم نے میرے جسم کو اپنا لیا تھا۔ میں سچے دل سے تمہارا یہ قصور معاف کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ تم نے جو نقصانات ہمیں پہنچائے ہیں وہ بھی ہمارے علم میں ہیں۔ جب دشمنی' دوستی میں بدل رہی ہے تو پھر گلے شکوے بھلے نہیں لگتے۔ للتا جس طرح تمہیں ڈھونڈ کر یہاں لے آئی ہے' شاہنواز خان بھی یہاں پہنچ چکا ہے جسے تم نے تہہ خانے سے فرار کرا دیا تھا۔"

مجھے یہ سن کر افسوس ہوا' مگر میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک بات کہہ ہی دی۔ "گرو جی! بڑا بُرا زمانہ آ لگا ہے کہ ایک بیٹی اپنے باپ کی دشمن ہو گئی ہے۔ للتا بے چاری کو تو خیر کچھ خبر نہیں' مگر تم تو اچھی طرح جانتے ہو کہ شاہنواز خاں' للتا کا باپ ہے۔"

میری بات سن کر گرو جی اور للتا دونوں ہی چونک اٹھے۔ للتا تو اٹھ کر بیٹھ گئی اور مجھ سے بولی۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو عبدالغفور؟"

"وہی جو سچ ہے' تم شاہنواز خاں ہی کی بیٹی ہو۔" پھر اس سے پہلے کہ گرو وشواناتھ درمیان میں کچھ کہتا' للتا کو میں نے حقیقت سے آگاہ کر دیا۔

للتا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ ان میں حیرت بھی شامل تھی اور غصہ بھی' اظہار افسوس بھی تھا' نفرت بھی۔

"عبدالغفور ٹھیک کہہ رہا ہے للتا!" خلاف توقع گرو وشواناتھ میری تائید میں بولا۔ "کالی چرن جی' تمہارے پتا نہیں ہیں' تم شاہنواز خاں ہی کی ناجائز اولاد ہو۔ بات یہ ہے للتا کہ اب کوئی بات چھپانا بیکار ہے۔ جو کچھ بھی ہوا' تمہارے پتا اور ماتا کی مرضی سے ہوا۔ اس میں میری مرضی بھی شامل تھی۔ تمہاری ماتا جی نے تمہارے پتا کی اجازت ہی سے شاہنواز خاں کو شیشے میں اتارا۔ ہاں میں اتنا ضرور کہوں گا کہ تمہاری' ماں شاہنواز خاں کا پہلو آباد کرنے کے باوجود تمہارے پتا ہی کی وفادار رہی تاکہ اس ریاست پر قبضہ کیا جا سکے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاہنواز خاں کبھی ان کاغذات پر دستخط نہ کرتا جن کی وجہ سے آج ہم اس ریاست پر حکمرانی کر رہے ہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"لیکن گرو جی! مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی گئی؟" للتا کی آواز میں احتجاج تھا۔

"کچھ باتوں کا چھپا لینا ہی اچھا ہوتا ہے للتا!" گرو نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی' صرف دولت و اقتدار ہی تو سب کچھ نہیں گرو جی! آپ ہی بتاؤ' کیا رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں؟"

"کیوں نہیں۔" گرو اب بھی پُرسکون ہی رہا۔ "کیا تمہاری ماتا جی نے رشتہ نہیں نبھایا؟ تمہارے پتا کا ساتھ نہیں دیا؟"

"اب تو آپ اس شخص کو میرا پتا نہ کہو گرو جی کہ جس نے دولت و اقتدار کی خاطر میری ماں کو جان بوجھ کر ایک اور مرد کے حوالے کر دیا۔ میں تو اب اسے اپنا پتا مانتی ہوں کہ جو صرف میری ماں کی محبت کے فریب میں آ کر اقتدار سے محروم ہو گیا' وہ کہ جسے میں نے جیون بھر کبھی پتا جی نہیں کہا اور وہ گرو جی کہ جس نے ایک عمر قید میں بتا دی۔"

"للتا! تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ تمہاری ماں ایک ہندو ناری تھی اور اسی ناتے تم بھی ہندو ہو۔"

"نہ میں ہندو ہوں نہ مسلمان۔ میں صرف انسان ہوں۔ میرا دین دھرم انسانیت ہے۔"

"انسانیت دھرم سے بڑی نہیں ہوتی بلکہ دھرم ہی کسی منش کو انسان بناتا ہے۔" گرو بحث کرنے لگا' انداز اب بھی سمجھانے والا تھا۔

"اگر دھرم ہی آدمی کو انسان بناتا ہے تو پھر آپ مجھے یہ بتاؤ گرو جی کہ دنیا کا کون سا دھرم نفرت سکھاتا ہے؟ دوسرے دھرم والوں کو مار ڈالنے کے لئے کہتا ہے؟ دوسروں سے جینے کا حق چھین لینا کیا دھرم ہے؟ اگر دھرم یہی ہے تو پھر میں آدھرم (لامذہب) ہوں۔ ویسے بھی میں دو دھرموں کے ملاپ کا پھل ہوں۔ میری ماں ہندو تھی اور باپ مسلمان' تو پھر میں کون ہوئی؟ ہندو کہ مسلمان؟" توقع کے برعکس للتا بھڑک اٹھی تھی حالانکہ میں نے شاہنواز خاں سے اس کے بارے میں کچھ اور ہی کہا تھا۔

"تم ہندو ہو کہ ہندو گھرانہ ہی تمہاری پہچان ہے۔ پھر یہ تو سوچو للتا کہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔ کالی چرن جی کے بعد تمہی کو تو اس ریاست پر حکمرانی کرنی ہے۔"

"نہیں کرنی مجھے حکمرانی! جہاں رشتے ہی جھوٹے ہوں' کسی پر بھروسا ہی نہ کیا جا سکے' جہاں پتا جی کہلائے جانے والا پتا نہ ہو' وہاں مستقبل کے خواب کیا دیکھنا۔"

"کیا تمہیں جذبات کی رو میں بہہ کر میرا دھیان بھی نہیں رہا؟ مجھ سے بھی تو تمہارا ایک رشتہ ہے۔"

"گرو جی! آپ بھی کالی چرن سے کم نہیں ہو۔ آپ بھی تو مجھے اپنا آپ کسی اور کو سونپ دینے کے لئے کہہ رہے ہو۔ کیا کوئی پریمی اپنی پریمیکا (محبوبہ) کو جانتے بوجھتے اور اپنی خوشی سے کسی اور کے سپرد کر سکتا ہے؟ تو پھر یہ کیسا بندھن ہے' کیسا رشتہ ہے یہ؟ آپ جھوٹ بولتے ہو گرو جی کہ آپ کو مجھ سے پریم ہے۔ اپ کو اگر کسی سے پریم ہے گرو جی تو وہ اقتدار ہے' دولت ہے۔ آپ مجھے نہیں' اس ریاست کو اپنانا چاہتے ہو گرو جی!"

آخر کار گرو کی قوت برداشت جواب دے ہی گئی اور وہ بلند آواز میں بولا۔ "بس کر للتا! بہت ہو گیا۔ اب اگر تُو نے زبان کھولی تو ..... تو اچھا نہیں ہو گا۔ میں تجھے ایسی سزا دوں گا کہ تُو مرنے کی دعائیں کرے گی اور تجھے موت نہیں آئے گی۔ تجھ سے میں نے جو کہا ہے' اس پر عمل کر۔ اس مُسلے کی آتما کو گندا کر دے تاکہ میں جاپ شروع کروں اور اسے اپنا غلام بنا لوں۔ خلاف ورزی کی تو پچھتائے گی۔"

اسی لمحے میں نے یوں محسوس کیا کہ للتا نے میرے جسم پر ہاتھ پھیرا ہو۔ مجھے یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ میری بندش ختم ہو چکی ہے۔ اسی کے ساتھ میں للتا کا مقصد بھی سمجھ گیا۔ گرو میری طرف سے مطمئن تھا کہ میں مسہری پر بندھا پڑا ہوں۔ پہلے بھی میں اس کی غفلت سے فائدہ اٹھا چکا تھا' سو اس مرتبہ بھی اسے اچانک دبوچ لیا۔ اس کے بدبودار اندھیرے جسم پر قبضہ کرنا میری مجبوری تھی ورنہ ہرگز اس کے لئے آمادہ نہ ہوتا۔

حبس اور گھٹن کے ابتدائی چند لمحات مجھ پر بہت گراں گزرے جو مجھے مجبوراً برداشت کرنا پڑے۔

"عبدالغفور!" للتا نے مجھے میرے فرضی نام سے پکارا۔ "میں تمہاری آبھاری (احسان مند) ہوں کہ تمہاری وجہ سے آج مجھے اپنی اصلیت کا پتا چل گیا۔ اسی کے ساتھ ایک شیطان کے چہرے سے عقیدت' محبت اور شرافت کی نقاب بھی اتر گئی۔ جب میں نے تمہاری بندش کھولی تو مجھے یقین تھا کہ تم اسے قابو میں کر لو گے' پہلے کی طرح اور تم میری توقع پر پورے اترے۔"

"للتا! اس خوشی کے موقع پر کیا تم مجھ سے نہیں پوچھو گی کہ بول اے عبدالغفور کیا مانگتا ہے۔ تیری ہر خواہش پوری کی جائے گی۔" میں معنی خیز لہجے میں بولا۔

میں نے اس کے حسین چہرے پر حیا کی سرخی پھیلتے دیکھی اور اس لمحے وہ مجھے بہت اچھی لگی۔ میں اٹھا اور اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

"نہیں عبدالغفور!" وہ مچل کر میری آغوش سے نکل گئی' پھر کہنے لگی۔ "مجھے اب اس جسم سے نفرت ہو گئی ہے۔ پہلے اسے ختم کرنا ہے۔" اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

"ہوں۔" میں سوچنے لگا کہ گرو کو کس طرح قتل کیا جائے؟

پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' للتا بول اٹھی۔ "تم جب پہلے اس کا جسم چھوڑ کر بھاگے تھے تو شدید جھٹکا لگنے سے چند لمحوں کو یہ اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ اس بار بھی یقیناً ایسا ہی ہو گا اور شاید یہ چند لمحے اسے ٹھکانے لگانے کے لئے کافی ہوں گے۔ اگر اسے ہوش آ گیا تو پھر اس پر قابو پانا ناممکن ہے۔"

میں نے للتا کی تجویز سے اتفاق کیا اور گرو کے جسم سے نکلتے ہوئے اس کے دل کو بھی نشانہ بنایا۔ توقع کے مطابق وہ منہ کے بل زمین پر گرا۔ میں تیزی سے جھکا اور اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر اسے درمیان سے چیر دیا۔ للتا کو شاید مجھ سے اتنی برق رفتاری کی توقع نہیں تھی۔ اس نے اپنے ریشمی لبادے سے جو خنجر نکالا تھا' وہ بے مصرف ہی رہا۔

"عبدالغفور! ابھی ہمیں ایک اور پاپی کو قتل کرنا ہے۔" للتا نے مجھے مخاطب کیا۔ "اسی کے بعد میں تمہاری آتما کی شانتی کے لئے وہ سوال کروں گی کہ بولو کیا مانگتے ہو۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو میں تمہاری خاطر ایک نہیں دس قتل اور کر سکتا ہوں۔" میں بولا۔

"نہیں' اسے میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے خنجر اپنے ریشمی لبادے میں چھپا لیا' پھر کہنے لگی۔ "تم صرف تماشا دیکھو گے کہ میں اسے کس طرح مارتی ہوں۔"

"وہ شخص یقیناً تمہارا جعلی پتا جی کالی چرن ہے جسے تم موت کی نیند سلانا چاہتی ہو۔" میں نے جو اندازہ لگایا تھا' کہہ دیا۔

"تم ٹھیک ہی سمجھے لیکن اعتراف گناہ کے بعد ہی میں اسے تڑپا تڑپا کر ماروں گی۔ اس کی گردن پر اتنے بے گناہ انسانوں کا خون ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ایک وہی کیا' اقتدار کی ہوس میں مبتلا بہت سے حکمرانوں کی گردنوں پر ہزاروں لاکھوں انسانوں کا خون ہوتا ہے۔ اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے وہ درندے بن جاتے ہیں۔"

اس کے بعد للتا مجھے محل نما عمارت کے ایک ایسے حصے میں لے آئی جہاں جگہ جگہ چوکنا مسلح محافظ موجود تھے۔ للتا کو انہوں نے نہیں روکا اور مجھے روکنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ میں کسی آدم زاد کے جسم میں ہوتا تو شاید وہ روکتے بھی۔ جو میرا راستہ روک سکتی' وہ خود میرے ساتھ تھی۔

کالی چرن کی خواب گاہ کے دروازوں پر بھی دو تندرست و توانا مسلح محافظ موجود تھے اور دروازہ اندر سے بند تھا۔

"تم لوگ جاؤ۔" للتا نے ان محافظوں کو حکم دیا۔

"لیکن راجا صاحب کا حکم ہے کہ ہم کسی بھی حالت میں یہاں سے نہ ہٹیں۔" ایک محافظ نے اعتراض کیا۔

للتا کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ "میں تمہیں حکم دے رہی ہوں۔"

"ہم اس معاملے میں راجا صاحب کا حکم ماننے کے سوا کسی کا حکم بھی ماننے کے پابند نہیں۔" دوسرا محافظ بھی بول اٹھا۔

اس طویل راہداری میں ان دونوں کے سوا کوئی اور محافظ نہیں تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ میں ان دونوں محافظوں کو راستے سے ہٹا دیتا' للتا نے کچھ پڑھ کر باری باری ان دونوں پر پھونک دیا۔ وہ دونوں ہی بے جان مجسموں کی طرح اپنی جگہ کھڑے رہ گئے۔ پھر للتا نے خواب گاہ کے دروازے پر کئی مرتبہ دستک دی مگر دروازہ نہیں کھلا۔

"ٹھہرو!" میں نے کہا۔ "وہ شاید پی پلا کر خوب گہری نیند سو رہا ہے۔ میں اندر جا کے تمہارے لئے دروازہ کھول دیتا ہوں۔"

کسی جن زاد کے لئے بند دروازوں یا دیواروں سے گزرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ سو میں نے جو کہا تھا' دوسرے ہی لمحے کر دکھایا۔ خواب گاہ میں دھیمی دھیمی روشنی والا ایک فانوس روشن تھا۔ بڑی سی مسہری کے سرہانے ایک طرف میز پر ولایتی شراب کی بوتل اور خالی جام رکھا تھا۔ میرا قیاس درست نکلا۔ اس رات وہ شاید زیادہ ہی چڑھا کے سویا تھا۔ اس کی وجہ غالباً موجودہ حالات تھے جن سے کالی چرن سخت

پریشان ہو گا۔

للتا نے خواب گاہ کا دروازہ پھر اندر سے بند کر لیا اور اس مسہری کی طرف بڑھی جس پر کالی چرن بے سدھ پڑا تھا۔ کالی چرن خاصی دیر میں بار بار آوازیں دینے اور جھنجوڑنے کے بعد جاگا۔

"تم یہاں؟" اپنی آنکھیں ملتے ہوئے کہنی کے بل اٹھا۔ "اس وقت تمہیں میری خواب گاہ میں محافظوں نے کیسے ..... آنے دیا؟ اور دروازہ کس نے کھولا؟"

"کیا تجھے نہیں معلوم کالی چرن کہ میں کون ہوں اور یہ کہ کوئی بھی مجھے کہیں پہنچنے سے نہیں روک سکتا۔" للتا سخت لہجے میں بولی۔

"تم ..... تم اپنے پتا جی کا نام لے رہی ہو' اپمان کر رہی ہو۔" کالی چرن غصے میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"میرا پتا اگر تُو ہی ہوتا کالی چرن تو میں ہرگز تجھ سے ایسے لہجے میں بات نہ کرتی۔ میں تو شاہنواز خاں کی بیٹی ہوں اور تجھے بھی یہ بات اچھی طرح معلوم ہے۔"

"تمہیں یقیناً کسی نے میری طرف سے بہکا دیا ہے للتا!" وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

اسی وقت میں نے کالی چرن کے ایک ہاتھ کو تکیے کے نیچے جاتے دیکھا اور جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑ لی۔ پھر میں نے تکیہ ہٹا کر دیکھا تو وہاں ریوالور رکھا تھا۔ کالی چرن اسی ریوالور کو نکالنے والا تھا۔ اس نے شاید بساط الٹ جانے کا اندازہ کر لیا تھا۔ ریوالور اٹھا کر میں نے کالی چرن کی کلائی چھوڑ دی اور وہاں سے ہٹ گیا۔

"تو پوجیہان پتا جی اپنی پیاری بیٹی کو گولی مارنے والے تھے۔" للتا کی آواز میں کسی تیز نشتر کی سی کاٹ تھی۔

"تت ..... تم غلط ..... غلط سمجھ رہی ہو للتا بیٹی!" کالی چرن کا نشہ ہرن ہو گیا اور وہ ہکلانے لگا۔ "ہرگز میرا یہ ارادہ نہیں تھا۔ میرا ہاتھ تو یوں ہی تکیے پر پڑ گیا تھا۔"

"بکواس بند کر کالی چرن!" للتا نے اسے ڈانٹ دیا۔ "اور میں تجھ سے جو پوچھوں اس کا جواب دے۔ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ تُو نے میری ماں پر بدچلنی کا الزام لگا کر اسے کیوں قتل کیا؟"

"وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی۔" کالی چرن خوفزدہ نظروں سے اپنی طرف اٹھے ہوئے ریوالور کی نال کو دیکھنے لگا جو میرے ہاتھ میں تھا۔

للتا نے اپنے لبادے سے خنجر نکال لیا اور غرائی۔ "سچ بک دے کالی چرن ورنہ میں اس خنجر سے تیری کھال اتار دوں گی۔"

"مم ..... میں سچ ..... سچ کہہ رہا ہوں کہ ..... کہ تیری ماں بدچلن تھی۔"

"تُو اسے بدچلنی پر قتل نہیں کر سکتا۔ جھوٹ بول رہا ہے تُو۔ بدچلنی پر تو اسے تُو نے خود آمادہ کیا تھا جس کی زندہ مثال تیرے سامنے کھڑی ہے۔ قتل کی وجہ یقیناً کوئی اور تھی۔"

پھر جب للتا نے آگے بڑھ کر کالی چرن کے جسم پر خنجر سے کئی چرکے لگائے تو وہ کھل ہی گیا۔ للتا

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کی ماں' شاہنواز خاں کو رہا کر دینے پر مصر تھی۔ مسلسل بیمار رہنے کے سبب شاید رکمنی کو یقین ہو گیا اب زندہ نہیں بچے گی۔ غالباً اسی وجہ سے اس کا ضمیر جاگ اٹھا تھا۔ شاہنواز خاں اسی سے محبت کی بھگت رہا تھا۔ کالی چرن نے اسی لئے رکمنی پر بدچلنی کا الزام لگا کر اسے قتل کر دیا تھا کہ کہیں وہ کسی سامنے زبان نہ کھول دے۔

کالی چرن اپنے تمام تر گناہوں کا اعتراف کرنے کے بعد للتا سے زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔

"کچھ ..... مجھے کچھ نہیں چاہئے۔" وہ گڑگڑانے لگا۔ "نہ اقتدار' نہ دولت کچھ بھی نہیں ..... تم مجھے بس یہاں سے زندہ نکل جانے دو۔"

"تو میری ماں کا قاتل ہے کالی چرن! تجھے میں کیسے زندہ چھوڑ سکتی ہوں۔" للتا تیزی سے آگے بڑھی اور خنجر سے کالی چرن کی توتے جیسی ناک اڑا دی۔

"بچاؤ ..... بچاؤ۔" کالی چرن بری طرح چیخنے لگا تو للتا نے کچھ پڑھا اور اس کی طرف پھونک دی۔

"اب تو تڑپے گا مگر چیخ نہیں سکے گا۔ میں نے تیری زبان پر تالا ڈال دیا ہے۔" للتا بولی اور پھر چرن کا دایاں ہاتھ پکڑ کر کہنی کے پاس سے کاٹ دیا۔

ممکن ہے کہ کالی چرن تکلیف و اذیت سے ہوش و حواس کھو بیٹھتا مگر للتا نے ایسا بھی نہ ہونے دیا۔ آخرکار کالی چرن نے تڑپ تڑپ کر آرام دہ بستر پر جان دے دی۔ اس کے جسم کے کٹے ہوئے ٹکڑے مسہری پر بکھرے ہوئے تھے۔ بستر خون میں تر ہو گیا تھا۔ خون آلود خنجر للتا نے وہیں پھینک دیا پھر مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔

اسی راہداری میں للتا کی خواب گاہ تھی۔ وہ مجھے وہاں لے آئی۔

کسی جن زاد کے لئے ضروری نہیں کہ کسی آدم زاد کے جسم میں داخل ہو کر ہی وہ آدم زاد بن جائے۔ کسی آدم زاد کے جسم کو حاصل کئے بغیر بھی کوئی جن زاد' انسانی قالب میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس پر للتا کو شدید حیرت ہوئی۔ میں نے ایک خوبصورت نوجوان کا قالب اپنایا تھا۔

"تم مجھے یوں تعجب سے کیوں دیکھ رہی ہو؟" میں نے للتا کے قریب اس کی مسہری پر نیم دراز ہو کر کہا۔

وہ میری طرف کروٹ لے کر بولی۔ "کسی بھٹکی ہوئی آتما کو شریر (جسم) ملتے ہوئے میں نے آج پہلی بار ہی دیکھا ہے۔"

"میری طرف سے تم غلط فہمی کا شکار ہو کہ میں کوئی بھٹکی ہوئی روح ہوں؟"

"پھر کون ہو تم؟" اس نے بڑی محبت سے پوچھا۔

"بتا دوں گا مگر پہلے مجھ سے یہ تو پوچھ لو کہ بول کیا مانگتا ہے؟"

جواباً وہ سراپا قیامت میرے پہلو میں سمٹ گئی اور پھر میں نے ایک حسین و رنگین خواب کو شرمندۂ تعبیر ہوتے دیکھا۔ کاش اس وقت میں سچ مچ کسی آدم زاد کے جسم میں ہوتا تو یہ لمحات امر بن جاتے۔

خود فراموشی کے سارے لمحے گزر گئے تو میں نے للتا سے کہا۔ "مجھ سے شادی کرو گی؟"

"کیا ..... یہ کس طرح ممکن ہے؟ کسی لڑکی نے کبھی کسی آتما سے بھی شادی کی ہے۔"

"ممکن ہے' اسی لئے تو تم سے پوچھ رہا ہوں۔ میں کوئی آتما نہیں ایک جن زاد ہوں اور جن زادوں سے آدم زادیوں کی شادی ہو سکتی ہے۔" پھر میں اسے جنات کے بارے میں بتانے لگا۔

للتا حیرت سے میری باتیں سنتی رہی۔ وہ جنات کے ذکر کو محض قصے کہانیاں سمجھتی رہتی تھی۔ جب اسے میری باتوں پر یقین آ گیا تو کہنے لگی۔ "اگر تم انسان بن کے رہنے پر آمادہ ہو جاؤ تو میں اپنا سارا جیون تمہیں سونپ دوں۔ گرو کے سوا مجھے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔"

"مجھ سے شادی کرنے اور میری بیوی بننے کے لئے تمہیں مسلمان بننا پڑے گا۔"

"آدھی مسلمان تو میں اپنے باپ کی طرف سے ہوں ہی' بقیہ آدھی تمہاری خاطر بن جاؤں گی۔" وہ دوبارہ خود سپردگی کی حالت میں آ گئی۔

میں نے اس موقع کو بھی رائیگاں نہیں جانے دیا۔

میں نے جو انسانی قالب اختیار کیا تھا' اس میں صنف مخالف کے لئے بے پناہ کشش تھی۔ وہ جسم ایک دھوکا' ایک سراب ہی سہی مگر للتا کو بہت پسند آیا۔ اس نے میرے پہلو سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔ "عبدالغفور! اب تم اسی جسم میں رہنا' اسے چھوڑنا مت۔"

جھونک میں یا پھر جلد بازی کے سبب میں نے للتا کو بزا غیر شاعرانہ سا نام بتا دیا تھا۔ جب وہ مجھے عبدالغفور کہتی تو یوں لگتا جیسے میرے چہرے پر خود بخود داڑھی اگ آئی ہو۔ یہ نام کسی بزرگ یا عمر رسیدہ شخص کے لئے تو اچھا تھا مجھ جیسے جوان جہان رومینٹک جن زاد کے لئے نہیں۔ سو میں نے یہی سوچ کر اس سے کہا۔ "للتا پیاری! جنمی گرو وشواناتھ کی وجہ سے میں نے تمہیں اپنا اصل نام نہیں بتایا تھا تاکہ وہ باپ کر کے مجھے اپنے قبضے میں نہ کر لے۔ اس کا ارادہ میں نے بھانپ لیا تھا۔ اب تمہارے اور میرے درمیان جب کوئی پردہ نہیں رہا اور ہم ایک دوسرے کا لباس بن چکے ہیں تو پھر تمہیں اپنا اصل نام بتا دینا چاہئے۔ میرا نام عبدالغفور نہیں شہریار ہے۔" اپنا اصل نام مصلحت کے تحت میں اس وقت بھی چھپا گیا۔ آدم زادوں پر اتنا زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔

"میرے شہریار!" اس نے صدقے واری ہو کر میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ "تمہاری ہی طرح تمہارا نام بھی بہت خوبصورت ہے۔"

"اب تم بھی ہندوئی سے مسلمان بن جاؤ تو بہتر ہے۔" میں بولا۔

"اس کے لئے مجھے کیا کرنا پڑے گا؟" اس نے دریافت کیا۔

"نہا دھو کر پاک صاف ہو جاؤ تو بتا دوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کے لئے بہت سیدھا سا طریقہ ہے۔"

خواب گاہ سے متصل غسل خانہ تھا۔ سو ہم دونوں ہی نہا دھو کر پاک صاف ہو گئے۔ اب وہ اور زیادہ حسین نظر آنے لگی تھی۔ میں نے اسے کلمہ پڑھایا اور مطلب بھی سمجھایا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"بس؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں مسلمان ہونے کے لئے زبان سے کلمہ طیبہ پڑھنا اور دل سے اس کا اقرار کرنا کافی ہے۔" میں نے اسے بتایا۔

"اور نام؟" اس نے سوال کیا۔

"عندلیب رکھ لو کہ تم کسی بلبل ہی کی طرح تو چہکتی ہو۔" میں نے اس کا یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ سو یوں وہ للتا سے عندلیب ہو گئی۔

میں جب اسے مسلمان کرنے کے لئے کلمہ پڑھا رہا تھا تو عجب سا سکون مجھے محسوس ہوا۔ میں نے سوچا' چلو زندگی میں کوئی کام تو ثواب کا کیا' کیا خبر اسی پر میری بخشش ہو جائے۔

"تم نے شاہنواز خاں کو کہاں قید کیا ہے؟" میں نے معلوم کیا۔

"وہیں مندر کے تہہ خانے میں۔" اس نے چونک کر جواب دیا۔ "ارے میں تو یہ بھول ہی گئی تھی کہ پتا جی کو بھی آزاد کرنا ہے۔"

"اب تم انہیں پتا جی نہیں' ابا حضور کہا کرنا..... اس سے قطع نظر پہلے ان کاغذات کو حاصل کرنا ہے' جن پر تمہاری ماں نے شاہنواز خاں کے دستخط کرائے تھے۔"

"وہ کاغذات کالی چرن نے اپنی تجوری میں رکھے تھے۔ تجوری خواب گاہ میں ہے۔" عندلیب نے بتایا۔

انسانی قالب ہو کہ کوئی اختیاری حیوانی قالب' جناتی صفات برقرار رہتی ہیں۔ یہ جناتی صفات صورت میں ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ بھی عارضی طور پر کہ جب کوئی جن زاد واقعی کسی آدم زاد کے جسم اتر جائے۔ سو اس وقت میری تمام تر جناتی صفات پوری طرح فعال تھیں۔ میں نے صرف انسانی اختیار کی تھی' واقعتاً کسی آدم زاد کا جسم نہیں اپنایا تھا۔ بہت سے جنات اسی طرح آدم زادوں میں زاد بن کر رہتے ہیں اور کوئی انہیں نہیں پہچان پاتا۔ کوئی عالم آدم زاد یا جن زاد ہی انہیں اس ہیئت شناخت کر سکتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ میں نے تجوری کی چابیاں تلاش کرنے میں وقت نہیں گنوایا اور ہی جھٹکے میں تجوری کھول دی۔ بڑی سی تجوری میں ہیروں اور جواہر کے علاوہ خاصی دولت کالی چرن جمع کر رکھی تھی۔ اسے نظرانداز کرتے ہوئے میں نے ایک خانے سے مطلوبہ کاغذات نکال لئے۔ کاغذات پر انگریز حکومت کی طرف سے تصدیق کی خاطر مہر اور دستخط بھی تھے۔ اسی وقت میرے ذہن یہ خیال آیا کہ کالی چرن کی لاش کا کیا کیا جائے؟ یہی معاملہ گرو وشواناتھ کی لاش کا تھا۔

اس پر میں اور عندلیب گفتگو کرتے رہے اور پھر ایک نتیجے پر پہنچ گئے۔

کالی چرن کے بعد قانونی طور پر اس ریاست پر حکمرانی کا حق عندلیب کا تھا۔ طے یہ پایا کہ عندلیب ریاست کی حکمراں ہونے کی حیثیت سے اپنے حقوق سابق حکمراں شاہنواز خاں کے نام کر دے۔ پھر کاغذات پر انگریز حکومت سے تصدیقی مہر اور دستخط بھی لے لئے جائیں۔ کالی چرن اور گرو وشواناتھ قتل کو نامعلوم باغیوں کے سر تھوپا جا سکتا تھا۔ کالی چرن کی خواب گاہ کے دروازے کو اسی طرح کھلا

دیا گیا' صرف کواڑ بھیڑ دیئے گئے۔ دروازے کے باہر اب تک مسلح محافظ مجسموں کی طرح کھڑے تھے۔ چلتے چلتے عندلیب نے انہیں سحر سے آزاد کر دیا اور میرے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ میری حیثیت اب گویا عندلیب کے ایک مہمان کی تھی جس کا تعلق ہندوستان کی ایک مسلمان ریاست سے تھا۔

جو کاغذات عندلیب نے کالی چرن کی تجوری سے حاصل کئے تھے' انہیں بحفاظت اپنی خواب گاہ کی ایک الماری میں رکھ آئی تھی۔ اب وہ مجھے ساتھ لئے عمارت کے اس حصے کی طرف بڑھ رہی تھی جہاں مندر تھا۔ اب صبح کا ہلکا ہلکا سا اجالا پھیلنے لگا تھا اور مندر کی طرف سے سنکھ بجنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ صبح کی پوجا کا وقت ہو چکا تھا۔ سنکھ ہی کے ساتھ مندر کے گھنٹے بجنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ ہم وہاں پہنچے تو عجب افراتفری اور بھاگ دوڑ سی نظر آئی۔ ایک نوکرانی بھاگتی ہوئی ہماری طرف آئی اور پھر اس نے ہانپتے ہوئے جو کچھ بتایا' ہمیں پہلے ہی معلوم تھا۔ گرو وشواناتھ کو قتل کیا جا چکا ہے' سبھی کو یہ بات پتا چل گئی تھی۔

"گرو جی کے قتل میں بھی باغیوں کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔" سابق للتا اور حال کی عندلیب نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق گرو کے قتل پر تبصرہ کیا اور پھر ارتھی کی تیاری کا حکم دے کر وہاں موجود نوکروں اور نوکرانیوں کو دکھانے کی خاطر "گرو جی" کا آخری دیدار کرنے اس کی خواب گاہ میں چلی گئی۔

میں باہر صحن ہی میں کھڑا رہا۔ عندلیب کا یہ تبصرہ کارگر ثابت ہوا تھا کہ گرو کو باغیوں نے قتل کیا ہے۔ اس پر سبھی نے یقین کر لیا تھا اور خوفزدہ سے نظر آ رہے تھے۔

کچھ دیر کے بعد عندلیب' گرو کی خواب گاہ سے نکل آئی اور میرے ساتھ مندر کی طرف بڑھی۔ مندر کے احاطے میں داخل ہوتے ہی مجھے ہر طرف مسلح محافظ دکھائی دیئے۔ قیدی شاہنواز خاں کی حفاظت کے لئے شاید رات ہی کو یہ بندوبست کیا گیا تھا۔ محافظوں نے عندلیب کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ میں بھی کیونکہ عندلیب کے ساتھ تھا اس لئے مجھے بھی نہیں روکا گیا۔ تہہ خانے کی طرف جو پختہ راہداری جا رہی تھی' اس پر بھی محافظ موجود تھے۔ عندلیب نے اس موٹے پنڈت کو ساتھ لے لیا تھا جس کے پاس تہہ خانے کے دروازے پر پڑے ہوئے قفل کی چابی تھی۔

خاص طور پر میں نے یہ بات محسوس کی کہ پنڈت کچھ گھبرایا ہوا سا تھا۔

پنڈت نے ساتھ چلتے ہوئے عندلیب سے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ "للتا جی! اس ٹنٹے کو ہمیشہ کے لئے ختم ہی کیوں نہ کر دیں۔"

"کس ٹنٹے کو پنڈت جی؟" عندلیب نے چونک کر پوچھا۔

"اسی قیدی کے ٹنٹے کو؟ آپ کو تو پتا ہی ہے کہ وہ اس ریاست کا سابق حکمراں رہ چکا ہے۔ جب تک یہ زندہ رہے گا اسی طرح بغاوتیں ہوتی رہیں گی۔ ابھی ذرا دیر پہلے پتا چلا کہ کسی اتیاچاری (ظالم) نے گرو جی کو بھی قتل کر دیا ہے۔"

"پنڈت جی!" عندلیب سخت لہجے میں بولی۔ "اپنے کام سے کام رکھا کریں۔ زیادہ قابل بننے اور مشورے دینے کی ضرورت نہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے' کیا نہیں۔ یہ سوچنا آپ کا نہیں ہمارا کام ہے۔ جسے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

دیکھو راج نیتی میں اپنی ٹانگ اڑانے لگتا ہے۔"

بڑی طرح جھڑکے جانے پر موٹے پنڈت کے پھولے ہوئے گال مزید پھول گئے اور وہ خاموشی سے ساتھ چلنے لگا۔ پھر اچانک ہی وہ کہنے لگا۔ "میرے پیٹ میں کچھ گڑبڑ سی ہو رہی ہے۔ چھما چاہتا ہوں کشٹ دینے پر۔ یہ ..... دروازے کے تالے کی چابی لے لیں۔" پنڈت نے اپنی دھوتی کی انٹی سے چابی نکال کر عندلیب کو دے دی اور پھر تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ وہ شاید ایک نوجوان لڑکی سے ڈانٹ کھا کر کچھ زیادہ ہی نروس ہو گیا تھا۔ اس کی پیٹ کی گڑبڑ کا راز تو خاصی دیر بعد کھلا۔

عندلیب کے ساتھ میں اسی تہہ خانے کی سیڑھیوں تک پہنچ گیا جہاں پہلے بھی آ چکا تھا۔ وہاں بھی محافظ چوکنا کھڑے تھے۔

سیڑھیوں سے اتر کر عندلیب نے تہہ خانے کا دروازہ کھولا اور پھر سامنے نظر پڑتے ہی وہی کیا' میں بھی اچھل پڑا۔

تہہ خانے کی دیوار کے قریب شاہنواز خاں چت پڑا تھا۔ اس کے سینے میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ منہ اور آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور اردگرد خون پھیلا ہوا تھا۔

"پتا جی!" عندلیب کی چیخ سے تہہ خانہ گونج اٹھا۔ فوری طور پر پہنچنے والے صدمے کے سبب وہ بھول چکی تھی کہ میں نے شاہنواز خاں کو ابا حضور کہنے کے لئے کہا تھا۔

اب شاہنواز خاں کو ابا حضور کہا جاتا یا پتا جی' اس سے کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ وہ کچھ سننے کے قابل نہیں تھا۔

وہ منظر واقعی بڑا دردناک تھا جب ایک بیٹی اپنے باپ کی لاش سے لپٹی ہوئی بلک رہی تھی۔ بلکتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ "کچھ دیر تو انتظار کر لیا ہوتا پتا جی ..... کچھ دیر تو رک جاتے کہ میں آپ کے جیتے جی آپ کو پتا جی کہہ سکتی۔"

اچانک سیڑھیوں سے کوئی تیزی کے ساتھ اترا اور تہہ خانے میں آ گیا۔ وہ ایک سپاہی تھا جو غالباً دوڑتا ہوا وہاں تک آیا تھا۔ اس نے روتی بلکتی عندلیب کو ہانپتے ہوئے دو خبریں دیں۔ ایک خبر تو خیر متوقع تھی' یعنی یہ کہ کالی چرن کو قتل کر دیا گیا البتہ دوسری خبر انتہائی تشویش ناک تھی۔ محل نما عمارت پر "باغیوں" نے حملہ کر دیا تھا۔

اچانک بدل جانے والی صورت حال سے میں بھی گھبرا گیا تھا۔ اگر شاہنواز خاں زندہ ہوتا تو فکر کی کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ حملہ آور ظاہر ہے کہ اسی کے طرفدار تھے اور اسے قتل کیا جا چکا تھا۔ یہ مسئلہ بعد کا تھا کہ شاہنواز خاں کو کس نے اور کیوں قتل کیا' فی الحال تو مشتعل عوام کو خون خرابے سے روکنا تھا۔ جو لوگ کسی بھی سبب انتہائی قدم اٹھا لیتے ہیں' انہیں روکنا یا سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ روتے روتے عندلیب چپ سی ہو گئی اور اس طرح خالی خالی سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا ہو۔

اسی وقت مجھے دھماکوں کی تیز آوازیں سنائی دیں۔ فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔

"اٹھو۔" میں نے آگے بڑھ کر عندلیب کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر میں تہہ خانے سے نکل کر وہاں موجود سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔ "تم لوگ کسی بھی صورت میں یہاں سے نہیں ہٹو گے' نہ کسی کو بھی تہہ خانے میں داخل ہونے دو گے' خواہ وہ کوئی بھی ہو۔" یہ کہتے ہوئے میں نے تہہ خانے کے دروازے میں تالا ڈال دیا اور چابی اپنی جیب میں رکھ لی۔ تہہ خانے کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے میں نے عندلیب کو مخاطب کیا۔ "خود کو سنبھالو! ہمیں ایک طوفان کو روکنا ہے۔"

میرے کہنے اور سمجھانے پر عندلیب نے آنسو پونچھ لئے' پھر کہنے لگی۔ "تم..... تم شاید ٹھیک ہی کہتے ہو۔"

"یہ بتاؤ کہ عمارت میں کتنے مسلح محافظ ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"تقریباً پچاس ساٹھ!" اس نے جواب دیا۔

"یہ تو نہ ہونے کے برابر ہیں' حملہ آوروں کو بھلا کب تک روک سکیں گے! معلوم نہیں حملہ کرنے والوں کی تعداد کتنی ہے! اندازہ یہی ہے کہ وہ سینکڑوں کی تعداد میں ہوں گے ورنہ حملہ کرنے کی انہیں ہمت نہ ہوتی۔ بہرحال کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مجھے اور عندلیب دونوں ہی کو معلوم تھا' حملہ آور کوئی غیر نہیں' اپنے ہی ہیں اور انہوں نے اپنی حق طلبی کے لئے یہ انتہائی قدم اٹھایا ہے۔ میں تو ایک جن زاد تھا ہی' عندلیب بھی کم نہ تھی۔ وہ بھی اپنی پراسرار قوتوں کو بروئے کار لا کر حملہ آوروں کو شدید نقصان پہنچانے کی اہل تھی' لیکن یہ مناسب نہ ہوتا۔

وہ جو کبھی مظلوم تھے اس وقت ظالم بن گئے تھے۔ انہیں علم ہی نہیں تھا کہ اپنے اندر سے ہار جانے والوں پر کسی حملہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مندر کی حدود سے باہر نکلتے ہوئے معاً مجھے اس پنڈت کا خیال آیا جس نے شاہنواز خاں کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ وہ جھڑک دیئے جانے کے بعد پیٹ میں گڑبڑ کا بہانہ کر کے کھسک لیا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے میں نے مندر کے احاطے میں موجود محافظوں کو بھی یہی ہدایت دی کہ وہاں سے نہ کسی کو باہر جانے دیں نہ کسی کو اندر آنے دیں۔ میں کیونکہ عندلیب کے ساتھ تھا اور اب کالی چرن کے بعد وہی گویا حکمراں تھی اس لئے محافظوں نے میرے کچھ کہنے کو حکم ہی کا درجہ دیا۔ انہوں نے غالباً یہ سمجھا ہو گا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' عندلیب کا ایما بھی اس میں شامل ہے۔ عندلیب کے چہرے سے اب حزن و ملال کے ساتھ فکرمندی بھی جھلک رہی تھی اور یہ پتا بھی چل رہا تھا کہ وہ کچھ سوچ رہی ہے۔ "شہریار!" اچانک عندلیب نے ساتھ ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔ "اب ایک ہی صورت ہے کہ فی الحال حملہ آوروں کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر کسی بھی طرح ڈرا کر بھگا دیا جائے۔ بعد میں انہیں خود بھی حقیقت کا علم ہو جائے گا کہ کالی چرن مر چکا ہے۔"

"لیکن تمہیں بھی تو وہ کالی چرن ہی کی بیٹی سمجھتے ہیں۔ جس شخص کے سینے میں یہ راز محفوظ تھا کہ تم کالی چرن کا نہیں' اس کا خون ہو' اسے بھی موت کی گہری نیند سلا دیا گیا ہے۔ پھر حقیقت کی گواہی کون

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

دے گا؟ عوام تو تمہارے بھی خلاف ہوں گے۔" میں بولا۔

"میں خود ایک زندہ گواہی ہوں جسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا!" عندلیب کے لہجے میں اعتماد تھا۔

باتیں کرتے ہوئے ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں معرکہ گرم تھا۔ عمارت کے اندر موجود محافظوں نے ایک ہی عقل مندی کا کام کیا تھا کہ حملہ ہوتے ہی صدر دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ دروازہ مضبوط تھا جس توڑنے کے لئے باہر سے ضربیں لگائی جارہی تھیں۔ عمارت میں جو محافظ موجود تھے' چھت پر چڑھ گئے تھے اور وہاں سے حملہ آوروں پر آگ برسانے میں مصروف تھے۔ جو اب میں حملہ آوروں کی طرف سے بھی فائرنگ جاری تھی۔

"آؤ شہریار!" عندلیب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر وہ مجھے ساتھ لئے فضا میں بلند ہونے لگی۔

عندلیب مجھے عمارت کی چھت پر لے آئی اور اس نے چیخ کر سپاہیوں کو فائرنگ سے روک دیا۔

"تم سب نیچے جاؤ!" سپاہیوں کو عندلیب نے حکم دیا۔

پھر میں نے چھت کے کنارے پہنچ کر عندلیب کو دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرتے دیکھا۔ وہ کچھ پڑھ بھی رہی تھی۔ چھت کی چار دیواری اتنی اونچی تھی کہ نیچے سے عندلیب کو دیکھا جانا' ممکن نہیں تھا۔ دیوار میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔ سپاہی انہی سوراخوں سے فائرنگ کر رہے تھے۔ یہ سوراخ شاید کسی ایسے ہی موقع کے لئے بنائے گئے ہوں گے۔

چند ہی لمحے بعد میں نے عندلیب کے ہاتھوں کی انگلیوں سے چنگاریاں ہی نکلتے دیکھیں جو بلند ہو کر نیم دائرے کی صورت میں عمارت سے باہر گرنے لگیں۔

اسی وقت مجھے یہ خیال آیا کہ عندلیب' حملہ آوروں کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر ڈرا کر بھگا دینے کو کہہ رہی تھی' میں بھی اس سلسلے میں اس کی مدد کر سکتا ہوں۔ سو میں نے دوسرے ہی لمحے اپنے منہ سے بڑی تیز اور بھیانک آواز نکالی' پھر انسانی قالب ترک کر کے ایک خوفناک اور ڈراؤنے شیر کا قالب اختیار کر لیا۔

میں نے زقند بھری اور چار دیواری پر چڑھ گیا۔ نیچے نگاہ ڈالی تو ایک ہجوم صدر دروازے سے خاصے فاصلے پر نظر آیا۔

چنگاریاں خاصے بڑے حصے میں گر رہی تھیں اور شاید انہی سے بچنے کی خاطر ہجوم پیچھے ہٹا تھا۔ اسی کے سبب فائرنگ وقتی طور پر رک گئی تھی۔ فضا سے برستی چنگاریوں نے انہیں یقیناً خوفزدہ کر دیا تھا۔ جو بات بھی عقل میں نہ آئے' وہ حیران و خوفزدہ ہی کر دیتی ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ پیچھے تو ہٹ گئے تھے' فائرنگ بھی بند کر دی تھی مگر وہاں سے ٹلے نہیں تھے۔ انہیں وہاں سے بھگانے کے لئے میں پہلے ہی پہلے خطرناک قدم اٹھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

پوری قوت سے میں نے دھاڑ ماری کہ لوگ مجھے دیکھ لیں۔ پھر نیچے چھلانگ لگا دی۔ اگر کوئی اس وقت مجھے گولی مار دیتا تو میں زندہ نہ بچتا' لیکن پہلے ہی سے خوفزدہ لوگوں نے عمارت کی چھت سے خلاف توقع ایک خوفناک شیر کو جست بھر کے نیچے آتے دیکھا تو ان کے اعصاب جواب دے گئے اور پھر بھگدڑ مچ

گئی۔ کسی کو بھی مجھ پر گولی چلانے کا خیال نہیں آیا۔ کچھ دور تک دھاڑتے ہوئے میں نے لوگوں کا تعاقب کیا اس کے بعد پلٹ آیا۔ اب چنگاریاں برسنا بند ہو چکی تھیں۔

عمارت کی چھت پر پہنچنے سے پہلے میں نے شیر کا قالب ترک کر دیا اور اوپر پہنچتے ہی دوبارہ انسانی ہیئت اختیار کر لی۔

"وقتی طور پر خطرہ ٹل گیا ہے۔" میں نے عندلیب کو مخاطب کیا۔ "لیکن اس کا مستقل سد باب ضروری ہے۔" پھر جو کچھ اس کے لئے میں نے سوچا تھا' عندلیب کو بتا دیا۔

عندلیب نے میری تجویز سے اتفاق کیا۔ چھت سے اترتے ہی تجویز پر فوراً عمل درآمد کی تیاری شروع کر دی گئی۔

کچھ ہی دیر کے بعد دس ڈھنڈورچی چند سپاہیوں کے ساتھ محل نما عمارت سے نکلے۔ اس زمانے میں فوری طور پر عوام تک کوئی اہم خبر پہنچانے کا یہی طریقہ رائج تھا۔ ڈھنڈورچی شہر یا بستی کے مختلف علاقوں میں پھیل جاتے اور ڈھول بجا بجا کر لوگوں کو جمع کرتے۔ لوگ جمع ہو جاتے تو ایک سپاہی بلند آواز میں حکمران وقت کا فرمان پڑھ کر سناتا اور یوں لوگوں تک وہ اہم خبر پہنچ جاتی۔

ڈھنڈورچیوں کے ذریعے جو اعلان کرایا گیا' وہ مختصر مگر بہت پُر اثر تھا۔ فوری طور پر لوگوں کو مطمئن و پُرسکون کرنے کا اس سے مؤثر کوئی اور طریقہ نہیں تھا۔ اس اعلان کا لب لباب یہ تھا کہ ریاست کے ظالم ہندو حکمراں کالی چرن کو قتل کیا جا چکا ہے۔ اس کی جگہ للتا' ریاست کی نئی حکمراں بن گئی ہے۔ للتا نے اسلام قبول کر کے اپنا نام عندلیب رکھ لیا ہے۔ اعلان میں گرو وشواناتھ کے قتل کی اطلاع بھی تھی کہ عوام اس سے بھی تنگ تھے۔

بستی والوں پر اس اعلان کا مثبت رد عمل ہوا۔ اس کی توقع بھی تھی۔

دوپہر تک حالات پوری طرح قابو میں آچکے تھے۔ مصلحت کے تحت شاہنواز خاں کے قتل کو راز رکھا گیا کہ موجود حالات میں اس کی تشہیر مناسب نہیں تھی۔ عارضی طور پر مجھے ریاست کے دیوان (وزیر) کا عہدہ سنبھالنا پڑا۔ میں نے عندلیب کے ایما پر ایسا کیا تھا۔ وہ سیاسی ذہن رکھتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ریاست کا دیوان اگر کوئی مسلمان مقرر کیا گیا تو اکثریت مزید مطمئن ہو جائے گی۔ دیگر اہم عہدے بھی زیادہ تر مسلمانوں ہی کے حصے میں آئے۔ ہر چند کہ مسلمان اکثریت میں تھے لیکن ریاست میں ہندوؤں کی آبادی بھی تھی۔ ان کی آبادی کے تناسب سے کچھ عہدے انہیں بھی دیئے گئے تاکہ وہ خود کو دوسرے درجے کا شہری تصور نہ کریں اور کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔ ایسا میرے ہی ایما پر کیا گیا تھا۔ ہر مذہب و ملت میں اچھے اور برے دونوں ہی طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ سو ہندوؤں میں بھی ایسا ہی تھا۔ ان میں غیر متعصب لوگ بھی تھے جو صدیوں سے مسلمانوں کے زیر سایہ مل جل کے رہ رہے تھے۔ اسی دوران نو تعمیر مندر کے قریب مرگھٹ میں کالی چرن اور گرو وشواناتھ کی چتاؤں کو جلایا گیا۔ اسی کے ساتھ انتہائی راز داری سے عمارت کے عقبی باغ میں شاہنواز خاں کی تدفین بھی ہو گئی۔ میرے حکم کے مطابق اب تک کسی بھی فرد کو مندر کے احاطے سے باہر نہیں نکلنے دیا گیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

جب تمام مسائل نمٹ گئے تو میں' عندلیب کے ساتھ مندر میں پہنچ گیا۔ مجھے اس پنڈت پر شاہنواز خاں کے قتل کا شبہہ تھا جو بہانہ کر کے ہمارے ساتھ تہہ خانے میں نہیں گیا تھا۔ وہی شاہنواز خاں کو کھانا بھی پہنچاتا تھا اور تہہ خانے کے آہنی دروازے میں لگے ہوئے قفل کی چابی بھی اسی کے پاس رہتی تھی۔ جن سپاہیوں کو وہاں متعین کیا گیا تھا' انہوں نے بھی یہی بتایا کہ صبح ہونے سے کچھ پہلے پنڈت تہہ خانے میں کھانے کی تھالی لے کر گیا تھا' یہ کھانا پہچانے کا وقت نہیں تھا' اس پر ایک محافظ نے پنڈت کو ٹوکا بھی تھا جو اب میں پنڈت نے کہا تھا کہ قیدی بھوکا ہو گا اور ممکن ہے' رات کو اس نے کھانا نہ کھایا ہو۔ محافظوں کو علم تھا کہ پنڈت کی یہی ذمے داری ہے۔ سو پھر کسی نے اسے نہیں روکا۔ کسی بھی محافظ نے شاہنواز خاں کی چیخ نہیں سنی تھی اور اس کا سبب ظاہر تھا۔ عندلیب نے اس پر گہری بے ہوشی طاری کر دی تھی۔ اسی دوران میں پنڈت نے اسے ختم کر دیا۔

پوچھ گچھ سے میرا شبہہ یقین میں بدل گیا۔ پنڈت کو تلاش کیا گیا تو وہ غائب تھا۔ دوسرے پنڈت نے انکشاف کیا کہ مقتول گرو وشواناتھ نے اس حصے کی تعمیر کراتے ہوئے مندر سے نکلنے کا ایک خفیہ راستہ بھی بنوایا تھا۔ وہ خفیہ راستہ مفرور پنڈت کے علم میں بھی تھا۔ شواہد سے یہی پتا چلا کہ پنڈت اسی خفیہ راستے سے فرار ہوا ہے۔ پنڈت کے فرار ہونے کی وجہ سے بہرحال یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اگر وہی قاتل تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا؟

عندلیب کے ساتھ جب میں مندر سے لوٹا تو ایک مخبر میرا منتظر تھا۔ مجھے یہ محکمہ ریاست کے سابق دیوان سے گویا ورثے میں ملا تھا۔

"ایک شخص نظیر شاہ حکومت کے خلاف اب بھی سرگرم عمل ہے۔" مخبر نے بتایا۔ "آج صبح باغیوں کی قیادت کرنے والا بھی نظیر شاہ ہی تھا۔ وہ خود کو ریاست کے سابق حکمراں خاندان سے ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ذریعے یہ افواہ پھیلا رہا ہے کہ موجودہ حکمراں نے شاہنواز خاں کو خاموشی سے قتل کرا دیا ہے اور اس طرح اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کے سابق حکمراں شاہنواز خاں کو گزشتہ رات بستی کے قریبی جنگل سے گرفتار کر لیا گیا تھا اور وہ مندر کے تہہ خانے میں قید تھا۔ کچھ نوجوان یہ گواہی بھی دے رہے ہیں کہ شاہنواز خاں جنگل میں ان کے ساتھ تھا۔

یہ بات نظیر شاہ کو کیسے معلوم ہوئی کہ شاہنواز خاں کو کہاں قید کیا تھا؟ میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا۔ پھر یہ کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے' اس کا علم نظیر شاہ کو کس طرح ہوا؟ میں نے سوچا اور پھر مخبر سے نظیر شاہ کا پتا معلوم کر لیا۔

"اگر حضور کا حکم ہو تو اس شخص کو گرفتار کر لیا جائے۔" مخبر نے اجازت طلب کی۔

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی عندلیب بول اٹھی۔ "نہیں' اس شخص کی گرفتاری سے عوام میں بے چینی پھیل جائے گی۔ پھر اس کے لگائے ہوئے الزامات کو لوگ سچ جان لیں گے۔ فی الحال اس پر ہاتھ ڈالنے کی ضرورت نہیں' صرف اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھو۔"

پھر مخبر اجازت لے کر رخصت ہو گیا تو وہ سوالات میری زبان پر آ گئے جو ذہن میں پیدا ہوئے تھے۔

"مندر میں کوئی تہہ خانہ بھی ہے' چند ہی لوگوں کو اس کا علم تھا۔" عندلیب بولی۔ "نظیر شاہ کو یہ اطلاع فراہم کرنے والا کوئی گھر ہی کا بھیدی ہے۔"

"اور گھر کا وہ بھیدی مفرور پنڈت بھی ہو سکتا ہے جس پر ہمیں شاہنواز خاں کو قتل کرنے کا شبہہ بھی ہے۔ وہی پنڈت' نظیر شاہ کو شاہنواز خاں کے قتل کی اطلاع بھی فراہم کر سکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ نظیر شاہ کے ایما پر پنڈت نے شاہنواز خاں کو قتل کیا ہو۔"

"لیکن کیوں؟ نظیر شاہ کو اس قتل سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟" عندلیب نے دریافت کیا۔

"کیا تم مخبر کے یہ الفاظ بھول گئیں کہ نظیر شاہ کو ریاست کے سابق حکمراں خاندان سے ظاہر کرتا ہے۔ پھر یہ کہ آج صبح حملہ آوروں کی قیادت بھی وہی کر رہا تھا۔ ان دونوں باتوں میں کیا تمہیں کوئی تعلق نظر نہیں آتا؟ اس کا سیدھا سیدھا مقصد صرف ایک ہے کہ نظیر شاہ موقع سے فائدہ اٹھا کر عوام کی حمایت سے اقتدار کی کرسی تک پہنچنا چاہتا ہے۔"

"تو پھر تمہارا ارادہ کیا ہے؟ اس سے کس طرح نمٹا جائے؟"

"اس سے میں آج ہی شرفِ ملاقات حاصل کر لیتا ہوں' تم کیوں فکر کرتی ہو۔ مخبر سے بلاوجہ تو میں نے اس کا پتا معلوم نہیں کیا۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اب اگر تم نے میرے گلے میں غلامی کا پٹا ڈال ہی دیا ہے تو حق نمک ادا کرنا ہی پڑے گا حالانکہ میں تمہاری مستقل غلامی کا پٹا اپنے گلے میں ڈالنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔"

پھر میں مزید رکا نہیں اور عندلیب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ نظیر شاہ کا قصہ جتنی جلدی "نمک" جاتا غنیمت تھا۔ وجہ یہ کہ میں واقعی عندلیب جیسی آدم زادی کو جلد سے جلد اپنی بیوی بنا لینے پر اتارو تھا کہ کیا خبر کوئی اور "کھانچا" فٹ نہ کر لے۔ میاں یعنی میں بھی راضی تھا اور بیوی یعنی عندلیب بھی اس پر آمادہ تھی' پھر بے چارہ قاضی کیا کرتا۔ اسے تو نکاح ہی پڑھانا تھا۔ رہی نرگس تو اس کے لئے بھی چانس تھا۔ دو چار بیویاں رکھنا کون سی ایسی بُری بات ہے۔ ہاں جن زادیوں یا آدم زادیوں کو ہرگز یہ اجازت نہیں کہ ایک شوہر کی موجودگی میں وہ دوسرے شوہر بھی پال سکیں' چوری چھپے عشاق پالنے پر خیر کوئی قدغن نہیں۔

میں جب نظیر شاہ کے گھر پہنچا تو اس کی بیٹھک میں "غیبتوں کی نشست" جمی ہوئی تھی۔ بیٹھک خاصی بڑی تھی۔ وہاں زمین پر گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے ایک سے ایک "نمونہ" بیٹھا تھا۔ ان میں سب سے بڑا نمونہ خود نظیر شاہ تھا۔ اس کے چہرے پر چھوٹی سی داڑھی تھی' عمر پچاس کے قریب ہو گی' تنگ پیشانی اور چھوٹی آنکھوں سے عیاری جھلک رہی تھی' کاندھوں تک بال تھے' قد لمبا' چہرہ لمبوترا اور گال پچکے ہوئے سے تھے۔ دہانہ ایسا تھا جیسے کسی نے زوردار گھونسا مار کر پورا "دال خانہ" اندر کر دیا ہو۔

"تم لوگ دیکھنا کہ میں اس جعلی نو مسلم عندلیب بیگم کو کیسا نچاتا ہوں۔" نظیر شاہ اپنے ہمنواؤں سے مخاطب تھا۔ "وہ ہندو زادی شاید اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ ہمیں مسلمان ہو جانے کا غچہ دے کر ہمارے سروں پر مسلط رہے گی۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"شاہ جی! صبح تو بھڑنگ پھیل گئی۔" ایک شخص کہنے لگا جس کا ایک "بازار" بند تھا' یعنی وہ ایک ہی آنکھ سے دونوں آنکھوں کا کام لینے پر مجبور تھا۔ "معلوم نہیں' وہ شیر کہاں سے آگیا؟ پہلے تو کبھی نہیں سنا تھا کہ محل والوں نے کوئی شیر بھی پال رکھا ہے۔ پھر وہ چنگاریاں بھی عجیب تھیں جن سے کوئی جلا تو نہیں مگر پھر بھی لوگ گھبرا کر پیچھے ہو گئے۔ یہ کوئی جادو وغیرہ کا چکر لگتا ہے۔ اس کا کوئی توڑ سوچنا پڑے گا۔"

"تم کہہ رہے ہو سوچنا پڑے گا۔ ارے میں تو سوچ بھی چکا۔" نظیر شاہ بڑے دانشورانہ انداز میں مسکرایا۔ مسکرانے کی وجہ سے اس کے چوہوں جیسے چھوٹے چھوٹے دانت بھی مجھے نظر آنے لگے جنہوں نے اس کی مکروہ شکل کو مزید مکروہ بنا دیا۔

"ہمیں بھی تو بتائیں شاہ جی کہ آپ نے کیا توڑ سوچا ہے؟" کوئی پُر اشتیاق لہجے میں پوچھنے لگا۔

"بھائی' میں نے پورا بندوبست پہلے ہی کر لیا تھا۔ سو فیصد اقتدار پر قبضہ ہو جاتا' اگر عین وقت پر درمیان میں وہ شیر نہ آکودا ہوتا۔ شاہنواز خاں کی لاش بھی مندر کے تہہ خانے سے برآمد ہو جاتی تو لوگ اور زیادہ جوش میں آجاتے۔" نظیر شاہ نے رازدارانہ لہجے میں دھیرے سے کہا۔

"ظاہر ہے کہ تُو نے اس کے لئے مندر کے پنڈت ہی کو سانٹا ہو گا۔" میں نے نظیر شاہ کے کان میں سرگوشی کی تو وہ اچھل پڑا۔

نظیر شاہ اپنے دائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص کو گھور کر دیکھنے لگا۔ غالباً وہ یہی سمجھا تھا کہ اسی شخص نے سرگوشی کی ہے۔

"کیا ہو گیا شاہ جی! آپ مجھے اس طرح کیوں گھورے جا رہے ہیں؟" وہ شخص بول اٹھا۔

"تم ابھی میرے کان میں کیا کہہ رہے تھے؟" نظیر شاہ غصے میں بولا۔

"میں ..... نہیں تو شاہ جی' میں نے تو کچھ نہیں کہا۔" اس شخص نے یقین دلایا۔

"تو پھر میرے ہی کان بج رہے ہوں گے۔" نظیر شاہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ پھر چند لمحے توقف کے بعد وہ دوبارہ جاگتی آنکھوں اپنے ساتھیوں کو اقتدار و حکومت کے خواب دکھانے لگا۔

"نظیر شاہ! تُو مجھے کسی شیخ چلی کی اولاد لگتا ہے۔" اس مرتبہ میں نے دائیں کان میں لفظ انڈیلے۔ ادھر یک چشم بیٹھا تھا۔ میں نے اسے نظیر شاہ کی طرف اس طرح جھکا دیا جیسے اسی نے سرگوشی کی ہو۔ اس پر نظیر شاہ کا سیاہ چہرہ غصے میں مزید سیاہ نظر آنے لگا۔

"تم لوگ مذاق اڑا رہے ہو میرا۔" وہ یک چشم پر برس پڑا۔ "معلوم ہے تمہیں کہ میں اس ریاست کا ہونے والا حکمراں ہوں۔ ایک ایک کو دیکھ لوں گا ..... اور سن محمد اکبر! تُو نے جو کچھ آہستہ سے میرے کان میں کہا ہے تو تجھے اس کی سزا ضرور ملے گی۔ مجھے ذرا تخت حکومت پر بیٹھ جانے دے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ شاہ جی! میں تو آپ کا بے دام غلام ہوں۔" یک چشم شخص' نظیر شاہ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے لگا۔

نظیر شاہ سے میں نے خاصی تفریح لے لی تھی اس لئے محفل برخاست کرنے کی غرض سے میں نے سانپ کا قالب اپنا لیا اور زور سے پھنکار ماری کہ اہل محفل مجھے دیکھ لیں۔

"سس ..... ساں ..... سانپ۔" کوئی میری طرف انگلی اٹھا کر ہکلایا اور پھر اٹھ کر بھاگ لیا۔ بقیہ بھی اس کی تقلید میں دوڑے۔

"نظیر شاہ بھی اٹھ کر بھاگنے کے چکر میں تھا کہ میں نے اس کا راستہ روک لیا۔ میں پھن کاڑھ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ میرا مقصد پورا ہو چکا تھا اس لئے سانپ کا قالب چھوڑ کر نظیر شاہ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ شدید حیرت کے سبب نظیر شاہ اور بھی چغد نظر آنے لگا۔

میں نے اس کی چاند پر چپت رسید کی اور بولا۔ "کیوں بے مستقبل کے حکمراں' بنگال سے جادوگر بلوائے گا؟ بول....."

غالباً انتہائی خوف نے اس کی قوت گویائی سلب کر لی تھی۔ زندگی میں شاید کبھی کسی جن زاد سے اس کا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ میں نے اس کے لمبے بال پکڑے اور گھسیٹنے لگا۔

"بولنا تو پڑے گا تجھے بیٹا! نہیں بولا تو تیری کھال میں بھس بھر دوں گا۔ کرے گا جنات سے مقابلہ؟" میں نے دانستہ آخری الفاظ ادا کئے کہ وہ سپر ڈال دے۔ عام طور پر پیدل قسم کے آدم زاد ہم جنات کا نام سن کر ہی کوڑی بول جاتے ہیں۔ نظیر شاہ بھی مجھے "پیدل" ہی معلوم ہوا تھا۔

"جج ..... جن ..... نات!" وہ بڑی مشکل سے بولا۔ میں نے اس کے بال چھوڑ دیئے تھے اور وہ پیٹ میں گھٹنے دیئے کروٹ سے پڑا تھا۔

"ہاں بیٹا رام' جنات!" میں نے اس کے کولہے پر ٹھوکر ماری۔ "سیدھا ہو جا ..... اٹھ کر بیٹھ اور جو پوچھوں جلدی جلدی بتاتا جا۔"

وہ کانپتا ہوا اٹھا اور دیوار سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

"تُو نے ہی مندر کے پنڈت سے شاہنواز خاں کو قتل کرایا تھا؟" میں نے پہلا سوال کیا۔ "جھوٹ بولا تو چھت سے الٹا ٹانگ کر اتنی مار لگاؤں گا کہ تجھے اپنی سات پشتیں یاد آجائیں گی۔"

اس نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر اقرار میں سر ہلا دیا۔

پھر اسے زبان کھولنا ہی پڑی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ شاہنواز خاں کے بہت دور کے عزیزوں میں سے تھا۔ شاہنواز خاں کی بیوی کسی دور کے رشتے سے اس کی نانی لگتی تھی۔ لوگوں کو بھی اس بات کا علم تھا۔ اس میں حالات کا بہت بڑا دخل تھا۔ پانسا پلٹتے دیکھ کر وہ "باغی" نوجوانوں کا "چوہدری" بن بیٹھا تھا۔ شہباز خاں کے بارے میں اسے علم تھا کہ مفرور ہے۔ شہباز کے سوا حکومت کا کوئی اور دعویدار تھا بھی نہیں۔ گرو وشوا ناتھ کے مشورے پر جب کالی چرن نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کیا تو نظیر شاہ بھی اپنے دو نوجوان بیٹوں کے ساتھ جنگل میں جا چھپا۔ اس کو ڈر تھا کہ شاہنواز خاں سے اس کی رشتے داری گلے کا پھندا نہ بن جائے۔ پھر حالات نے کروٹ لی اور شاہنواز خاں کو میں نے رہائی دلا کر جنگل میں پہنچا دیا۔ نظیر شاہ جنگل سے بھاگ لیا۔ اس کا یہ قیاس درست نکلا کہ ریاستی سپاہی اب جنگل کو گھیر لیں گے۔ پھر اپنے ایک بیٹے کے ذریعے اسے خبر ملی کہ شاہنواز خاں جنگل سے غائب ہو چکا ہے۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

موٹے پنڈت درگا پرشاد سے اس کی رسم و راہ تھی۔ اپنے ایک ہندو دوست کے ذریعے اس نے پنڈت سے رابطہ قائم کیا اور سونے کے دو توڑے بھی بھجوائے۔ یہ شاہنواز خاں کے قتل کا معاوضہ تھا۔ مزید دو توڑے بعد میں دینے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ چالاک پنڈت نے بھانپ لیا کہ کالی چرن کے دن پورے ہونے والے ہیں۔ سو وہ لالچ میں آ گیا۔ اسے بھی شاہنواز خاں سے نظیر شاہ کی رشتے داری کا علم تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر بغاوت کامیاب ہو گئی تو نظیر شاہ ہی ریاست کا حکمراں بنے گا۔ خود نظیر شاہ نے بھی اس سے یہی کہلوایا تھا کہ اقتدار ملتے ہی پنڈت کو نہال کر دے گا۔ کالی چرن کی طرح نظیر شاہ نے بھی یہی منصوبہ بنایا تھا کہ وہ شہباز خاں کو قتل کرا دے گا۔ فی الحال صرف شاہنواز خاں اسے اپنے راستے کا کانٹا نظر آیا۔ اس کانٹے کو نکالنے کے لئے نظیر شاہ نے پنڈت کو پرچا لیا۔ اندر ہی اندر اس نے سازش کا پورا جال بُن لیا تھا اور "باغی" نوجوانوں کی قیادت سنبھال لی تھی۔ اس کی سازش کا ایک حصہ تو کامیاب ہو گیا' یعنی شاہنواز خاں کو پنڈت نے قتل کر دیا' مگر وہ عوام کی بھرپور حمایت کے باوجود "ایوان اقتدار" پر قبضہ نہ کر سکا۔ اس کے باوجود نظیر شاہ نے ہمت نہ ہاری اور نئی چالیں چلنے لگا۔

میرے اندازے کے مطابق پنڈت درگا پرشاد مندر سے فرار ہو کر نظیر شاہ کی پناہ ہی میں آیا ہو گا۔ اسی خیال سے میں نے پنڈت کے بارے میں بھی پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟

"میرے ہی گھر میں چھپا ہوا ہے۔" نظیر شاہ نے جواب دیا۔

"واہ بیٹا! کسی کے وہم و گمان میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ ایک پنڈت کسی مسلمان کے گھر میں بھی چھپ سکتا ہے۔"

پھر گھر کے ایک اندرونی کمرے سے میں' پنڈت کو بھی وہیں بیٹھک میں اٹھا لیا۔ جب پنڈت کو پتا چلا کہ میں کون ہوں تو دھوتی میں اس کا پیشاب خطا ہو گیا۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرنے میں دیر نہ کی۔ میری نظر میں قتل کرنے اور قتل کرانے والا دونوں ہی مجرم تھے۔ سو میں ان دونوں ہی کو اٹھا کر محل نما عمارت میں لے آیا اور ایک کمرے میں بند کر دیا۔ اس وقت شام ڈھل چکی تھی۔ جب ڈھنڈورچی ایک بار پھر ساری بستی میں ایک اعلان کرتے پھر رہے تھے۔ اعلان یہ تھا کہ بعد نماز مغرب شاہنواز خاں کے قاتلوں کو محل کے سامنے والے میدان میں عبرتناک سزا دی جائے گی۔ نظیر شاہ اور پنڈت درگا پرشاد کو میں نے یہ "گھسا" دیا تھا کہ اگر انہوں نے عوام کے سامنے سازش اور قتل کا اعتراف کر لیا تو ان دونوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ اس طرح حکومت سے برگشتہ نوجوان راہِ راست پر آ جاتے اور انہیں حقیقت کا علم ہو جاتا کہ جو ان کا رہنما بنا ہوا ہے' دراصل وہی راہزن تھا۔

ظاہر ہے کہ عندلیب میری اس کارگزاری پر بہت خوش تھی۔ اس طرح سانپ بھی مر جاتے اور لاٹھی بھی سلامت رہتی۔ اسی خوشی کے موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے اس سے ایک وعدہ بھی لے لیا۔ اس طرح کے وعدے کرتے ہوئے دل میں لڈو پھوٹنے کے باوجود صنف مخالف کی زبان پر اسی طرح کے الفاظ آتے ہیں کہ چلو ہٹو' تم بڑے "وہ" ہو۔ پھر چہرے پر حیا کی سرخی پھیل جاتی ہے۔ یہ منظر مجھے بڑا بھلا لگتا ہے۔ اس وقت بھی میری آنکھوں نے ایسا ہی حسین منظر دیکھا۔ پھر بات بدلنے کے لئے عندلیب مجھ

سے بعد مغرب والے "تماشے" کے بارے میں پوچھنے لگی۔ میں نے جو کچھ سوچا تھا' اسے بتا دیا۔ اس نے میری ایک تجویز پر اعتراض بھی کیا کہ اس "ڈرامے" کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تجویز مجرموں کو عبرتناک سزا دینے کے متعلق تھی۔ عندلیب کا خیال تھا کہ سیدھے سبھاؤ دونوں کا "جھٹکا" کر دیا جائے' یعنی گردن مار دی جائے۔ میں اس سے متفق نہیں تھا۔

"دیکھو میری جان!" میں جواب میں بولا۔ "عوام کی اکثریت یقیناً بھولی اور معصوم ہوتی ہے۔ اسی لئے حکمراں انہیں باآسانی اُلو بنا لیتے ہیں لیکن انہی میں نظیر شاہ جیسے حرامی بھی ہوتے ہیں جو عوام کی ہمدردیاں حاصل کر کے انہی کا گلا کاٹ دیتے ہیں۔ سو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ عوام پر حکومت کا تھوڑا بہت تو رعب قائم رہے تاکہ سازشیں کرنے والے اپنے انجام سے ڈرتے رہیں۔ طالع آزماؤں کی یہ ہمت نہ ہو کہ وہ کسی بہانے اقتدار پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھنے لگیں۔"

میں اب انسانی جون میں آ کر شہریار بن چکا تھا۔ میری خواب گاہ اب کالی چرن کا وہی کمرہ تھا جہاں گزشتہ رات کالی چرن کو "ٹھنڈا" کیا گیا تھا۔ کسی ریاست کے دیوان کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا کہ وہ حکمراں کے اتنے قریب رہے۔ اس وقت بھی میں' عندلیب کے ساتھ اسی کمرے میں تھا۔ میں اگر کوئی آدم زاد ہوتا تو یہ عہدہ اور عزت ملنے پر میری گردن اینٹھ جاتی' سو ایک جن زاد ہونے کے ناتے میری گردن میں یہ "تکلیف" نہیں ہوئی۔ میں تو نظیر شاہ جیسے آدم زادوں کی گردنیں ناپنے میں مصروف تھا۔ مجھے یوں بھی اتنی فرصت نہیں تھی کہ اپنی گردن کی طرف بھی تھوڑی بہت توجہ دے لیتا۔

بعد مغرب محل نما عمارت کے سامنے والے میدان میں لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ میرے ماتحتوں نے ہدایت کے مطابق سارا انتظام سنبھال لیا۔ دونوں مجرموں کو زنجیریں پہنا کر میدان میں گڑے کھونٹوں سے باندھ دیا گیا اور مجھے اطلاع مل گئی۔

"شہریار! تمہیں اس ہیئت میں دیکھ کر لوگ بھاگ نہ اٹھیں۔" عندلیب نے مجھ سے کہا۔

"میرے آدمی اعلان کر چکے ہوں گے جانِ من کہ اس ریاست کی حکمراں اپنے پالتو شیر پر سوار ہو کر نزول اجلال فرمائے گی' عوام کو حکمراں کی سواری سے ڈرنے یا بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ میں شیر نہ سہی مگر تمہارا پالتو تو کہلاؤں گا ہی۔" میں ہنس کر بولا۔

"تم پر سواری کرتے ہوئے مجھے عجیب سا لگے گا۔" وہ کہنے لگی۔

میں صرف مسکرا کر رہ گیا کہ یہ بولنے کا موقع نہیں تھا۔ پھر میں انسانی ہیئت سے درندہ بن گیا۔ عندلیب بہ جبر و اکراہ مجھ پر سوار ہو گئی۔ میں اپنی خواب گاہ سے نکل کر مختلف راستوں سے گزرتا ہوا عمارت کے صدر دروازے تک پہنچ گیا۔ راستے میں کوئی محافظ' خدمتگار یا اس عمارت کا باسی نہیں ملا۔ سب کو یہی ہدایت تھی کہ عمارت کے باہر میدان میں رہیں۔ صدر دروازے سے میں جیسے ہی نکلا' دہشت زدہ ہو کر کئی افراد چیخ اٹھے۔ عندلیب مجھ پر سوار رہی۔ میں صدر دروازے کے قریب ہی کھڑا ہو گیا۔

عندلیب نے بلند آواز میں دونوں مجرموں سے اعتراف جرم کے لئے کہا۔ وہ دونوں کچھ ہی فاصلے پر پابہ زنجیر کھڑے تھے۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

پہل نظیر شاہ نے کی اور اپنا سارا کچا چٹھا بیان کر دیا۔ پھر پنڈت درگا پرشاد نے بھی شاہنواز خاں کے قتل کا اعتراف کر لیا۔

لوگ بلند آواز میں ان دونوں پر لعنت بھیجنے لگے۔ عندلیب نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا' پھر بولی۔ "دونوں مجرم اعتراف گناہ کر چکے ہیں۔ میں اس ریاست کی حکمراں ہونے کے ناتے انہیں سزا کا حکم سنا سکتی ہوں لیکن یہ فیصلہ آپ لوگوں پر چھوڑا جاتا ہے۔ آپ چاہو تو انہیں معاف کر دو' چاہو تو سزا دو۔ آپ بتاؤ کہ ان دونوں کو معاف کر دیا جائے؟" آخر میں عندلیب نے باآواز بلند ہجوم سے پوچھا۔

"نہیں' نہیں۔" لوگ ہر طرف سے چیخ اٹھے۔ ایک آواز بھی مجرموں کے حق میں بلند نہیں ہوئی۔

"انہیں سزائے موت دے دی جائے؟" عندلیب نے پھر مجمع سے سوال کیا۔

ہر طرف سے سزائے موت کے حق میں صدائیں بلند ہونے لگیں۔ لوگوں کے خاموش ہوتے ہی نظیر شاہ پوری قوت سے چیخا۔ "ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ ہم سے کہا گیا تھا کہ اگر لوگوں کے سامنے اعتراف جرم کر لیں گے تو ہمیں معاف کر دیا جائے گا۔"

جواب میں لوگ نظیر کو ایسے "القابات" سے نوازنے لگے جس کا واقعی وہ اہل تھا۔ ایک نوجوان نے بلند آواز میں یہ بھی کہا۔ "تجھے سزا ہم نے دی ہے اے غدارِ قوم!"

جب یہ ہنگامہ آرائی ختم ہوئی تو عندلیب نے ایک اور انکشاف کیا۔ یہ انکشاف لوگوں کے لئے یقیناً تھا' میرے لئے بہرحال نہیں۔ عندلیب بولی۔ "کالی چرن میرا باپ نہیں تھا بلکہ میری رگوں میں شاہنواز خاں کا خون دوڑ رہا ہے۔ میں' شاہنواز خاں کی بیٹی ہوں۔ قتل ہونے سے پہلے میرے والد نے یہ راز کھول دیا تھا۔ اسی کے بعد میں نے اسلام قبول کر لیا۔ مجھے حکمرانی کی ہوس نہیں۔ کالی چرن کے قتل کے بعد میرے والد ہی حکمراں ہوتے' مگر کمینے نظیر شاہ نے اس نمک حرام پنڈت درگا پرشاد کے ذریعے انہیں قتل کرا دیا۔ اب مجھے اس دن کا انتظار ہے کہ جب میرا بھائی شہباز خاں لوٹ آئے اور میں اقتدار اس کے حوالے کر دوں کہ میرا بھائی ہی اس کا حقدار ہے۔"

عندلیب نے اس انکشاف کے بعد اور اپنے سوتیلے بھائی شہباز خاں کی خاطر اقتدار چھوڑ دینے کا اعلان کر کے لوگوں کے دل جیت لئے۔ وہ عندلیب کے حق میں زبردست نعرے لگانے لگے۔

میں کہ ایک جن زاد' آدم زادوں کے اس ہجوم کے اندر شیر کے قالب میں پھنسا ہوا' ایک پھول بدن کو خود پر سوار کئے نعرہ زن "پگلوٹوں" کی خاموشی کا منتظر تھا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ حکمرانی خواہ عندلیب کرے یا شہباز خاں' انہیں کیا مل جائے گا جو گلا پھاڑ پھاڑ کے چیخے جا رہے تھے۔ سارے ہی حکمراں ایک ہی سے ہوتے ہیں۔ شاہنواز خاں ہی بدمعاشی میں کون سا کم تھا۔ اس نے کون سا گناہ کئے بغیر چھوڑ دیا تھا۔ جوا اس نے کھیلا تھا' شراب نوشی اس نے کی تھی' زنا کار وہ تھا لیکن شخصیت پرستی کے جنون میں مبتلا عوام کو نہ کچھ دکھائی دیتا ہے' نہ وہ کچھ سنتے ہیں بلکہ بعض اوقات و حالات میں تو

aazzamm@yahoo.com

ان کے بھی ان سنی کر جاتے ہیں۔ کوئی حکمراں انہیں مذہب کی آڑ میں بے وقوف بناتا ہے تو کوئی قبیلے اور قوم کے نام پر۔ عالم جنات میں بھی یہی سب کاروبار چلتا رہتا ہے جس سے مجھے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ مجھے تو اللہ کی ایسی مخلوق پسند ہے جو ملائے' کسی کو کسی سے جدا نہ کرے۔ تم فلاں بن فلاں ہو اس لئے فلاں بن فلاں تمہارا دشمن ہے۔ تم فلاں سے الگ ہو وغیرہ وغیرہ۔ الگ الگ شناخت اور پہچان کے نام پر یہ کھیل ازل سے کھیلا جا رہا ہے۔ سو محبتوں کی جگہ نفرتیں بوئی جاتی ہیں اور انہیں بونے والا وہی طبقہ ہے جسے لوگ نجات دہندہ سمجھتے ہیں اور ان کے مقبرے بنا کر صدیوں ان کو پوجتے رہتے ہیں۔ پوجنے والوں کو کبھی کچھ نہیں ملتا' ان کی جھولیاں خالی ہی رہتی ہیں اور جنہیں پوجا جاتا ہے' وہ عیش اڑا کر ہی زمین کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ اس چکر کو نہ کوئی آدم زاد روک سکتا ہے نہ جن زاد۔ سو مجھے کیا پڑی تھی کہ اس غم میں خواہ مخواہ اپنی جان کو روگ لگاتا۔ ہاں مجھے لوگوں کی حماقتوں پر کبھی تو افسوس ہوتا' کبھی ہنسی آتی۔

احمقانہ نعروں کی گونج ختم ہوئی تو وہ سراپا ناز' یعنی عندلیب میری پشت سے اتری۔ لوگوں میں سنسنی سی دوڑ گئی کہ دیکھیں کہ اب پردہ غیب سے کس نئی شے کا ظہور ہوتا ہے۔

پھر پروگرام کے مطابق عندلیب نے میری پشت پر تھپکی دی اور میں نے احمق آدم زادوں کو دہلانے کے لئے ایک عدد دہاڑ ماری کہ انہیں یقین ہو جائے' میں سچ مچ کا شیر ہوں۔

میں نے جب نظیر شاہ اور پنڈت درگا پرشاد کی طرف زقند بھری تو وہاں موجود لوگ بغیر بتائے ہی سمجھ گئے کہ دونوں مجرموں کو عبرتناک سزا دینے کے لئے کیا نیا طریقہ وضع کیا گیا ہے۔ پنڈت تو میری دہشت ہی سے پچھاڑ کھا کر گر گیا البتہ نظیر شاہ چیخنے لگا۔ میں نے اس کے منہ پر پنجہ مارا تو ناخنوں کے ساتھ چہرے کی کھال بھی ساتھ آ گئی۔ جس طرح بلی اپنے شکار سے کھیلتی ہے' کچھ دیر میں بھی ان دونوں کے جسموں سے کھیلتا رہا اور پھر انہیں چیر پھاڑ ڈالا۔ آدم زادوں کے اندر بھی ایک درندہ چھپا بیٹھا ہوتا ہے جسے کسی ایسے منظر سے بڑی تسکین ملتی ہے۔ برسرعام پھانسی دینے کا رواج آدم زادوں نے شاید اسی درندے کو تسکین دینے کے لئے روا رکھا تھا۔

اپنا فرض انجام دے کر میں واپس عندلیب کے پاس آ کھڑا ہوا اور وہ مجھ پر سوار ہو گئی۔ "تماشا" ختم ہو چکا تھا۔ عندلیب کو میں اپنی خواب گاہ میں لے آیا اور درندے سے انسان بن گیا۔

وہ "تماشا" اتنا سنسنی خیز تھا کہ کسی نے شاید میری کمی محسوس نہیں کی۔ حالانکہ میں وہیں موجود تھا مگر گویا وہاں نہیں تھا۔ میری مراد اپنی انسانی ہیئت کے ریاستی عہدے سے ہے۔ کسی کو احساس نہیں ہو سکا کہ دیوان شہریار کہاں ہے۔

رات آئی تو حسرتوں کی سیج پر ایک گلاب مہکنے لگا۔ میں' عندلیب کی خواب گاہ میں تھا حالانکہ محافظوں نے مجھے اپنی خواب گاہ میں داخل ہوتے اور اندر سے دروازہ بند کرتے دیکھا تھا۔

"شہریار! تم بیک وقت شعلہ بھی ہو اور شبنم بھی۔" عندلیب تصویر کا "دوسرا رخ" دیکھ کر جیسے گنگنا اٹھی۔ پہلا رخ عندلیب نے اس وقت دیکھا تھا جب میں درندہ بنا ہوا تھا۔

میں نے پھر اسے کچھ بولنے کی مہلت نہیں دی اور شاید اب کچھ کہنے سننے کی ضرورت بھی نہیں

aazzamm@yahoo.com

ں۔

طلسم "خواب زلیخا" ٹوٹا تو رات کے آخری پہر میرے دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ "عندلیب!"

"ہوں۔" وہ بند آنکھوں سے شاید اب بھی کوئی خواب دیکھے جا رہی تھی۔

"تم ہر حال میں میری ہی رہو گی نا؟"

"کیا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"ہاں' اسی لئے تو سوال کیا تھا۔" میں بولا۔ "دراصل میں تمہیں کسی دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا۔"

"کیسا دھوکا؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"بات یہ ہے کہ مسلمان چاہے کوئی جن زاد ہو یا آدم زاد' ایک ساتھ کئی بیویوں کا شوہر ہو سکتا ہے۔" میں نے تمہید باندھی۔

"کیا مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری ہے؟"

"ضروری تو خیر نہیں ہے البتہ ضرورت کے تحت اس کی اجازت ہے۔" میں نے جھوٹ نہیں بولا۔

"لیکن تم مجھ سے یہ باتیں کیوں کر رہے ہو؟" اس کے لہجے سے الجھن کا اظہار ہونے لگا۔

"اس لئے کہ میں تمہیں اپنی بیوی بنانے والا ہوں اور تمہارے بعد بھی کسی کو اپنی بیوی بناؤں گا۔"

"بالکل نہیں۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔ "میں اپنی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتی۔"

"اس میں تمہاری توہین کی کیا بات ہے؟"

"یہ ایک عورت کی توہین ہی تو ہے کہ اس کا مرد کسی اور کی تمنا بھی کرے۔" وہ بحث کرنے لگی۔ پھر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہہ ہی دیا۔ "سنو شہریار! اگر تمہارے دل میں کسی اور کی طلب ہے تو پھر مجھ سے شادی نہ کرو۔ میں تمہیں اس کے لئے مجبور نہیں کروں گی۔"

میں نے اسے لاکھ سمجھایا کہ اس میں کوئی برائی نہیں اور ایسا ہوتا آیا ہے لیکن وہ نہیں مانی۔ مجبوراً مجھے مصلحت کے پیش نظر ہتھیار ڈالنا ہی پڑے کہ ایسے مواقع پر ایسا ہی کرنا بہتر ہوتا ہے۔ وہ پہلی آدم زادی تھی کہ جس سے میں نے سچ بولنا چاہا اور ناکام رہا۔ سو میں نے جھوٹ اوڑھ لیا کہ کہیں دھوتی کی تاک میں لنگوٹی بھی نہ چلی جائے۔ وہ خوش ہو گئی اور میں اپنی خواب گاہ میں لوٹ آیا۔ عندلیب کسی اور کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھی' میں نرگس کو چھوڑنے پر راضی نہیں تھا۔ اگر میں اس رات عندلیب سے جھوٹ نہ بولتا کہ اس کے سوا کسی اور کو نہیں چاہتا تو معاملہ بگڑ جاتا۔ آئندہ کے لئے وہ اپنی خواب گاہ میں میری انٹری پر پابندی لگا دیتی۔ وہ کوئی ایسی ویسی آدم زادی تو تھی نہیں کہ اس کی مرضی و خواہش کے بغیر کوئی اسے ہاتھ لگا سکتا۔ میں بھی اگر یہ جسارت کرتا تو ایک طرف باندھ کے ڈال دیتی۔ پھر میں نہ گھر کا رہتا نہ گھاٹ کا۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر میں ایک ایسے گھاٹ آ لگا تھا کہ مجھے ایک ہی لہر کا دامن تھامے

ساری عمر بیتا دینے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

☆======☆======☆

کہتے ہیں کہ بری گھڑی آتے دیر نہیں لگتی اور دانا یہ بھی کہہ مرے ہیں کہ چور چوری سے جاتا ہے' ہیرا پھیری سے نہیں۔ سو ایک روز مجھے بھی عندلیب نے ہیرا پھیری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ میں جس کے ساتھ "ہیرا پھیری" میں مصروف تھا' وہ عندلیب ہی کی ایک نوعمر و نوخیز ملازمہ تھی۔ اس بے چاری کی جان گئی سو گئی مگر میری جان پر بھی بن آئی۔ میرے لئے حکم ہوا کہ اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔

"آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔" میں بات بگڑتے دیکھ کر خوشامد پر اتر آیا۔ "غلطی ہو گئی معاف کر دو۔"

عندلیب انتہائی غصے میں تھی' میرے معافی مانگنے پر اور بھڑک اٹھی۔ اس نے مجھ پر نہ جانے کیا پڑھ کر پھونک دیا کہ میں زمین پر گر کے تڑپنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی میرے جسم کو کسی تیز دھار خنجر سے اندر ہی اندر کاٹے ڈال رہا ہو۔ میں اس وقت انسانی قالب ہی میں تھا۔ اس اذیت سے بچنے کی خاطر میں نے انسانی قالب ترک کر دینا چاہا مگر ناکام رہا۔ پھر مجھے تڑپتے دیکھ کر اس ظالم کو رحم آ گیا۔

"آج تمہیں چھوڑے دیتی ہوں کہ یہ تمہاری پہلی غلطی ہے' آئندہ اگر پھر ایسی غلطی کی تو اسی طرح تڑپا تڑپا کر مار دوں گی۔" یہ کہتے ہی اس نے دوبارہ کچھ پڑھا اور مجھ پر پھونکا۔

میں بے ہوش ہو گیا اور جب ہوش آیا تو خود کو اپنی خواب گاہ کے آرام دہ بستر پر دیکھا۔

بطور مزید سزا کے عندلیب نے دو تین روز تک مجھے اپنے قریب نہ آنے دیا' پھر خوشامد درآمد سے مان ہی گئی۔

اس واقعے کو ابھی ہفتہ بھر بھی نہیں گزرا تھا کہ حالات نے غیر متوقع طور پر ایک نئی کروٹ لی۔ چل چلا چل شہباز خاں مع بابا جی کے آن پہنچا۔ معلوم ہوا کہ یہاں جو کچھ ہوا تھا' بابا نے شہباز کو وہیں بتا دیا تھا۔ بابا نے "ایوان اقتدار" میں رہنا قبول نہیں کیا۔ وہ شاید جنگل میں رہنے کا عادی تھا اس لئے بستی کے قریب جنگل میں جھونپڑی ڈال لی۔

میں نے بابا کی صرف ایک ہی جھلک دیکھی تھی۔ سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے' جسم پر پیوند لگے کپڑے تھے' کمر کمان کی طرح تھی۔ میں اس کی عمر کا کوئی اندازہ نہیں لگا پایا۔ معلوم نہیں وہ کب سے زندہ تھا اور مزید کب تک زندہ رہنے کا ارادہ تھا۔ پہلی ہی نظر میں وہ مجھے خطرناک قسم کا آدم زاد معلوم ہوا۔ میں نے دل ہی دل میں اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ اس "جنگلی" نے رہنے کے لئے جنگل ہی کو پسند کیا۔ شہباز خاں نے بھی خاصی عمر جنگل میں گزاری تھی۔ مگر میں نے اس میں کوئی جنگلی پن نہیں دیکھا۔ بیس برس کوئی کم تو نہیں ہوتے۔ وہ اس وقت سولہ سترہ سال کا رہا ہو گا کہ جب جنگل کی راہ لی تھی۔ اس سے شہباز خاکی عمر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آدمی کو اپنی جان بچانے کی پڑی ہو تو دوسرے مشغلے ثانوی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ اسی لئے اب تک کنوارہ تھا۔ فطری زندگی گزارنے کی وجہ سے صحت اچھی تھی۔ چوڑا سینہ' آنکھیں بڑی اور روشن' قد مناسب' رنگ سرخ و سفید۔ شاید ورزش بھی کرتا

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ہو گا جس سے جسم کسا ہوا تھا۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت وجیہہ و پرکشش ہی تھی۔ جنگل میں اگر اسے کوئی آدم زادی مل گئی ہوتی تو شاید چہرے پر اتنی تازگی نظر نہ آتی۔ عندلیب نے اس سے میرا تعارف ریاست کے دیوان کی حیثیت ہی سے کرایا۔

خلاف توقع شہباز خاں نے بڑی گہری نظروں سے میرا جائزہ لیا' پھر پوچھنے لگا۔ "ہماری ہی ریاست کے رہنے والے ہو یا کہیں باہر سے آئے ہو؟"

"شہریار کا تعلق لاہور سے ہے جو انگریزوں کی عمل داری میں ہے۔" میری بجائے عندلیب بول اٹھی۔ "میری ایک سہیلی بملا وہاں رہتی ہے۔ اس کے والد راؤ بہادر بہاری لال' کالی چرن کے رشتے دار تھے۔ ان کی وجہ سے وہاں میرا آنا جانا تھا۔ پچھلے دنوں وہاں میں گئی تو وہیں ملاقات ہوئی۔ وہیں میں نے شہریار کی صلاحیتوں کو دیکھا۔ راؤ بہادر جی کی تمام زمینوں' جائیداد اور کاروبار کی دیکھ بھال شہریار ہی کے ذمے تھی۔ یہاں ضرورت پڑی تو میں نے بلوا لیا۔"

عندلیب نے میری مشکل آسان کر دی اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ شہباز خاں صرف میرے ہی متعلق متجسس نہیں تھا۔ اس نے تمام ہی عہدیداروں کے بارے میں اس طرح پوچھ گچھ کی تھی' کون کہاں کا ہے' کدھر سے آیا ہے؟ وغیرہ۔ اس نے بہرحال دبی دبی زبان میں ایک اعتراض ضرور کیا۔ یہ اعتراض مجھی سے متعلق تھا۔

عمارت کا جو حصہ صرف حکمراں خاندان کی رہائش کے لئے مخصوص تھا' وہاں کسی اور کو نہیں رہنا چاہئے۔ میں اس عمارت میں کہیں بھی رہتا' اس سے مجھ پر کوئی فرق نہ پڑتا۔ سو میں نے خود ہی کالی چرن کی خواب گاہ چھوڑ دی۔ پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ کبھی اسی خواب گاہ میں ریاست کا سابق حکمراں شاہنواز خاں رہتا تھا۔ یہ کچھ جذباتی سا معاملہ تھا۔ شہباز خاں اپنے مرحوم باپ کی خوابگاہ میں کسی اجنبی کی موجودگی کیسے گوارہ کر لیتا۔ میں اسی عمارت کے ایک اور حصے میں منتقل ہو گیا۔ عندلیب نے بھی میرے اس ایثار کو سراہا۔ شہباز خاں اپنی نوجوانی کے زمانے میں جہاں رہتا تھا' وہیں رہنے پر اصرار کیا۔ وہ کمرہ عندلیب کی خواب گاہ کے برابر والا تھا۔

"بھیا جی! آپ ابا حضور والے کمرے میں رہو نا۔" عندلیب نے کہا تھا۔

"نہیں عندلیب!" شہباز خان نے انکار میں سر ہلا دیا۔ "ابا حضور کی جگہ کوئی اور نہیں لے سکتا۔ ان کی خوابگاہ کو خالی ہی رہنے دو۔"

دوسرے ہی روز اقتدار کی منتقلی عمل میں آ گئی۔ عندلیب نے اپنے وعدے کے مطابق شہباز خاں کو اقتدار سونپ دیا۔ اس خوشی کے موقع پر ریاست میں عام تعطیل کا اعلان کیا گیا۔ صبح دس بجے کے قریب عمارت کے سامنے والے میدان میں جلسہ ہوا تاکہ ریاست کے عوام نئے حکمراں کا دیدار کر لیں۔ بڑے سے تخت پر قالین بچھا کر کرساں رکھی گئیں۔ درمیان میں اونچی پشت والی وہی کرسی تھی جس پر میں نے کبھی کالی چرن کو بیٹھے دیکھا تھا۔ دائیں بائیں تھوڑے سے فاصلے سے دو دو کرسیاں اور تھیں۔ بائیں جانب ایک کرسی میرے لئے اور دوسری سپاہیوں کے نئے سربراہ کے لئے تھیں یہ ایک ادھیڑ عمر ہندو شو کمار شرما

تھا۔ لوگ اسے "شرما جی" کہتے تھے۔ شرما کو میں نے کبھی شرماتے یا جھجکتے نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ دو ٹوک بات کرتا۔ اس کی یہی ادا مجھے اور عندلیب کو پسند آ گئی تھی۔ نتیجتاً اسے یہ عہدہ دے دیا گیا تھا۔ ہم دونوں کے علاوہ دائیں جانب والی دونوں کرسیوں میں سے ایک پر تو عندلیب بیٹھی تھی لیکن دوسری کرسی ابھی خالی تھی۔ شہباز خاں بھی اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ چکا تھا اور میدان بھی کھچا کھچ بھرا ہوا تھا' پھر بھی جلسہ شروع نہیں کیا گیا۔ بابا کے بارے میں خبر مل چکی تھی کہ وہ جنگل سے بستی کی طرف چل چکا ہے اور راستے میں ہے۔ خالی کرسی اسی کے لئے تھی۔ بڈھے بابا کے لئے سواری بھی بھیجی گئی مگر اس نے پیدل چلنے کو ترجیح دی اور پھر لاٹھی ٹیکتا ہوا پہنچ گیا۔ اس کا استقبال کرنے شہباز خاں اپنی کرسی چھوڑ کے اٹھا تو تخت پر موجود بقیہ افراد کو بھی مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑا۔

بابا' عندلیب کے برابر کرسی پر آلتی پالتی مار کے بیٹھ گیا تو جلسہ شروع ہوا۔ پہلے عندلیب نے مختصر سی تقریر کر کے ایفائے وعدہ' یعنی اقتدار شہباز خاں کے حوالے کر دینے پر عوام سے داد بٹوری' پھر شہباز خاں نے محصول میں کٹوتی کا اعلان کر کے گویا یہ ثابت کیا کہ وہ بڑا رحم دل حکمراں ہے اور عوام کے دکھ درد کو سمجھتا ہے۔ نعرے بازی کے بعد جلسہ ختم ہو گیا۔ مجھے توقع تھی کہ جلسہ ختم ہونے کے بعد بابا اپنی لاٹھی ٹیکتا ہوا پھر جنگل کی طرف سدھار جائے گا۔ ایسا نہیں ہوا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ بابا کو میں نے شہباز خاں اور عندلیب کے ساتھ عمارت کے صدر دروازے سے اندر جاتے دیکھا۔ یہ اندازہ تو مجھے پہلے ہی ہو چکا تھا کہ بابا خطرناک قسم کا آدم زاد ہے۔ سو میں چوکنا ہو گیا۔

ایک ایسی جگہ پہنچ کر جہاں کسی کی نظر مجھ پر نہ پڑے' میں نے انسانی ہیئت ترک کر دی اور عمارت کے ساتھ اس کمرے میں جا رہا تھا جسے نشست گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ میں دور ہی رک گیا کہ وہ لوگ اندر جا کے بیٹھ جائیں تو پتا لگاؤں' بابا کس لئے وہاں رکا ہے اور دونوں بھائی بہن سے اکیلے میں کیا بات کر رہا ہے۔ چور کی داڑھی میں تنکے کا محاورہ شاید ایسے ہی مواقع کے لئے بنا ہے۔ مجھے یہ ڈر تھا کہ کہیں میری پول پٹی نہ کھل جائے۔

ذرا ہی دیر بعد میں اندر پہنچا تو بابا کو چونکتے دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے اسے وہاں میری موجودگی کا احساس ہو گیا ہے۔

"جی بابا! آپ کہہ رہے تھے کہ یہاں اس عمارت میں کوئی غیر انسان بھی رہتا ہے۔ وہ کون....."

شہباز خاں کی بات پوری نہ ہو سکی کیونکہ بابا بول اٹھا۔ "وہ تو اس وقت یہاں بھی آ چکا ہے۔"

اس پر عندلیب نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور آنکھ کے اشارے سے باہر جانے کو کہا۔ وہ مجھے دیکھنے کی اہل تھی۔

بابا بھی ایک ہی کائیاں تھا' کہنے لگا۔ "رہنے دو بیٹی! اسے باہر نہ نکالو۔ مجھے جو کچھ کہنا ہے' اس کی موجودگی میں بھی کہہ سکتا ہوں۔" پھر بابا نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور کہا۔ "ادھر دروازے کے قریب کیوں کھڑے ہو' یہاں ہمارے ساتھ آ کر بیٹھ جاؤ۔" بابا نے عندلیب کے برابر والی خالی کرسی کی طرف

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اشارہ کیا۔

میں سمجھ گیا کہ اپنی روحانی قوت کے سبب بابا نے بھی مجھے دیکھ لیا ہے۔ بابا کی آواز میں بے حد نرمی تھی۔ اس کمرے میں صرف شہباز خاں ایک ایسا تھا کہ ہونق لگ رہا تھا۔

مجھے یہی غنیمت معلوم ہوا کہ بھاگنے کی بجائے بابا کی بات مان لوں۔ اسی کے ساتھ میں نے انسانی قالب بھی اختیار کر لیا۔ بھانڈا تو پھوٹ ہی گیا تھا سو اب چھپ کے کیا کرتا۔ اچانک مجھے نمودار ہوتے دیکھ کر شہباز خاں اچھل پڑا۔ میں اس لئے زیادہ خوفزدہ نہیں تھا کہ وہاں میری ایک "حمایتن" یعنی عندلیب موجود تھی۔ میں بہرحال اس کا محبوب تھا۔ خواہ وہ مجھے خود اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیتی مگر کسی اور کے ہاتھوں نہ مرنے دیتی۔ آگے بڑھ کر میں' عندلیب کے برابر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"شہباز خاں! یہ معاملہ ذرا سا نازک ہے۔" بابا نے دوبارہ بات شروع کی۔ "پہلے تو میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اس معاملے میں سختی سے کام نہیں چلے گا۔" پھر بابا نے میری طرف اشارہ کیا۔ "یہ ایک جن زاد ہے اور تمہاری بہن عندلیب اسے پسند کرتی ہے۔"

"ایک ..... ایک جن کو؟" شہباز خاں حیرت سے بولا۔ "عندلیب کو شاید اس کی حقیقت کا علم نہیں....."

"یہ بات نہیں۔" بابا نے شہباز کی بات کاٹ دی۔ "عندلیب کو خبر ہے کہ یہ ایک جن زاد ہے' پھر بھی اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

شہباز خاں نے اس طرح عندلیب کی طرف دیکھا جیسے اسے عندلیب کی دماغی صحت پر شبہہ ہو۔

"جہاں تک میرے علم میں ہے شہباز خاں! یہ کوئی ناجائز فعل نہیں' خاص طور پر اس لئے بھی کہ یہ جن زاد بھی نسلاً ایک مسلمان ہی گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر تمہاری بہن اس سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو یہ ممکن ہے۔ میرا یا تمہارا فرض صرف اتنا ہے کہ اسے نیک و بد سمجھا دیں۔ مجھے اس معاملے میں مداخلت کی ضرورت یوں پیش آئی کہ یہ جن زاد صاحبِ کردار نہیں۔ بہت مشکل ہے کہ یہ تمہاری بہن کے ساتھ وفا کر سکے۔ اچھا ہے کہ یہ بات اسی جن زاد کے سامنے ہو رہی ہے۔ میں اس پر کوئی الزام نہیں لگا رہا بلکہ جو حقیقت ہے بوجوہ بیان کر رہا ہوں۔ اس کے حق میں اگر کوئی بات جاتی ہے تو صرف یہ ہے کہ اسی نے تمہاری بہن کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ ریاست کے مسلمانوں کو شیطان صفت گرو وشواناتھ اور کالی چرن سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے ذریعہ بنایا ہے۔ بہرحال کوئی فیصلہ کرنا میرا منصب نہیں۔ فیصلہ تمہاری بہن ہی کو کرنا ہے۔"

بابا خاموش ہو گیا تو میں نے اپنی صفائی میں زبان کھولی۔ "بابا جی! اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بہت گناہگار ہوں لیکن اب میں نے گناہوں سے توبہ کر لی ہے۔"

"جھوٹ بول رہے ہو تم۔" میری بات کی تردید کرتے ہوئے بھی بابا کا لہجہ نرم ہی رہا۔ "اب بھی تمہاری کوئی رات گناہ کے بغیر نہیں گزرتی۔ جواب دو کہ نکاح کئے بغیر تمہیں عندلیب پر تصرف کا حق کیسے حاصل ہو گیا؟ تمہارے نزدیک کیا یہ گناہ نہیں؟"

بابا میرے اندازے سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو رہا تھا۔ وہ بڑی میٹھی چھری تھی۔ ایک بھائی کے سامنے اس کی ناجائز بہن کے کرتوت بابا نے اتنی صفائی سے بیان کر دیئے تھے کہ میں منہ دیکھتا رہ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میری جھکی ہوئی گردن اوپر اٹھتی اور میں کچھ کہتا' شہباز خاں کی غیرت جوش میں آ گئی۔ وہ بنکار اٹھا۔ "میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تحمل سے کام لو شہباز خاں! ابھی تو بات ہو رہی ہے۔" بابا بولا۔ "میں نے ابھی تمہیں سمجھایا تھا کہ اس معاملے میں سختی مناسب نہیں۔"

"لیکن بابا جی' یہ تو سراسر....."

"تم کچھ دیر خاموش رہو اور مجھے ان دونوں سے بات کرنے دو۔" بابا نے شہباز خاں کی بات کاٹ دی۔

شہباز خاں مجھے اس طرح گھور کے دیکھنے لگا جیسے کچا چبا جائے گا۔ بابا نے مجھ سے جو سوال کیا تھا' اس کا جواب عندلیب نے دیا۔ "میں نے شہریار کو اپنا پتی مان لیا ہے' سو آپ جو کہہ رہے ہو بابا جی! اسے میں پاپ نہیں جانتی۔" یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں ذرا بھی جھجک نہیں تھی۔ آخر پرانی "پاپن" تھی اور مجھ سے پہلے گرو وشواناتھ کو اپنا شوہر تسلیم کر چکی تھی۔ مسلمان ہوئے اسے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ ہی دن تو ہوئے تھے۔ وہ مسلمان گھرانوں کی لڑکیوں کی طرح پردہ بھی نہیں کرتی تھی' میری مراد اس دور کے روایتی پردے سے ہے۔

"کسی کو شوہر مان لینے سے کوئی شوہر نہیں بن جاتا۔" بابا نے گویا سمجھایا۔ "خود ہندو دھرم میں اگنی کے گرد پھیرے لگانے پڑتے ہیں' اشلوک پڑھے جاتے ہیں۔ بہت سی باتیں لوگوں نے بس یوں ہی مشہور کر رکھی ہیں جن کا تعلق کسی دھرم یا مذہب سے نہیں۔ تم تو خیر نو مسلم ہو اس لئے زیادہ قصوروار نہیں' مگر یہ جن زاد تو سب کچھ جانتا ہے۔"

بڈھے نے ایک بار پھر مجھے ہدف بنا لیا اور میں سوچنے لگا کہ یہ کائیاں میری گلی ہوئی دال کو مزید نہیں گلنے دے گا۔ ایک چپ سو کو ہراتی ہے' اس خیال سے میں دم سادھے بیٹھا رہا۔

"تمہاری خاموشی سے ظاہر ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' درست ہے۔" بابا نے ایک بار پھر مجھے مخاطب کیا۔ میری خاموشی سے اس نے ہار نہیں مانی۔

نہ ہی میں' عندلیب کو چھوڑنے پر آمادہ تھا نہ وہ مجھے۔ ہم دونوں ہی نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

"پھر تو بس گناہ سے بچنے کا ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے۔" بابا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اب آئندہ جو بھی ہو اللہ بہتر جانتا ہے۔"

اس کے بعد بابا نے جو تجویز پیش کی اسی پر عمل درآمد کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرے گلے میں "طوق غلامی" ڈال دیا گیا۔ اسی شام ایک قاضی نے عندلیب سے میرا نکاح پڑھا دیا۔ مختصر سی اس تقریب میں ریاست عظیم پور کے تمام ہی اہم افراد اور عہدیدار موجود تھے جن کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ چار رکنی میٹنگ میں پہلے ہی یہ طے پا چکا تھا کہ اس بات کو راز رکھا جائے گا کہ عندلیب کا نکاح ایک جن زاد سے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

ہوا ہے۔ یوں میں اس ریاست کا باقاعدہ داماد بن گیا' بے قاعدہ داماد تو خیر پہلے ہی سے تھا۔ آدم قاعدے قانون کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور ہم جنات ان سے بھاگتے ہیں۔ پھنس ہی گیا تھا تو کیا کرتا۔ صرف اتنا کیا کہ بوقتِ نکاح نہ اپنا صحیح نام بتایا نہ اپنے باپ کا۔ مجھے نہیں معلوم کہ نام غلط بتانے سے نکاح ہوا نہیں۔

نکاح کے بعد پہلی ہی رات عندلیب نے دھمکی دے دی کہ میں نے اگر اِدھر اُدھر منہ مارا تو میں حلیہ بگاڑ دے گی۔ وہ ابھی تک میری "ہیرا پھیری" کو بھولی نہیں تھی۔

"کیوں ڈرا رہی ہو' میں تو پہلے ہی تم سے خوفزدہ رہتا ہوں۔" میں کسی فرمانبردار شوہر کی طرح بولا۔

"یہ سمجھنا لینا کہ میں اب تمہاری بیوی ہوں اور تم پر صرف میرا حق ہے۔" اسی کے ساتھ اس نے عملاً بھی اپنا حق ثابت کرنے کے لئے میرے گلے میں اپنی بانہوں کا ہار ڈال دیا۔ اس کا رویہ بالکل ایسا تھا کہ نکاح پڑھوا کر جیسے وہ میری شوہر بن گئی ہو۔

اس دن کے بعد سے میں بس اعزازی "دیوان جی" رہ گیا۔ میرا اصل عہدہ "گھر داماد" تھا۔ اب مجھے دوبارہ حکمراں خاندان کے لئے مخصوص حصے میں جگہ مل گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ میرا اور عندلیب کا روم ایک ہی تھا اور نوبیاہتا جوڑے کی وجہ سے وہاں دوسرا بیڈ ڈالنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی تھی۔

بہن کے لئے ایک عدد شوہر کو گھر میں بسا کر بھائی کو اپنا گھر بسانے کی سوجھی۔ اسے یہ سمجھانے والی عندلیب ہی تھی۔ رشتہ نکر کا ہونا چاہئے اس چکر میں قریب و دور کی ریاستوں کے پھیرے لگائے جانے لگے۔ عندلیب کبھی مجھے اپنے ساتھ رکھتی اور کبھی عظیم پور ہی میں چھوڑ جاتی۔ میں نے اس کا اعتماد بحال کرنے کے لئے عارضی طور پر آوارہ گردی چھوڑ دی تھی۔ قصہ یہ تھا کہ اپنے فطری مزاج کے مطابق اب عندلیب سے میرا جی بھر چکا تھا اور میں اس فکر میں تھا کہ موقع ملتے ہی وہاں سے رسی تڑا کر بھاگ جاؤں۔ نرگس کا خیال بار بار میرے دامن دل کو کھینچتا کہ نہ جانے وہ کس حال میں ہو گی۔ اکثر میں یہ بھی سوچتا کہ کہیں مولوی کفایت اللہ نے اسے اقبال کے کھونٹے سے نہ باندھ دیا ہو۔ جب مجھے عندلیب لاہور سے اغوا کر کے لائی تھی تو اقبال سے نرگس کے دوبارہ نکاح کی بات چل رہی تھی۔ عالم ہاموس کی بیٹی وازعہ کا دھیان بھی مجھے آتا کہ وہ جن زادی میرے فراق میں تڑپ رہی ہو گی۔ یادوں کے اس ہجوم میں لمحوں کے درمیان میں کسی سانحے کی طرح جی رہا تھا۔ میری حالت کسی ایسے پرندے کی سی تھی کہ جس کے پر باندھ دیئے گئے ہوں۔ میں کسی ایک فضا' کسی ایک ہی موسم میں رہنے کا عادی نہیں تھا۔ کبھی تو میں ہجر سے رہائی چاہتا اور کبھی وصل سے۔ عندلیب اگر اپنی ہونے والی بھابی کو دیکھنے کہیں اکیلی جاتی تو مجھے محل نما عمارت سے باہر نکلنے کی اجازت نہ ہوتی۔ وہ مجھے خود بھی بتا چکی تھی کہ میں نے کبھی ایسی کوشش کی تو مہنگی پڑے گی۔ ان الفاظ کا مطلب جاننا میرے لئے مشکل نہ تھا۔ اس نے یقیناً کوئی ایسا بندوبست کر رکھا تھا کہ میں راہِ فرار اختیار کرنا چاہوں تو کامیاب نہ ہو سکوں۔ شہباز خاں بھی مجھ پر نظر رکھتا۔ اس کی

کوشش ہوتی کہ میں ریاست کے کسی نہ کسی معاملے میں الجھا رہوں۔ وہ شاید بابا جی کے یہ الفاظ بھولا نہیں تھا کہ میں اس کی بہن سے وفا نہیں کر سکوں گا۔ ان حالات میں میرے لئے یہی ممکن تھا کہ جب عندلیب مجھے کہیں اپنے ساتھ لے جائے تو اسے غچہ دے جاؤں۔ ایسی صورت میں وہ میری طرف سے قدرے مطمئن ہوتی۔ فرار کے لئے کیا طریقہ کار زیادہ مناسب و محفوظ رہے گا' یہ بھی میں نے سوچ لیا تھا۔ اگر عندلیب جیسی کوئی آدم زادی میری زوجیت میں نہ آتی تو اسے چھوڑ کر بھاگ لینا میرے لئے کوئی مسئلہ نہ ہوتا۔ وہ ظالم تو ایسی پُراسرار قوتوں کی مالک تھی کہ مجھ جیسے جن زاد کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔ پھر بھی میں نے ہمت نہ ہاری اور امید بہار نہ چھوڑی' شجر سے پیوستہ رہا۔

احمد یار خاں ایک بڑا جاگیردار تھا۔ عندلیب کو اس کی بیٹی کے بارے میں خبر ملی کہ بہت خوبصورت ہے تو اس نے سامان سفر باندھنا شروع کر دیا۔ احمد یار خاں کی جاگیر انگریزوں کی عملداری میں تھی۔ علاقہ پنجاب ہی کا تھا اور وہاں سے لاہور بھی زیادہ دور نہیں تھا اس لئے میری طبیعت مچل گئی۔ میں تو کافی دن سے کسی ایسے موقع کی تاک میں تھا۔ سو عندلیب کو میں نے منا لیا اور مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو گئی۔ جاگیردار احمد یار خان کو پہلے ہی خبر بھجوائی جا چکی تھی کہ ریاست عظیم پور کے حکمراں کی بہن' اپنے بھائی کے لئے اس کی بیٹی کو دیکھنے آ رہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ہم اچھے خاصے لاؤ لشکر کے ساتھ منزلوں پر منزلیں مارتے وہاں پہنچے تو جاگیردار نے اپنی حویلی سے نکل کر ہمارا استقبال کیا۔

حویلی کا مہمان خانہ خاصا بڑا تھا جس میں ہمیں ٹھہرا دیا گیا۔ ہم شام کے وقت پہنچے تھے اس لئے واپسی اگلے روز ہی ممکن تھی۔

میں اس وقت بہت خوش ہوا جب احمد یار خاں نے بطور اظہار خلوص و محبت عندلیب سے یہ درخواست کی کہ بہن' آپ اندر حویلی میں چل کر رہیں۔

عندلیب نے بڑی نرمی سے یہ درخواست رد کر دی تو ظاہر ہے میرا دل بیٹھ گیا۔ ظالم کسی طرح مجھے اکیلا چھوڑ کر ٹلنے کو تیار نہیں تھی۔

جواب سن کر احمد یار خاں نے اپنی آدھی مونچھ سہلائی' پھر اجازت لے کر چلا گیا۔ اس کی آدھی مونچھ بھی اچھے بھلے دو چار مردوں کے برابر ہو گی۔ بھرے بھرے چہرے پر بڑی بڑی بل کھائی ہوئی مونچھیں تھیں۔ مونچھوں کے سرے دونوں جانب سے اس طرح گولائی میں مڑے ہوئے تھے کہ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو ہر دو طرف ایک ایک نیبو رکھنے کی گنجائش تھی۔ اس زمانے میں مونچھیں رکھنے ہی کو شاید مردانگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

جاگیرداروں کو موقع بے موقع شان امارت دکھانے کا شوق ہوتا ہے۔ یہ شوق احمد یار خاں کو بھی تھا۔ رات کو کھانے پر اس نے بڑی پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا جس میں آس پاس کے کئی اور جاگیردار بھی مدعو تھے۔ اس کے چھوٹے بھائی صمد یار خاں کی جاگیر' بھائی کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی' وہ بھی دعوت میں آیا۔ احمد یار اور صمد یار کی عمروں میں بارہ تیرہ سال سے زیادہ کا فرق تھا۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان تین عدد بہنیں تھیں جو اپنے اپنے گھروں کی ہو چکی تھیں۔ جوان ہونے کے باوجود صمد یار اپنے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

بڑے بھائی کی ڈپلیکیٹ تھا' صرف عمروں کا فرق تھا۔ صمد یار نے بھی جاگیر پالنے کے ساتھ ساتھ مو
پال رکھی تھیں۔ غالباً یہ ان کی خاندانی روایت تھی جسے وہ بڑی چاہت کے ساتھ اپنے اپنے ہونٹوں
لگائے ہوئے تھے۔ بڑے گھرانوں کے افراد کا اعمال نامہ چاہے سیاہ ہو' چہرے عموماً سرخ و سفید اور جسم
طور پر صحت مند تھے البتہ ذہنی صحت کے بارے میں مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ میں نے چھوٹے بھائی'
صمد یار خاں پر بوجوہ زیادہ توجہ دی۔

خواتین کے کھانے کا انتظام اندر حویلی میں تھا۔ سو عندلیب اندر چلی گئی۔ میں بھی کیونکہ ریاس
عظیم پور کا گویا داماد تھا' دونوں بھائی اسی لئے میرے دائیں بائیں تھے۔

کھانا کھاتے ہوئے میں نے صمد یار خاں سے فوری واپسی کی وجہ پوچھی تو پتا چلا' اس کی بیوی بیما
تھی۔ شادی کو دو سال سے زیادہ ہو چکے تھے مگر ابھی وہ "ابا حضور" نہیں بنا تھا۔ صمد یار میں خصوصی دلچ
لینے کا سبب اس کی فوری واپسی ہی تھی۔ میں نے سوچا' بیٹا علیالیش یہاں سے تو نکل' آگے جو ہو گا دیکھ
جائے گا۔ کوئی جن زاد اگر کسی آدم زاد کے جسم میں چھپ جائے تو اسے تلاش کرنا تقریباً ناممکن ہو جا
ہے۔ وہ اگر کسی "آشناء راز" کے ہتھے ہی چڑھ جائے' یعنی رو بہ رو آ جائے تو دوسری بات ہے۔ آد
زادوں کے درمیان رہ کر کم از کم مجھے تو یہی تجربہ ہوا تھا۔ ہر آدم زاد نہ تو مولوی کفایت اللہ ہوتا ہے
ہر آدم زادی عندلیب کہ پہچان لے' آدمی کے اندر کوئی جن تو براجمان نہیں۔ نہ ہر ایرا غیرا بابا جی
طرح یہ جان لینے کا اہل ہے کہ ایک جن زاد نے انسانی ہیئت اختیار کر رکھی ہے۔ اس حویلی میں صرف
ایک ہی "راز درون خانہ" سے واقف تھی' یعنی عندلیب' وہ حویلی میں تھی۔ میں اسی لئے مطمئن تھا۔

مردوں کو خواتین سے پہلے کھانا کھلایا گیا۔ کھانا کھاتے ہی میں ٹہلنے کے بہانے حویلی کے باغ میں
آیا اور فی الفور انسانی ہیئت ترک کر دی۔ پھر باغ سے باہر آ کر میں نے صمد یار خاں کو ڈھونڈنے میں دیر
نہیں کی۔ وہ اپنے بڑے بھائی سے رخصت ہو کر تیز قدمی کے ساتھ ایک طرف بڑھ رہا تھا۔ حویلی کا صدر
دروازہ ادھر ہی تھا۔ صدر دروازے پر اس کے دو خادم ایک مشکی گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے تھے۔
جب صمد یار خاں مشکی گھوڑے پر سوار ہو گیا تو خادموں نے بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہونے میں دیر
نہیں کی۔ یہی وہ سنہری موقع تھا کہ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور ایک ہی زپائے میں اپنے "شکار" تک پہنچ
گیا۔ صمد یار خاں کو خبر بھی نہ ہو گی کہ اس کا پلا پلایا جوان جسم پرایا ہونے والا ہے۔ میں جیسے ہی صمد یار
کے جسم میں داخل ہوا جھٹکا کھانے کے سبب گھوڑا بہت زور سے ہنہنایا۔ میں اس وقت صمد یار خاں کے
جسم میں سرایت کر رہا تھا اس لئے گھوڑے کی فریاد پر کان نہیں دھرا۔ میں تو جلد از جلد وہاں سے تھری
فور ہو جانے پر تلا ہوا تھا۔ سو میں نے گھٹن کا احساس کم ہوتے ہی گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ خطرے کی حدود
سے میں جتنی جلد نکل جاتا میرے لئے بہتر ہوتا۔ مجھے معلوم تھا کہ عندلیب اس وقت پیٹ پوجا میں لگی ہو
گی۔ اسے گمان بھی نہ ہو گا کہ "پنچھی" اڑ چکا ہے۔ مجھ سے پہلے بھلا کون اپنی حسین ترین بیوی کو یوں
چھوڑ کر بھاگا ہو گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قورمہ بھی روز کھانے کو ملے تو متلی ہونے لگتی ہے۔ یہ فارمولا ہر
جن و بشر پر لاگو نہیں ہوتا' بات صرف اپنے اپنے مزاج اور فطرت کی ہے۔

میں نے کیونکہ پہلے ہی سے صمد یار خان کو تاک لیا تھا اس لئے کھانا کھانے کے دوران ہی میں کچھ
ضروری باتیں معلوم کر لی تھیں۔ میرے ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا تھا۔ "میری جاگیر یہاں
سے بمشکل سات آٹھ میل ہو گی۔ آبادی سے نکل کر بائیں جانب جو سڑک جا رہی ہے' اسی پر چلتے
رہیں۔ سڑک پر سفر کرتے ہوئے بائیں جانب ہی جو پہلی آبادی آپ کو نظر آئے گی' وہی امیر آباد ہے۔
امیر خاں دراصل ہمارے دادا کا نام تھا۔ یہ بستی انہی کی بسائی ہوئی ہے اسی لئے انہی کے نام سے منسوب
ہے۔ بھائی شہریار! آپ جب چاہیں تشریف لائیں' دیدہ و دل فرش راہ پائیں گے۔" آخری الفاظ ادا کرتے
ہوئے وہ مجسم انکسار بن گیا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس کے چہرے پر موجود تاثرات الفاظ کا ساتھ نہیں دے
رہے تھے۔ کھوکھلے الفاظ الگ ہی معلوم ہو جاتے ہیں کہ وہ صرف لفظ ہیں' ان کے معنی کچھ بھی نہیں۔
مجھے اس سے کیا لینا دینا تھا۔ میرا جو مقصد تھا' وہ حل ہو گیا۔

سفر واقعی طویل نہیں تھا اس لئے ہم جلد ہی امیر آباد پہنچ گئے۔ ایسی آبادیوں میں جاگیرداروں کی
بڑی بڑی حویلیاں الگ ہی نظر آ جاتی ہیں۔ چاندنی رات ہونے کے علاوہ بستی میں کہیں کہیں روشنی بھی
نظر آ رہی تھی۔ سو مجھے ایک جانب بڑی سی حویلی نظر آ گئی۔ میں نے اسی طرف گھوڑا موڑ دیا۔

اسی وقت میرا ایک ہم سفر خادم بول اٹھا۔ "سرکار! پہلے تو ادھر چلنا ہے۔ عبدل نے یقیناً اب تک
آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہو گی۔ میں نے عبدل کے ساتھ اپنے دو خاص آدمی بھی کر دیئے تھے کہ
بات ہر صورت میں بن ہی جائے۔ میں نے عبدل سے یہ بھی کہہ دیا تھا سرکار کہ وہ لونڈیا کا منہ باندھنا نہ
بھولے۔"

خادم کی بات سنتے ہی میں نے گھوڑے کی باگیں کھینچ لی تھیں۔ اس کی بات سے میں نے اندازہ کر
لیا تھا کہ یہ کسی آدم زادی کے اغوا کا معاملہ ہے جس پر صمد یار خاں کا دل آ گیا ہو گا۔ جس پر کسی کا دل آ
جائے' ظاہر ہے کہ وہ ایسی ویسی نہیں ہوتی۔ اسی کے ساتھ مجھے صمد یار کی بیوی کا بیمار ہو جانا بھی محض
بہانہ لگا۔ صمد یار خاں نے آج رات اپنی کسی محبوب نظر کو اغوا کرانے اور عیش اڑانے کا قصد پہلے سے کر
رکھا ہو گا۔ اسی اثنا میں بڑے بھائی احمد یار خاں کی طرف سے دعوت کا پیغام مل گیا۔ معاملہ بھتیجی کے
رشتے کا تھا' سو اس نے سوچا ہو گا کہ باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی۔ یعنی اس نے دعوت
میں شریک ہو کر احمد یار خان کو بھی خوش کر دیا اور خود بھی راضی رہا۔ ناراض تو بے چاری وہ ہو گی جسے
زبردستی اٹھوا لیا گیا تھا۔ بہت سرعت کے ساتھ میرے ذہن نے ساری کڑیاں جوڑ لیں۔ اب مسئلہ صرف
"ادھر" چلنے کا تھا اور یہ "ادھر" نہ جانے کدھر تھی۔ اس کا حل صرف ایک ہی تھا۔ سو میں نے اسی پر
عمل کیا اور اس سے آگے آگے چلنے کو کہہ دیا۔

اس پر خادم بدبخت بولا۔ "سرکار! حاکم کی اگاڑی اور گھوڑے کی پچھاڑی سے ڈر ہی لگتا ہے۔"

"ابے ہم جو تجھے حکم دے رہے ہیں کہ آگے چل تو پھر کیوں بکواس کر رہا ہے۔" میں نے
جاگیردارانہ رعب کا اظہار کیا۔

"سرکار ایسا کہہ رہے ہیں تو اس کی کوئی وجہ ہی ہو گی۔" دوسرے خادم نے پہلے کو سمجھایا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"ہاں اور کیا' یہ نامعقول اتنی سی بات نہیں سمجھ سکا۔" میں بولا۔

"قصور ہو گیا سرکار! معاف کر دیں۔ آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ سرکار جو حکم دیں گے اس کی تعمیل میں لمحے بھر کی دیر نہ ہو گی۔"

"چل معاف کیا' اب آگے بھی بڑھے گا کہ یہیں کھڑا باتیں ملکاتا رہے گا۔" میں نے اسے جھاڑ پلائی۔

خادم نے اپنا قصور معاف ہوتے ہی گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ مختلف رستوں سے گزر کر ہمارا سہ رکنی قافلہ آگے پیچھے بستی کے ایک سرے پر پہنچ گیا۔ وہاں چھوٹے سے ایک باغ کے عقب میں صمد یار خان کا "عشرت کدہ" تھا۔ باغ کی آڑ میں ہونے کے سبب وہ دور سے نظر نہیں آیا تھا۔

میری سواری وہاں پہنچی تو کھلبلی سی مچ گئی۔ "سرکار آ گئے' سرکار آ گئے۔" گویا "سرکار" نہ آئے ہوں' زلزلہ آ گیا ہو۔ وہاں آٹھ دس خادمان خاص پہلے سے موجود تھے۔ میں جب گھوڑے سے اترا تو ایک خادم نے باگ سنبھال لی۔ سامنے ہی اس پختہ عمارت کا صدر دروازہ تھا۔ میں خدام کے جلو میں اس طرف بڑھا۔

"سرکار! بس یوں سمجھ لیں کہ جان پر کھیلنا پڑ گیا۔" میرے ساتھ چلنے والوں میں سے ایک خادم نے مجھے مخاطب کیا۔

"کیوں کیا ہوا؟" میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"معلوم نہیں کیسے جاگ ہو گئی۔ بلدیو سنگھ نے تو بندوق نکال کے فیر بھی کر دیا تھا۔ عبدل کی ٹانگ میں گولی لگی۔ وہ تو میں نے پیچھے سے لپک کر بندوق چھین لی ورنہ تو جانے کیا ہوتا۔ لونڈیا کو بہرحال ہم اٹھا لئے۔ فیر ہونے کی وجہ سے گاؤں والے بھی بھالے اور کلہاڑے لے کر ہمارے پیچھے بھاگے مگر ہم ہاتھ نہ آئے۔" خادم نے اپنی کارکردگی بیان کر دی۔ وہ مجھے صورت ہی سے چھٹا ہوا بدمعاش لگ رہا تھا۔ اس کی کارکردگی کے اظہار سے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ اغوا کی جانے والی کا تعلق کسی گاؤں سے تھا۔

اس عمارت کی خواب گاہ تک پہنچتے پہنچتے میرے جذبات "نقطہ ابال" تک پہنچ گئے۔ چشم تصور سے میں نے ایک ایسی الٹرمیار کو دیکھا کہ جس پر نظر پڑتے ہی جسم کے سارے تار ایک ساتھ جھن جھن جھنا جھن بج اٹھیں۔ میں نے دل ہی دل میں صمد یار خاں کو دعائیں دے ڈالیں۔ عندلیب سے آزادی ملتے ہی میری پہلی رات "شب برات" بن گئی تھی۔ ذہن میں حسین تصورات سجائے میں نے خواب گاہ کے اندر قدم رکھتے ہی دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

خواب گاہ میں لیمپ کی روشنی تھی۔ سامنے ہی بڑی سی مسہری پر میں نے کسی کو رسیوں سے بندھا ہوا دیکھا۔ اس کی جسامت بندھنے کے باوجود ظاہر تھی۔ میرے ذہن کو پہلا جھٹکا لگا۔ پھر میں نے قریب جا کر دیکھا تو حقیقت کچھ اور واضح ہو گئی۔ وہ "لونڈیا" مجھے ایک "دیوپیکر حسینہ" دکھائی دی۔ اس کے چوڑے چکلے منہ پر کپڑا بندھا تھا۔ رنگ تو خیر اجلا ہی تھا اور آنکھیں بھی بڑی بڑی تھیں' مگر جسم کا شاید ہی کوئی ایسا حصہ ہو جو بڑا نظر نہ آ رہا ہو۔

میں "چکر گھنی" بن گیا اور سوچا کہ اس "لونڈیا" کو صمد یار خاں نے شب باشی کی بجائے لازماً کشتی لڑنے کے لئے اٹھوایا ہو گا۔ اس کی آنکھیں مجھے گالیاں بکتی ہوئی سی لگیں۔ وہ ہوش میں تھی اور اپنی ناک سے صدائے احتجاج بلند کر رہی تھی۔

جب میں نے اس کے منہ پر کپڑا کھول دیا تو آنکھوں کی جگہ زبان نے لے لی۔ اس کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔

"ابے او پہاڑ زادی' تجھے اس طرح گالیاں بکتے ہوئے شرم نہیں آ رہی۔" میں جل کر بولا۔

"تجھے نہیں آئی شرم مجھے پانچ بچوں کی ماں کو اغوا کراتے ہوئے۔" اس نے ترکی بہ ترکی منہ توڑ جواب دیا۔

"پانچ بچے۔" میں بے ہوش ہوتے ہوتے بال بال بچا۔ "تُو پانچ بچوں کی اماں ہے؟"

"ہاں' کھول دے مجھے اور میرے گاؤں چھڑوا دے ورنہ میرا شوہر بلدیو سنگھ تجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔" وہ مجھے دھمکانے لگی۔ "تُو جب ہمارے گاؤں میں شکار کھیلنے آیا تھا اور مجھے اکیلی دیکھ کر چھیڑنے لگا تھا تو اسی وقت میں سمجھ گئی تھی کہ تُو بڑا حرامی ہے۔"

"اپنی چونچ بند رکھ۔" مجھے غصہ آ گیا۔ "اب اگر تُو نے میری شان میں گستاخی کی تو منہ پر ایسا جھانپڑ رسید کروں گا کہ صورت نہیں پہچانی جائے گی۔"

میرے غصے کا اس پر اتنا اثر بہرحال ہوا کہ "حرامی" وغیرہ کے القابات سے نوازنا چھوڑ دیا اور تھوڑی سی سہم بھی گئی۔

"میں کھول رہا ہوں تجھے' تُو نے سمجھا کیا ہے اپنے آپ کو..... پہچانتی ہے مجھے کون ہوں میں؟"

"نہیں۔" اس نے کہا۔ "اور جاننا بھی نہیں چاہتی۔"

میں جوش جذبات میں آ کر اسے حقیقت سے آگاہ کرنے والا تھا کہ فوراً خیال آ گیا' یہ مناسب نہیں۔ بہرطور اسے میں نے کھول دیا اور کھلنے کے بعد مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ بندھے ہونے کی وجہ سے اس کا جسم سمٹ سمٹا گیا تھا۔ وہ مسہری پر اچھل کر بیٹھی تو یوں لگا جیسے مسہری اس کا بوجھ نہیں سہار سکے گی۔

مسہری کے سرہانے ہی ایک کرسی رکھی تھی۔ جس کے سامنے چھوٹی سی میز پر مجھے ولایتی شراب کی ایک بوتل' دو گلاس' پانی سے بھرا ایک جگ اور پلیٹ میں بھنے ہوئے چنے رکھے دکھائی دیئے۔ میں اس کرسی پر بیٹھ گیا اور میز ذرا آگے سرکا دی۔ "دیوپیکر حسینہ" رسیوں کی گرفت سے آزاد ہو کر لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے ہاتھ پیروں کے ان حصوں کو بھی سہلاتی جا رہی تھی جن پر رسیوں کے نشانات پڑ گئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہو نہ ہو صمد یار خاں کے خادم "لونڈیا" کے دھوکے میں اس "پہاڑ سنگھ" کو اٹھا لائے ہوں۔ اس کی عمر کسی بھی طرح چالیس برس سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ اس کے پانچ بچوں میں شاید لڑکی سب سے بڑی ہو گی۔ صمد یار خاں نے یقیناً اس کی جوان لونڈیا کو اٹھا لانے کا حکم دیا ہو گا اور کمبخت خادم لونڈیا کی اماں کو اٹھا لائے ہوں گے۔ پھر یاد آیا کہ وہ مجھ پر "چھیڑا چھاڑی" کا الزام بھی لگا رہی تھی۔ ہو گا یہ کہ اس کے ساتھ لونڈیا بھی ہو گی۔ صمد یار خاں نے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

چھیڑا لونڈیا کو ہو گا' غلط فہمی اسے ہو گئی تھی۔ عورت چاہے کسی عمر کی اور کیسی ہی بدہیئت کیوں نہ ہو اسے غلط فہمی کا شکار ہوتے دیر نہیں لگتی۔ میرا دل کسی طرح یہ ماننے پر آمادہ نہیں تھا کہ صمد یار خاں اس "بدگوشت" پر لہلوٹ ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی اچھا بھلا مرد ڈر تو سکتا تھا' اس پر مائل ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ لگتا تھا جیسے دو دو انچ چربی کی تہہ الگ سے اس کے جسم پر چڑھائی گئی تھی۔ انہی نتائج کی روشنی میں اس سے مَیں نے بچوں کی تفصیل معلوم کی۔

"کیوں بتاؤں میں تجھے؟" وہ اکڑ گئی۔ اب اس نے لمبے لمبے سانس لینا چھوڑ دیا تھا۔ "پانچ بچوں میں سے کتنی لڑکیاں ہیں کتنے لڑکے' اس سے تجھے کیا؟"

میں نے اس کی گستاخی کو نظرانداز کرتے ہوئے مطلب براری کی خاطر نرمی سے کہا۔ "تجھے اپنے گاؤں جانا ہے نا؟"

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ جھٹ سے بول اٹھی۔ یہاں میں یہ وضاحت کرتا چلوں کہ اس کی گنوار بولی کو دانستہ مہذب الفاظ میں بیان کیا ہے ورنہ کچھ پلے نہ پڑتا کہ اس سے میرے کیا مکالمات ہوئے اور پھر کیا نتیجہ برآمد ہوا۔

اس کا جواب سن کر میں نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"پانچوں لڑکے ہیں۔" آخر اس نے بتا ہی دیا۔

میرا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لوں یا پھر اسے پیٹنا شروع کر دوں جس نے مجھے بدمزہ کر دیا تھا۔

"اب تو میں نے تیرے سوال کا جواب دے دیا' مجھے میرے گاؤں بھجوا دے۔" اس نے مجھے چپ دیکھ کر کہا۔ "تجھے تیرے اللہ میاں کی قسم۔"

مجھے اگر وہ قسم نہ بھی دیتی تو میں اسے اٹھوا کر پھنکوا ہی دیتا۔ یا تو یہ کوئی اور ہی قصہ تھا یا پھر صمد یار خاں کوئی بدذوق اور سنکی آدمی تھا۔ میں یہی سوچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

خواب گاہ کا دروازہ کھول کر میں نے باہر دیکھا۔ راہداری میں کچھ ہی فاصلے پر ایک شمع دان روشن تھا۔ وہیں مجھے وہ دو خادم نظر آئے جنہوں نے اپنی دانست میں اس "لونڈیا" کو اغوا کرنے کا "کارنامہ" انجام دیا تھا۔ انہی کا ایک ساتھی عبدل گولی لگنے سے زخمی بھی ہو گیا تھا۔ دروازے سے نکل کر انہیں قریب آنے کا اشارہ کیا تو ان کے چہروں پر حیرت نظر آئی۔ انہیں شاید یہ توقع نہیں ہو گی کہ میں اتنی جلدی باہر آ جاؤں گا۔

"جی سرکار! حکم۔" ایک خادم قریب آتے ہی میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

"اس بھینس کو جہاں سے لائے ہو' وہیں چھوڑ آؤ۔" میں نے ناگواری سے کہا۔

"کیا فرمایا سرکار! بھینس۔" خادم نے اظہار حیرت کیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا ہو۔

"میں بھینس نہیں ہوں' پانچ بچوں کی وہ ماں بھینس ہے۔ نامعقول! مجھے سرکار کہنے کے ساتھ ساتھ بھینس بھی کہہ رہا ہے۔"

پھر میں وہاں رکا نہیں۔ خادم مستعد و چوکنا ہو گئے۔ میری خدمت میں سواری کے لئے فوراً اصطبل سے مشکی گھوڑا کھول کر لایا گیا۔ جو خادم یہاں تک میرے ساتھ آئے تھے' وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ انہیں بھی میں نے حیران حیران سا دیکھا تھا۔

صمد یار خاں کی آبائی حویلی بھی اپنے بڑے بھائی احمد یار خاں کی طرح خاصی بڑی تھی۔ وہاں بھی میری آمد سے ہلچل سی مچ گئی۔ جو سو رہے تھے' ہڑبڑا کر اٹھ گئے' اونگھنے والے سٹپٹا کر "ہوشیار خبردار" کا نمونہ دکھائی دینے لگے۔ پتا چلا کہ وہاں کوئی بھی آج رات میری آمد کا متوقع نہیں تھا۔

حویلی کے اندر داخل ہو کر میں نے جو خاص بات محسوس کی کہ وہ یہ تھی کہ جتنی بھی خادمائیں تھیں' خاصی صحت مند تھیں۔ ان میں کسی کی عمر بھی تیس سال سے کم نہ ہو گی۔ ان بدبختوں میں سے کسی ایک کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کو جی نہ چاہا۔ وہ چلتیں تو لگتا کہ اِدھر سے اُدھر بڑی بڑی گیندیں لڑھک رہی ہوں۔ میرے لئے اب یہ سمجھنا مشکل نہیں رہا کہ صمد یار خاں صنف مخالف کے معاملے میں ایک الگ ہی ذوق کا مالک تھا ورنہ حویلی میں وہ "گیندیں" لڑھکتی نظر نہ آتیں۔ ان کا انتخاب یقیناً اسی کور ذوق نے کیا ہو گا۔

مجھے کیونکہ حویلی کے اندرونی حصے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا اس لئے اندر قدم رکھتے ہی ایسا بن گیا تھا جیسے خاصی چڑھا لی ہو۔ یہ خیال مجھے صمد یار خاں کے "عشرت کدے" میں ولایتی شراب کی موجودگی کے سبب آیا تھا۔ میں نے اسی لئے نشے کی آڑ میں ایک موٹی خادمہ سے کہا۔ "ہمیں ہماری خواب گاہ میں لے چلو۔"

دو خادماؤں نے مجھے سنبھال لیا۔ مجھے ان کے پلپلے وجود وقتی طور پر برداشت کرنا پڑے۔ میں اس وقت دل ہی دل میں یہ دعا کر رہا تھا کہ کہیں اس جاگیردار کی جاگیردارنی بھی کوئی ہتھنی نہ ہو۔ مجھے یہ توقع تھی کہ صمد یار خاں کی خواب گاہ میں اس کی "پیار بیوی" کے دیدار بھی ہو جائیں گے۔ اب تو میں وہاں آ ہی پھنسا تھا جو ہوتا بھگتنا پڑتا۔ اس وقت صمد یار خاں کے جسم سے نکلنا میرے لئے خطرناک ثابت ہوتا۔ مجھے علم تھا کہ اب تک پُراسرار قوتوں کی مالک میری زوجہ عندلیب نے دور دور تک میری تلاش میں جال پھیلا دیئے ہوں گے۔ ادھر میں اپنی "پناہ گاہ" یعنی صمد یار خاں کے جسم سے باہر نکلتا ادھر اسے خبر ہو جاتی اور وہ مجھے "پکڑ" لیتی۔ چند روز تک تو مجھے صمد یار خاں کے جسم کو بہرطور برداشت کرنا ہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ہم جیسے جن زادوں کو جسم کے ساتھ "اہل جسم" کی حماقتیں بھی بھگتنا پڑتی ہیں۔ میں نے تو اپنی عقل کے مطابق صمد یار خاں کے جسم کا انتخاب کر کے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا تھا' مگر یہ خبر نہ تھی کہ ذہانت' حماقت ثابت ہو گی۔ میرے خیال میں کسی کلن بدھن کی نسبت ایک جاگیردار بن جانا بہت بہتر تھا۔ راوی عیش ہی عیش لکھتا' لیکن راوی شاید دریائے راوی میں ڈوب مرا تھا تو پھر لکھتا کیا خاک۔

کشاں کشاں ان خادماؤں نے مجھے ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا جو سامان آرائش و زیبائش میں بے مثل تھا۔ چونکا میں اس وقت جب کمرے میں صرف ایک مسہری دکھائی دی۔ میں نے سوچا' کیا خبر لاٹری نکل ہی آئے اور بیگم صمد یار خوبصورت ہو۔ اسی خیال سے میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "بیگم

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

صاحبہ کہاں ہیں؟"

"وہ تو اس وقت محو خواب ہوں گی حضور!" ایک خادمہ نے بتایا۔

"لل ..... لیکن وہ تو ہمیں محو خواب نظر نہیں آ رہی مسہری تو خالی ہے۔"

"آپ شاید اس وقت یہ بھول رہے ہیں حضور کہ بیگم صاحبہ تو حویلی کے دوسرے حصے میں الگ رہتی ہیں۔" خادمہ نے ایک ایسا انکشاف کیا جو ناقابل یقین سا تھا۔

"مگر کیوں؟ ہمیں بتایا جائے کہ وہ ہم سے الگ کیوں رہتی ہیں؟" اس وقت تک مجھے مسہری تک پہنچایا جا چکا تھا۔ میں بیٹھ گیا تو ایک خادمہ میرے جوتے اتارنے لگی۔

"ان ..... ان پر کوئی جن عاشق ہے حضور.....! آپ تو نشے میں سب ..... سب کچھ بھول گئے ہیں۔ وہ ..... وہ جن آپ کو بیگم صاحبہ کے قریب نہیں جانے دیتا۔"

میرے دونوں کان ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔ یہ اطلاع ہی ایسی خوفناک تھی۔ وہاں مجھ سے پہلے میرا ایک ہم قوم موجود تھا۔ پھر میں تو سوچ میں گم ہو گیا کہ یاالٰہی' یہ کہاں آ پھنسا؟ اور وہ دونوں میری ناز برداریوں میں لگ گئیں۔ ایک بڑی سی گہری پرات میں میرے پیر دھلوائے گئے' اس کے بعد ہاتھ اور منہ بھی۔ خود انہوں نے ہی تولیے سے میرے ہاتھ پیر اور منہ پونچھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں کوئی چھوٹا سا بچہ ہوں اور وہ میری آیائیں ہیں۔ خواب گاہ ہی میں موجود ایک آبنوسی الماری سے شب خوابی کا لباس نکالا گیا تو میں بولا۔ "لباس ہم خود ہی تبدیل کریں گے' تم دونوں باہر ٹہل لو۔"

انہوں نے حیرت سے ایک دوسری کو دیکھا اور خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کے لئے میرا تازہ حکم غیر متوقع ہی رہا ہو گا۔

"دروازہ بھیڑ جانا۔" میں نے ہانک لگائی۔

دروازے سے نکلتے ہوئے انہوں نے میرے اس حکم کی تعمیل بھی کر دی۔ میں نے جلدی سے لباس تبدیل کر لیا۔ جو کپڑے اتارے تھے ایک طرف کرسی پر ڈال دیئے۔ ذرا ہی دیر کے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ایک خادمہ کی آواز آئی۔ "حضور نے لباس زیب تن کر لیا ہو تو ہم اندر آ جائیں؟"

"کس لئے؟" میں زور سے بولا۔ "مجھے کیا تمہارا اچار ڈالنا ہے؟"

"آج حضور کو کیا ہو گیا ہے؟ اگر ہم نے حضور کے پیر نہ دبائے تو نیند کیسے آئے گی؟"

تو صمد یار خاں بذات پیر دبوا کر سونے کا عادی تھا' وہ بھی عورتوں سے' میں نے سوچا۔ خواہ وہ عورتیں' عورتوں کے نام پر موٹا سا دھبا ہی تھیں مگر تھیں تو عورتیں ہی۔ میں اس وقت حویلی میں ایک جن زاد کی موجودگی کے متعلق سوچنا چاہتا تھا کہ کروں تو کیا کروں اور وہ خادمائیں مجھے کچھ سوچنے کی مہلت نہیں دے رہی تھیں۔

"دفع ہو جاؤ۔" میں چیخ اٹھا۔ "آج ہم پیر دبوائے بغیر ہی سو جائیں گے۔"

"جو حضور کا حکم۔" باہر سے کہا گیا اور پھر بھاری قدموں کی دور ہوتی آواز سنائی دی۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔" میں بڑبڑایا۔ "یہ کم بخت ٹلیں تو سہی۔" پھر میں آرام دہ بستر پر نیم دراز ہو گیا۔ ایک تکیہ میں نے مسہری کے سرہانے ٹکا لیا تھا۔

خواب گاہ میں اب میرے سوا کوئی اور نہیں تھا اس لئے سوچ کے گھوڑے باآسانی دوڑائے جا سکتے تھے۔ اس خطرے سے قطع نظر کہ حویلی میں کوئی اور جن زاد بھی تھا یا وہاں آتا جاتا ہو گا' میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ کوئی بھی جن زاد کسی ایسی ویسی اوسط درجے کی قبول صورت آدم زادی پر عاشق نہیں ہوتا۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ بیگم صمد یار یقیناً قابل دید بلکہ نہ جانے کس کس قابل ہو گی۔ میرا ہی کوئی دوسرا ہم قوم اگر یہاں نہ آ مرا ہوتا تو عیش ہی عیش تھے۔

اس معاملے پر خاصی دیر غور و خوض کے بعد میں نے سوچا' اب سو جانا چاہئے' صبح اس ماہ وش کا دیدار کروں گا۔ ایک خطرہ بہرحال تھا کہ کہیں میرے اس ہم قوم نے حویلی میں بیگم صمد یار کے پاس مستقبل ڈیرہ نہ ڈال رکھا ہو۔ ایسی صورت میں وہ مجھے اور میں اسے دیکھ لیتا۔ ایک جن زاد کسی دوسرے جن زاد کو آدم زاد کے جسم میں بھی دیکھ سکتا ہے۔ مجھے یہ خوف بھی تھا کہ اگر وہ مجھ سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو گیا تو میں کیا کروں گا؟ قوی اور مجھ سے زیادہ طاقتور ہونے پر وہ غالب آ جاتا اور مجھے مغلوب ہونا پڑتا۔ اس کے بعد ایک نیام میں دو تلواروں کا رہنا ممکن نہ ہوتا۔ یا تو پھر وہی حویلی میں رہتا یا پھر میں۔ صنف مخالف خصوصاً آدم زادیوں کے معاملے میں جنات ذرا کم ہی مصالحت کرتے ہیں۔ یاسف جیسے سبھی تو نہیں ہوتے کہ مل بانٹ کر کھانے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس سے تو خیر میری دوستی بھی تھی' یہ جس جن زاد سے میرا پالا پڑا متوقع تھا' میرے لئے اجنبی ہی ہوتا۔ پھر یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ جنات کی کون سی قسم میں سے تھا۔ اگر وہ کوئی عفریت تھا تو مار مار کے میرا بھرکس نکال دیتا۔ ایک آدم زادی خدیجہ کے معاملے میں جس طرح ایک دیو زاد ہامہ نے میری کٹائی لگائی تھی' میں بھولا نہیں تھا۔ وہ تو عین موقع پر مجھے عالم ہاموس کا تعلیم کیا ہوا عمل یاد آ گیا ورنہ تو ہامہ اس رات مجھے مار ہی ڈالتا۔ پانی میں رہنے والے اس جن ہامہ کا تصور کر کے مجھے ایسا ڈر لگا کہ بڑی مشکل سے نیند آئی۔

صبح ہی صبح خود ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے شب خوابی ہی کے لباس میں پہلے حویلی کا ایک چکر لگانا ضروری سمجھا کہ قدم قدم پر کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہ رہے۔ خادمائیں اور خدام میں سے اس وقت تک کم ہی جاگے تھے۔ میں نے ان کے چہروں پر حیرت کے آثار دیکھے۔ پھر ایک موٹی خادمہ شاید ہمت کر کے میرے قریب آ ہی گئی۔

"حضور! غالباً ابھی نیند میں ہیں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"یہ تو بہت راز کی بات تھی اے مسمات! تمہیں کیسے معلوم ہو گئی؟" میں نے اس موٹی کا چھکا اڑایا۔

"اس طرح حضور! بندی نے یہ جانا کہ آپ شب خوابی کے لباس ہی میں اپنی خواب گاہ سے نکل آئے ہیں۔" خادمہ نے گویا "راز" سے پردہ اٹھا دیا۔

"ابے تو یہ کوئی جرم ہے؟ میری مرضی میں چاہے لنگوٹی باندھ کر گھوموں' تم کون مجھے ٹوکنے

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

والی۔" میں چڑ گیا۔

"بجا ارشاد فرمایا مگر ایسا کرنا حضور کے شایان شان نہیں۔" خادمہ نے میری ڈانٹ کو پس پشت' یعنی اپنی کمر کے پیچھے ڈال دیا۔ اس کی کمر خاصی موٹی تھی جسے کمر کی جگہ کمرہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ میں اسی لئے اس سے جان چھڑانے کے لئے آگے بڑھ لیا اور دوبارہ اسے ڈانٹنا عبث جانا۔ اس کا کیا تھا' وہ پھر میری ڈانٹ کو پس پشت ڈال دیتی۔

کہاں کیا ہے' یہ دیکھتے بھالتے ہوئے میں ایک طرف بڑھ رہا تھا کہ اس مرتبہ جانے کدھر سے نکل کر ایک خادم سامنے آ گیا۔

"تجھے کیا تکلیف ہے؟" میں نے اسے گھور کر دیکھا اور وہیں رک گیا۔

"یہ حضور کدھر چلے جا رہے ہیں؟" خادم گھبرا کر بولا۔

"کیوں بتاؤں تجھے' تو کیا میرا ایڈی کانٹ لگا ہوا ہے؟"

"حضور! اس راہداری کے بعد ہی تو وہ دروازہ ہے جسے عبور کرتے ہی آپ حویلی کے دوسرے حصے میں پہنچ جائیں گے جہاں بیگم صاحبہ رہتی ہیں۔" خادم کے لہجے میں ایسی بے بسی تھی کہ جیسے مجبوراً مجھے یہ سب کچھ بتا رہا ہو۔ "آپ کے حافظے کو کیا ہو گیا ہے حضور! بیگم صاحبہ کی اجازت کے بغیر اگر آپ اس حصے میں چلے گئے تو وہ پتھراؤ کر دیں گی۔ ایک بار بھولے سے آپ نے پہلے بھی ایسا ہی کیا تھا تو زخمی ہو گئے تھے۔"

"کیا پاگل ہیں بیگم صاحبہ؟" غیر ارادی طور پر میرے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔

"خدا نخواستہ حضور! بیگم صاحبہ پاگل کیوں ہوتیں۔ بس جب جن کا اثر ہو جاتا ہے تو وہ آپے میں نہیں رہتیں اور عموماً ایسا اسی وقت ہوتا ہے جب حضور ان کے پاس تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ تو خود ہی سب کچھ جانتے ہیں' مجھ غریب کو کیوں کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہیں۔ میں نے تو محض اس لئے یاددہانی ضروری سمجھی کہ کہیں بھولے میں حضور ادھر....."

"بس کر' زیادہ قابلیت جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنا برا بھلا تجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں' رستہ چھوڑ ہمارا۔"

خادم سہم کر ایک طرف ہو گیا اور میں سیدھا بڑھتا چلا گیا۔

خود بخود ہی اپنی حماقت مآبیوں کے سبب مجھے سب کچھ معلوم ہوتا جا رہا تھا۔ صمد یار خاں کی آمد پر اس کی بیوی کا کسی جن کے زیر اثر آ جانا میرے لئے معنی خیز تھا۔ میں نے سوچا جو ہونا ہے' اس سے ڈرنا کیا۔ اسی وقت کیوں نہ اس معاملے سے نمٹ لیا جائے۔

اس راہداری سے گزر کر میں ایک محرابی دروازے تک پہنچا۔ دروازہ بند نہیں تھا۔ صبح کے جھٹپٹے میں دروازے کی دوسری جانب میں نے دو خادموں کو خلاف توقع مستعد و چوکنا کھڑے ہوئے دیکھا۔ ان دونوں نے مجھے جھک کر تعظیم دی۔ وہ مجھے دیکھ کر چونکے تھے۔ اس کی وجہ شاید صبح ہی صبح صمد یار خاں کی آمد ہو گی۔ وہ اتنی صبح کبھی ادھر نہیں آتا ہو گا۔ میں نے اسی لئے ان کے چونک اٹھنے پر کوئی خاص توجہ

نہیں دی۔ پھر ان میں سے ایک خادم مجھے تعظیم دیتے ہی تیزی کے ساتھ ایک طرف لپکا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔

"ٹھہرو۔" میں نے اس خادم کو آواز دی۔ "یہ تم مجھے دیکھتے ہی کدھر دوڑے جا رہے ہو؟"

خادم رک گیا اور میں قدم آگے بڑھا کر اس تک پہنچا تو کہنے لگا۔ "آپ کی آمد کی خبر بیگم صاحبہ کو دینے جا رہا ہوں حضور!"

"لیکن میں نے تو تمہیں یہ حکم نہیں دیا۔" میں بولا۔

"یہ بیگم صاحبہ کا حکم ہے حضور کہ آپ جب اور جس وقت بھی تشریف لائیں' انہیں فوراً مطلع کیا جائے۔" خادم نے جواب دیا۔

"چلو میرے ساتھ۔" میں نے خادم سے کہا۔ "میرے سامنے ہی تم انہیں اندر جا کے مطلع کرنا کہ میں باہر کھڑا ہوں۔" یہ داؤ میں نے اس لئے چلایا تھا کہ حویلی کا وہ حصہ بھی خاصا بڑا لگ رہا تھا۔ میں کہاں بیگم صمد یار کی خواب گاہ تلاش کرنے کے لئے ٹکریں مارتا پھرتا۔

میرا حکم سن کر خادم نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے میں "کھسک" گیا ہوں۔ پھر بھی اسے میرے ساتھ چلنا ہی پڑا۔

بڑے سے ایک صحن سے گزر کر وہ مجھے لئے ایک برآمدے میں آیا' پھر بائیں جانب مڑنے لگا تو میں نے پوچھا۔ "اس وقت تو بیگم صاحبہ محو خواب ہوں گی' کیا تم انہیں جگا کر اطلاع دو گے؟"

"حضور! حکم تو حکم ہوتا ہے اور ہمارا فرض تعمیل کرنا ہے۔" خادم نے گویا اپنی صفائی پیش کی۔ پھر وہ چند قدم چل کر ایک بند دروازے کے سامنے رک گیا اور دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے فوراً پوچھا گیا۔ آواز نسوانی ہی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ صمد یار خاں کی بیوی جاگ چکی تھی۔

جواب میں خادم نے اپنا نام بتایا' پھر بلند آواز میں بولا۔ "حضور والا تشریف لائے ہیں اور دروازہ کھلنے کے منتظر کھڑے ہیں۔"

"کیا؟" گھبرائی ہوئی سی نسوانی آواز سنائی دی۔ "وہ ..... کیا وہ دروازے کے باہر ہی موجود ہیں؟ تم نے پہلے ..... پہلے سے آ کر اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"حضور نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا تھا' بیگم صاحبہ!"

"کہہ دو کہ اس وقت ہم خلوت میں ہیں اور ان سے نہیں مل سکتے۔" لہجے اور الفاظ کی ادائیگی سے وہ ذہنی طور پر درست ہی معلوم ہوتی تھی۔

"جی بہتر ہے بیگم صاحبہ! حضور خود آپ کی آواز سن رہے ہیں' پھر بھی خادم....."

"تم جاؤ۔" میں نے خادم کی بات پوری نہ ہونے دی۔ مجھے علم ہو چکا تھا کہ جس کی تلاش تھی' وہ کہاں ہے۔

خادم الٹے قدموں واپس چلا گیا تو میں نے دروازے پر پھر دستک دی۔ وہاں اگر میرا کوئی ہم قوم' یعنی جن زاد ہوتا تو اب تک ظاہر ہو جاتا۔ مجھے ایسے آثار دکھائی نہ دیئے۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"تم گئے نہیں اب تک۔" صمد یار کی بیوی کے لہجے میں سختی تھی۔ غالباً وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ دروازے پر دوبارہ دستک دینے والا اسی کا خادم ہے۔

"دروازہ کھولو۔" پہلی مرتبہ میں نے قدرے دبنگ آواز میں کہا۔ ظاہر ہے کہ آواز صمد یار خاں ہی کی تھی۔ یہ جاننے کے بعد کہ وہاں کوئی جن زاد نہیں' میں بے خوف ہو گیا تھا۔

"ہم ہرگز دروازہ نہیں کھولیں گے' آپ چلے جائیں۔ اس وقت ہمارے پاس کوئی اور موجود ہے' جسے آپ کی آمد گوارہ نہیں۔"

"تمہارے پاس جو بھی موجود ہے' اس کی ایسی تیسی۔ ہم اس کی ٹانگیں توڑ دیں گے۔" میں نڈر ہو کر تیز آواز میں بولا۔

"یہ آپ آج کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ کہیں آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا۔" اسی کے بعد اندر سے کچھ سرگوشیاں سی سنائی دیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ صمد یار کی بیوی کس سے سرگوشیاں کر رہی ہے اور کیا کہہ رہی ہے۔

میں نے دروازے سے کان لگا دیئے بلکہ کان لگا دیا کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ بیک وقت دروازے سے دونوں کان لگانا کسی طور ممکن نہیں تھا۔ توجہ دینے پر یہ منکشف ہوا کہ ان سرگوشیوں میں سے ایک عدد سرگوشی مردانہ تھی۔ چند لمحے میں نے خاموشی ہی بہتر جانی۔ میرا ذہن تیزی سے ایک نتیجہ اخذ کر رہا تھا۔ معاً یوں لگا جیسے کوئی دروازہ یا دریچہ کھولا گیا ہو۔ پھر دھم سے کسی کے کودنے کی آواز آئی۔ یہ آواز دائیں جانب سے آئی تھی۔ اس طرف برآمدے کا موڑ تھا اس لئے مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ دوسرے ہی لمحے میرے پیروں میں جیسے پر لگ گئے۔ میں آواز کی طرف دوڑا۔ موڑ سے گزرتے ہی مجھے کسی کی پشت دکھائی دی۔ وہ جو کوئی بھی تھا' سامنے موجود باغ کے اندر دوڑتا ہوا گھس رہا تھا۔ میں بھلا اسے کس طرح چھپت ہو جانے دیتا۔ اس کے پیچھے جھپٹا۔ صمد یار خاں کا بھاری بھرکم جسم مزید تیز دوڑنے میں مانع تھا۔ پھر بھی میں نے حوصلہ نہ چھوڑا۔

حویلی ہی کی حدود میں واقع وہ چھوٹا سا باغ چاردیواری تک چلا گیا تھا۔ باغ میں داخل ہوتے ہی وہ شخص میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں جب تک وہاں پہنچا "پنچھی" جانے کدھر اڑ چکا تھا۔ پھر میں نے سارا باغ چھان مارا مگر وہ بدذات نہیں ملا۔ مجبوراً مجھے ناکام و نامراد باغ سے باہر آنا پڑا۔ اب مجھ پر "جن" کا عقدہ کھل گیا تھا کہ اسے خود اپنی آنکھوں سے رفو چکر ہوتے دیکھ لیا تھا۔ ہرچند کہ صمد یار خاں بھی اپنی بیوی کا وفادار نہیں تھا لیکن "بیگم صاحبہ" کے لچھن دیکھ کر مجھے بڑا غصہ آیا۔ کمبخت دن دیہاڑے مجھے اُلو بنانے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ میں ہرگز اُلو نہیں تھا۔ مزید کھولن مجھے اس پر ہوئی کہ صمد یار خاں کی بیوی اپنے کرتوت چھپانے کے لئے میری قوم' یعنی قوم جنات کو بدنام کر رہی تھی۔

میں یہی سب کچھ سوچتا اور اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا جب برآمدے میں پہنچا تو مڑتے ہی میری "خاطر مدارات" شروع ہو گئی۔ صمد یار کی بیوی صحن میں کھڑی مجھ پر پتھراؤ کر رہی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ بھی رہی تھی۔ دو چار پتھر تو اِدھر اُدھر سے گزر گئے' ایک پتھر البتہ میری پنڈلی پر اتنی زور

سے لگا کہ میں بلبلا گیا۔

دھان پان سی اس عورت نے شاید ایسے ہی موقع کے لئے صحن میں پتھر جمع کر رکھے تھے۔ اپنے مرد' یعنی صمد یار خاں پر پتھراؤ کرنے میں وہ عورت خاصی ماہر لگتی تھی۔

میں اگر صمد یار خاں ہوتا تو شاید یہ سوچ کر کہ بیگم پر جن سوار ہے' وہاں سے بھاگ لیتا لیکن خود جن زاد ہو کر مورچہ کیسے چھوڑ دیتا۔

خادموں اور خادماؤں کی فوج ظفر موج دور کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی۔ صمد یار کی پتلی دبلی بیوی سر کے بال کھولے اس وقت چیختے چلاتے اور پتھراؤ کرتے ہوئے واقعی ایسی لگ رہی تھی کہ اس پر کوئی جن سوار ہو۔ پتھراؤ سے بچتے ہوئے میں نے پہلے تو چیخ کر "تماش بینوں" یعنی خادموں اور خادماؤں کو وہاں سے دفع ہو جانے کا حکم دیا' پھر بچتا بچاتا اس "پتلی کمریا" والی کی طرف بڑھا جو شاید پہلے بھی ایسے سوانگ رچاتی رہی ہو گی۔ اس کوشش میں ایک آدھ پتھر اور لگا' مگر میں نے پرواہ نہیں کی۔

اس نے جب دیکھا کہ آج میں کسی طرح رعب میں نہیں آ رہا تو وہ اپنی خواب گاہ کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف بھاگی۔ غالباً اب اس کا ارادہ یہ تھا کہ اندر جا کے دروازہ بند کر لے۔ یہ بھانپتے ہی میں دروازے کی طرف لپکا۔ ادھر سے وہ ہانپتی کانپتی دوڑی چلی آ رہی تھی۔ میں نے جھپٹ کر اسے گود میں اٹھا لیا۔ وہ کسی سہمی ہوئی فاختہ کی طرح مجھے اپنی غزالی آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ شاید اب اس میں مزید مزاحمت کا دم نہیں رہا تھا۔ میں اسے اٹھائے ہوئے خواب گاہ میں لے آیا۔ شب خوابی کا لباس اس کے جسم پر بھی تھا۔

خواب گاہ میں قدم رکھتے ہی میں نے اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ سامان آرائش سے مزین وہ خواب گاہ خاصی بڑی تھی۔ ایک جانب بڑی سی مسہری پڑی تھی۔ جس پر بچھا ہوا بستر ایک اَن دیکھی' اَن سنی کہانی بیان کر رہا تھا۔ میں نے اسے مسہری پر ڈال دیا اور پھر تیزی سے خواب گاہ کا جائزہ لینے لگا۔ دائیں جانب خاصے فاصلے پر مجھے ایک کھڑکی کھلی نظر آ ہی گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے بھی اندر سے لگا دیا۔ پھر جب میں پلٹ کر مسہری کی طرف آیا تو صمد یار خاں کی بیوی کو سسکیاں لے کر روتے دیکھا۔

میں نے مسہری پر بیٹھ کر پہلی بار اس کے سراپا کو غور سے دیکھا۔ وہ اگر بے انتہا حسین نہیں تو خوبصورت بہرحال تھی۔ ستواں ناک' نازک لب' کمان سے ابرو' سر کے بال بڑے' چوڑی پیشانی' سفید رنگ' کتابی چہرہ' قد موزوں' البتہ جسم پر گوشت برائے نام ہی تھا۔

"اب رونے سے کیا فائدہ اے میری پیاری بیگم!" میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "تمہارا جن تو دم دبا کر بھاگ لیا۔"

سسکیاں بھرتے ہوئے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھرے۔ پھر وہ ایک دم اچھل کر بیٹھ گئی اور میرا گریبان پکڑ کر چیخ اٹھی۔ "تو کیا کروں میں' بولو..... میں تو چھپکلی ہوں' مرگھلی ہوں..... تمہارے قابل نہیں ہوں میں..... تم مجھ سے نفرت کرتے ہو تو..... تو پھر کیوں آتے ہو مجھے ستانے اور طعنے دینے کے لئے۔ مجھے..... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو..... طلاق دے دو

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

مجھے....."

"تاکہ تم اس جن سے شادی کر لو جو ابھی کچھ دیر پہلے تمہاری خواب گاہ میں تھا۔"

"ہاں ..... ہاں....." وہ پھر چیخی۔ "اب ..... اب یہ راز کھل ہی گیا ہے تو سن لو کہ میں ..... میں اسے چاہتی ہوں اور ..... اور تم سے مجھے نفرت ہے۔"

"مگر نفرت کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ تم میری امانت میں خیانت کرنے لگو۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور تم کیا کرتے ہو ..... بولو' کیا کرتے رہے ہو اب تک؟ کیا تم نے خیانت نہیں کی؟ تمہیں کیا یہ غلط فہمی ہے کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ کیا مجھے یہ خبر نہیں کہ تم نے موٹی موٹی اور تگڑی خادمائیں کیوں پال رکھی ہیں۔ سنو صمد یار خاں! جس طرح ایک عورت اپنے مرد کی امانت ہوتی ہے' اسی طرح مرد پر بھی عورت کا حق ہے۔ اسے کس نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ خود تو خیانت کا مرتکب ہو اور اپنی عورت سے امانت داری کا مطالبہ کرے؟" وہ بڑی روانی اور سچائی کے ساتھ بول رہی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں یہ اعتراف کیا کہ خواہ وہ گناہ گار سہی مگر غلط نہیں کہہ رہی۔ یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا گناہ صرف محبت کرنا تھا' بدکاری نہیں۔

"تو پھر ہم دونوں ہی خطاکار ہوئے نا۔" اس مرتبہ میری آواز میں نرمی تھی۔ "کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں؟"

اس نے میری طرف نگاہ اٹھائی تو چہرے سے بے یقینی صاف جھلک رہی تھی۔ "یہ تم کہہ رہے ہو' تم صمد یار خاں!" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں میں' مجھے اعتراف ہے کہ میں نے تم پر ظلم کیا' تمہارے ساتھ ناانصافی کی اور تمہیں تمہارا حق نہیں دیا۔"

وہ موم کی طرح پگھل گئی اور ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے اس خود سے قریب تر کر لیا اور اپنے دونوں پیر بھی اٹھا کر مسہری پر نیم دراز ہو گیا۔

"یقین کرو کہ اگر تم مجھ سے نفرت اور کسی دوسرے سے محبت کرتی ہو تو میں تمہاری راہ میں دیوار نہیں بنوں گا۔ مجھے بتاؤ' وہ کون ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں سے آنسو پونچھ دیئے۔

"تم ..... تم اسے جانتے ..... ہو۔" اس نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ ارسلان بیگ ہے کہ ..... کہ جس سے میری منگنی ہو چکی تھی اور ..... اور جب میرے لئے تمہارا رشتہ آیا تو ..... تو یہ منگنی توڑ دی گئی۔ ارسلان نے محض میری خاطر اب تک شادی نہیں کی' لیکن ..... لیکن اب مجھے ..... مجھے بھی اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے۔ شاید ..... شاید جذبہ انتقام نے مجھے اندھا کر دیا تھا کہ ..... کہ میرے پیروں میں لغزش آ گئی۔ میں نے یہ ..... یہ سوچا تھا کہ شاید تم ..... تم مجھے طلاق دے دو گے' مم ..... مگر....." اس کا گلا رندھ گیا اور پھر وہ میرے پیروں پر سر رکھ کر مجھ سے معافی مانگنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو میرے پیروں پر گر رہے تھے۔

میں نے اسے پیروں سے اٹھا کر دوبارہ اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ میری نظر میں وہ ایک مظلوم عورت تھی جسے نہ اس کی محبت مل سکی تھی' نہ اسے شوہر ہی نے منہ لگایا تھا۔ میں اگر درمیان میں نہ آ جاتا تو شاید وہ اسی طرح گناہ کے راستے پر چلتی ہوئی اور اپنے ضمیر کی لعنت کا شکار ہو کر ایک دن مر جاتی۔ میں سوچنے لگا' علیالیش! تم بھلا کب تک اس جسم میں ٹھہرو گے؟ ایک روز تو تمہیں یہ جسم چھوڑنا ہی پڑے گا۔ پھر وہی صمد یار خاں ہو گا' وہی اس کی بدذوقی اور بے راہ روی۔ پھر اس عورت کو دھوکا دینے سے کیا حاصل۔ کچھ دن کو اگر اسے اپنے شوہر کی محبت مل بھی گئی تو دوبارہ یہ تنہا رہ جائے گی۔ صمد یار خاں اسے تڑپا تڑپا کر مار دے گا۔ تمہارا کیا ہے علیالیش! تمہارے لئے آدم زادیوں کی کوئی کمی نہیں۔ یہ نہ سہی' کوئی اور سہی۔ اس عورت کے اعتماد کو دھوکا نہ دو۔ اگر اسے اس کا محبوب مل جائے تو شاید تمہیں بھی تمہاری نرگس مل جائے۔ پیارے! یہ کار خیر کر ہی ڈالو۔

"سنو!" ایک نتیجے تک پہنچنے کے بعد میں نے اسے مخاطب کیا۔ اب اس نے سسکنا چھوڑ دیا تھا۔

"ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرا۔

"میرا خیال ہے کہ تم جذبات کی رو میں بہہ گئی ہو۔" میں نرمی سے بولا۔

"میں تمہاری بات بات سمجھی نہیں۔"

"تم ایمانداری کے ساتھ یہ بتاؤ کہ واقعی تمہیں ارسلان بیگ سے محبت تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"فیروزہ اب تم سے جھوٹ نہیں بولے گی کہ ..... کہ تم نے بھی اس سے سچ بولا ہے۔ ہاں میں ..... میں نے اس سے محبت کی تھی اور ..... اور وہ بھی مجھے چاہتا تھا۔"

اس بار مجھے نام بھی معلوم ہو گیا تو میں نے کہا۔ "فیروزہ! ہم ایک دوسرے کو دھوکا دیتے رہے ہیں' کم از کم اس حد تک کہ ہمارے درمیان ازدواجی تعلقات قائم ہیں۔ یہ سچ ہے نا؟"

"ہاں بالکل سچ ہے۔ آج سے پہلے تم کبھی میرے اتنے قریب نہیں آئے۔ تم ..... تم پہلی ہی رات کو مجھ سے خفا ہو کر چلے گئے تھے۔ میں ..... میں تمہیں پسند نہیں آئی تھی۔ مجھے اچھی طرح آج بھی یاد ہے' تم نے کہا تھا کہ تمہارے بڑے بھائی اور بھاوج نے شیر کے ساتھ بکری باندھ دی ہے۔ اس پر میں ساری رات روتی رہی تھی۔"

یہ بھی میرے لئے ایک انکشاف ہی تھا کہ بدذات و بدمذاق صمد یار خاں نے دو سال گزر جانے کے باوجود "حقوق زوجہ" بھی ادا نہیں کئے تھے۔ پھر باتوں ہی باتوں میں فیروزہ نے مجھے ایک ایسی بات بھی بتا دی کہ کار خیر کا جو ابال میرے دل میں اٹھا تھا جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا۔ ارسلان بیگ سے خفیہ ملاقاتوں کے دوران بھی فیروزہ نے حدود سے تجاوز نہیں کیا تھا' یعنی اپنے دامن پر گناہ کا ایک داغ بھی نہیں لگنے دیا تھا۔ ارسلان بیگ بھی اس حد تک ہی فیروزہ کے قریب آ سکا تھا جتنا اس وقت میں تھا۔ اسے بھی وہ اپنے شوہر کی امانت میں خیانت سمجھ رہی تھی۔ اس کے لہجے سے واضح طور پر پتا چل رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔ جھوٹ ہی بولنا ہوتا تو وہ ارسلان کے ساتھ اپنی محبت کا اقرار ہی کیوں کرتی۔

میرا دل ڈنوا ڈول ہونے لگا تو میں نے آہستگی کے ساتھ اسے اپنے بازوؤں کی گرفت سے آزاد کر

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

دیا۔ جو بات چل نکلی تھی' ادھوری ہی رہ گئی اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے میری طرف سوالیہ نظریں اٹھائیں تو میں بولا۔ "فیروزہ! اس موضوع پر پھر کبھی ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غیر جذباتی ہو کر بات کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"تم نے مجھے معاف تو کر دیا ہے نا؟" اس کی آواز اب بھی جیسے آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

"ہاں فیروزہ! اور تم بھی مجھے معاف کر دینا۔" یہ کہنے کے بعد میں وہاں مزید نہیں رکا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے صمد یار خاں کے خادمان خاص کو طلب کر لیا۔ ان میں وہ دونوں بھی تھے جو رات کو میرے ساتھ تھے۔

"اس حویلی میں اب مجھے کوئی موٹی اور عمر رسیدہ خادمہ نظر نہیں آنا چاہئے۔" میں نے پہلا حکم جاری کیا۔ "ان سب کو کسی اور خدمت پر لگا دیا جائے۔ ہماری جاگیر میں کیا ایسی خوبصورت اور نازک اندام لڑکیوں کا قحط پڑ گیا جنہیں دیکھ کر متلی نہ ہو؟"

"سرکار نے اپنی پسند بدل جانے کے بارے میں کبھی ہم خادموں کو کچھ بتایا ہی نہیں۔" گھاگ قسم کا ایک ادھیڑ عمر خادم ادب سے بولا۔ "ورنہ تو حویلی میں خدمت گزاری کے لئے ایک سے ایک حسین لڑکی راضی ہو سکتی ہے۔ ہاں اس میں وقت ضرور لگے گا۔"

"ہم نے وقت دیا۔ کتنا وقت چاہئے تم لوگوں کو تلاش و جستجو کے لئے؟"

میرے سوال پر وہ آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے اور پھر کم سے کم ایک ہفتے کی مہلت مانگی۔ اس کے بعد ادھیڑ عمر خادم کہنے لگا۔ "ایک لڑکی میری نظر میں ہے تو سہی' مگر اس کا باپ راضی ہو جائے تب کی بات ہے۔ میں آج ہی اس کے باپ سے بات کرتا ہوں۔ دراصل رخصتی سے پہلے ہی اسے طلاق ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ کسی غریب کی بیٹی کو طلاق ہو جائے تو پھر کوئی اس سے شادی پر آمادہ نہیں ہوتا۔"

"عمر کیا ہو گی اس کی؟" میں نے معلوم کیا۔

"بیس بائیس برس سے زیادہ کی نہیں ہو گی سرکار!" جواب ملا۔

"ٹھیک ہے' بات کر لو' کم از کم ایک تو ایسی خادمہ چاہئے جو فوری طور پر ہماری خدمت کر سکے۔" میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔

خادمان خاص کی خفیہ میٹنگ ختم ہوئی تو اسی حویلی کے ایک بڑے سے کمرے میں "دربار عام" لگ گیا۔ جاگیر کے منشی تفضل بیگ سے میں پہلی بار ملا۔ وہ بڈھا مجھے بہت ہی پہنچا ہوا لگا۔ ہر معاملے میں اسے میں نے صمد یار خاں کا بے دام غلام اور غریب کسانوں اور ملازمین جاگیر کی حق تلفی کرتے دیکھا۔

ایک دو "کیس" تو اسی صورت نمٹ گئے' پھر میں نے مداخلت شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غریبوں کے پوبارہ ہو گئے۔ وہ مجھے دعائیں دیتے رخصت ہوئے تو منشی نے میری ٹانگ پکڑ کر گویا گھسیٹی۔

"سرکار! آج آپ کو یہ کیا ہو گیا ہے۔ اس طرح آپ نے فیصلے کئے تو ساری جاگیر ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

میں کچھ تو جھونک میں اور کچھ منشی کو تپانے کی خاطر کہہ گیا۔ "تو نکل جانے دو' ہم نے اس جاگیر کو

حاصل کرنے کے لئے کون سے پاپڑ بیلے ہیں۔" میں نے کچھ غلط نہیں کہا تھا۔ وہ جاگیر میری یا میرے ابا جی کی نہیں صمد یار خاں جیسے عیاش و ظالم شخص کی تھی۔ میں اپنی دانست میں اس طرح "صاحب جسم" سے انتقام لے رہا تھا۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میں نے مزید کہا۔ "منشی جی! جو لوگ زمین کاشت کرنے کے لئے سچ مچ پاپڑ بیلتے ہیں' زمین دراصل انہی کی ہے۔ ہم نے تو اس پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔"

"بس کریں سرکار! آپ تو ایسی باتیں کر کے مجھے پاگل بنا دیں گے۔" منشی یہ کہہ کر اپنی پگڑی سنبھالنے لگا۔ شاید اسے اپنی پگڑی خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ پھر وہ بڑی لجاجت سے کہنے لگا۔ "عبدالحکیم والے معاملے پر سرکار ذرا نظر ثانی کر لیں ورنہ برخوردار ارسلان بیگ کے ساتھ میری بھی بڑی سبکی ہو گی۔"

ارسلان بیگ' میرے ذہن میں چھناکا سا ہوا' اسی نام کا شخص تو صمد یار خاں کی بیوی کا عاشق نامراد تھا۔ پھر باقی باتیں جو منشی نے کی تھیں' وہ تو میں نے نظرانداز کر دیں اور بولا۔ "برخوردار ارسلان بیگ اس وقت کہاں ہو گا؟"

"میں اسے گھر ہی پر چھوڑ کر آیا تھا سرکار۔" منشی تفضل بیگ نے جواب دیا۔

منشی کے جواب سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ ارسلان بیگ اسی کا بیٹا ہو گا۔

"ایک بات بتائیں منشی جی کہ ہماری بیگم صاحبہ سے پہلے آپ ہی کے برخوردار ارسلان بیگ کی منگنی ہوئی تھی نا؟" میں نے یہ کہہ کر منشی کے چہرے کا جائزہ لیا۔

منشی کے جھریوں بھرے باریش چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ پھر وہ ہکلانے لگا۔ "سر ..... سرکار کو یہ ..... یہ بات کک ..... کس نے بب ..... بتا دی؟"

"کس نے ہمیں یہ بات بتائی یا کیسے ہمیں یہ راز معلوم ہوا' اس ذکر کو چھوڑو منشی جی! ہم نے تم سے جو سوال کیا ہے' اس کا جواب دو۔"

"جج ..... جی ..... جی ہاں سرکار!" منشی نے جیسے اقبال جرم کر لیا۔ "مم ..... مگر یہ ..... یہ بات تو گھر سے با ..... باہر نہیں نکلی ..... نہ نکلنے دی گئی تھی کک ..... کہ کہیں سرکار کو خبر نہ ہو جائے۔"

"ہمیں خبردار کرنے والی خود ہماری بیگم صاحبہ ہیں۔ ان پر کوئی جن بھوت نہیں آتا البتہ تمہارا برخوردار ضرور حویلی میں آ کر اچھل کود مچاتا رہتا ہے۔"

منشی کے پیر کانپنے لگے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اگر وہ کچھ دیر اور اسی طرح میرے سامنے کھڑا رہا تو پچھاڑ کھا جائے گا۔ غنیمت یہ تھا کہ "دربار عام" اس وقت تک برخاست ہو چکا تھا۔ میرے پاس منشی کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ منشی کی حالت دیکھ کر میں کرسی سے اٹھا اور اسے اپنے ساتھ اندر نشست گاہ میں لے آیا۔ خادموں کو میں نے تاکید کر دی کہ کسی کو اندر نہ آنے دیں۔ وہ نشست گاہ انگریزی طرز پر سجی ہوئی تھی۔ وہاں شاید انگریز مہمان بھی آتے تھے جن کی خوشنودی کا خیال رکھا جاتا ہو گا۔

میں نے منشی کو ایک صوفے میں دھانس دیا اور خود سامنے دوسرے صوفے میں دھنس گیا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"دیکھو منشی جی! میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے' اس کی وجہ سے لرزنے یا کانپنے کی ضرورت نہیں۔ سچائی پر لاکھ پردے ڈال دو کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کے رہتی ہے۔ اس سے قطع نظر تمہارا برخوردار آدمی ہے کہ بندر؟ اس سوال سے ہماری مراد ہرگز تمہارے حسب نسب پر حملہ کرنا نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہے۔ آج ہی صبح صبح کا ذکر ہے کہ جب تمہارا برخوردار ہماری بیگم صاحبہ کی خواب گاہ سے نکل کر بھاگا اور ہم اسے پکڑنے دوڑے تو حویلی کے باغ میں گھستے ہی وہ ایسا غائب ہوا کہ مت پوچھو۔ ہم ناپتے رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی درخت پر چڑھ کر ہی چاردیواری تک پہنچا ہو گا۔ ہمارا جسم بھاری ہے' پھر یہ کہ درختوں پر بندروں کی طرح چڑھنے کی مشق بھی نہیں۔ سو ظاہر ہے' منہ لٹکائے ناکام لوٹ آئے۔"

"اگر ..... اگر اس بدذات نے یہ جسارت کی ہے تو ..... تو میں اسے ابھی جا کر گولی سے اڑائے دیتا ہوں۔" منشی تفضل بیگ نمک حلالی کی رو میں آ کر اپنے لخت جگر کو حویلی کی عزت و آبرو پر قربان کر دینے کے لئے فی الفور آمادہ ہو گیا۔ اسے شاید یہ علم نہیں تھا کہ عشاق تو سر ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔ یا پھر اسے عشق کا براہ راست کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس کا چہرہ غصے کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔

"دھیرج منشی جی! دھیرج۔" میں نرمی سے بولا۔ "تمہیں گھر جا کر اسے گولی مارنے کی ضرورت نہیں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے اسے صفائی کا موقع دیا جائے۔ کیا خبر کہ وہ اپنے عشق میں واقعی سچا ہو۔ اگر ایسا ہوا اور اس نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا تو ہرگز میں تمہیں گولی مارنے سے نہیں روکوں گا۔ ابھی کسی خادم کو بھیج کر اسے یہیں بلوائے لیتے ہیں۔" پھر میں نے آواز دے کر ایک خادم کو بلایا اور منشی جی کے گھر بھیج دیا کہ ارسلان بیگ کو اپنے ساتھ لے کر آئے۔

مجھے یقین تھا کہ ارسلان بیگ کسی بھی صورت حویلی آ کر اپنی موت کو دعوت نہیں دے گا۔ اس کی وجہ آج صبح پیش آنے والا واقعہ تھا۔ میں نے تو خیر اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا لیکن اسے تو معلوم تھا کہ تعاقب کرنے والا کون تھا۔ وہ فیروزہ کی خواب گاہ میں تھا۔ اس نے میری آواز بھی سنی ہو گی۔ پہلی بار اس کا تعاقب کیا گیا تھا۔ ان حالات میں وہ حویلی سے میرے بلاوے کی خبر پاتے ہی راہ فرار اختیار کر سکتا تھا۔ کودنے پھاندنے میں تو ماہر تھا ہی' اپنے گھر کی دیوار پھاند کر جدھر منہ اٹھتا بھاگ لیتا۔ دوسروں کی بیویوں سے عشق لڑانے والے عموماً بیویوں کے شوہروں کو دیکھ کر اس طرح بھاگتے ہیں جیسے کتے کا کاٹا پانی سے بھاگتا ہے۔ پھر صمد یار جیسے باجبروت جاگیردار کی بیوی سے عشق لڑانا اور پھر اسی کی عمل داری میں رہنا تو اور بھی دل گردے کا کام ہے۔ سو یوں ارسلان بیگ کا کانٹا خون خرابے کے بغیر ہی نکل جاتا۔ اگر کہیں کسی طرف سے الجھتا بھی تو منشی تفضل بیگ حق نمک ادا کرنے میں کوتاہی نہ دکھاتا۔ وہ اگر بیٹے کو گولی نہ بھی مارتا تو کہیں نہ کہیں کھسکا ضرور دیتا کہ نکل لے بیٹا' آندھی آ رہی ہے جو تیرے ساتھ ہم سب کو بھی تنکوں کی طرح اڑا لے جائے گی۔ دراصل قصہ یہ تھا میں دو دلا ہو رہا تھا۔ ایک دل کہتا' ابے علیالش! کار خیر کا یہ موقع نہ گنوا' دو بچھڑے ہوئے دلوں کو مل جانے دے۔ دوسرا دل کہتا کہ جھولی میں خود ہی گر آنے والے پھل کو ٹھکرا کر کفران نعمت نہ کر۔ اگر صمد یار خاں کی بیوی فیروزہ مجھے اپنی پاک دامنی کا یقین نہ دلا دیتی تو شاید میرا دل دو ٹکڑوں میں بٹ کر بے ایمانی پر آمادہ نہ ہوتا۔

خادم کے لوٹ کر آنے تک منشی تفضل بیگ جیسے سولی پر لٹکا رہا۔ میں البتہ مطمئن تھا' لیکن اس وقت سارا اطمینان ہوا ہو گیا جب سارے "سوچے سچائے" پر پانی پھر گیا۔

دلیر عاشق جان ہتھیلی پر رکھ کر حاضر ہو گیا تھا۔ میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ اچھا بھلا خوبصورت جوان تھا۔ کم از کم صمد یار خاں سے تو زیادہ ہی وجیہہ و پرکشش تھا۔

"کیوں بھئی تم ہماری بیگم صاحبہ سے عشق کرتے ہو؟" میں نے اس سے یہ سوال یوں کیا جیسے یہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہ ہو یا یہ پوچھا ہو کہ صبح ناشتہ کر لیا تھا؟

"جی ہاں سرکار!" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

اسی وقت منشی تفضل بیگ اپنے ایک پیر سے جوتا اتار کر ارسلان بیگ کی طرف لپکا۔ "ابے حرامزادے! تیری....."

"خبردار منشی جی! اپنی جگہ شرافت سے بیٹھ جاؤ۔" میں نے ڈانٹ پلائی۔ "مداخلت بے جا کے جرم میں ہم تمہیں کمرے سے باہر بھی پھنکوا سکتے ہیں۔"

منشی ڈانٹ پی کر پھر دھم سے صوفے میں جا دھنسا۔ جوتا اس نے پھر پاؤں میں ڈال لیا تھا کہ پھر بوقتِ ضرورت کام آ سکے۔

"ارسلان بیگ! تمہیں اعتراف جرم کی سزا معلوم ہے؟" میں نے منشی کو ٹھنڈا کر کے پھر عاشق جاں باز کو مخاطب کیا۔

"اگر عشق کرنا جرم ہے سرکار تو یہ جرم آپ کی بیگم صاحبہ نے بھی کیا ہے سرکار!" وہ بے دھڑک ہو کر بولا۔

"تو پھر ٹھیک ہے' ہم انہیں بھی تمہارے ہی ساتھ گولی مار دیتے ہیں۔" میں نے اس کے عشق کی گہرائی ناپنے کی خاطر ذرا سخت لہجے میں کہا کہ دیکھوں اب کیا کہتا ہے۔ اس نے لپک کر میرے دونوں پیر پکڑ لئے اور گڑگڑانے لگا۔ "خدا کے واسطے سرکار! بیگم صاحبہ سے کچھ نہ کہیں۔"

"کہنے سننے کی اس میں کوئی بات نہیں' میں تو سیدھے سبھاؤ گولی مارنے کی بات کر رہا ہوں۔ بیوی میری ہے اور دکھ تمہیں ہو رہا ہے' اسے گولی مارے جانے پر۔ میری بیوی ہے' میں اس کا چاہے اچار ڈالوں کہ گولی مار دوں' تم کون ..... اور ابھی تو تم اسے بھی مجرمہ قرار دے رہے تھے۔ پھر اب ہوا کیوں کھسک رہی ہے؟"

"آپ سرکار! مجھے ..... مجھے گولی مار دیں مگر ..... مگر بیگم صاحبہ کو زندہ چھوڑ دیں۔" وہ یہ کہہ کر رونے لگا۔

"جب چڑیاں کھیت چگ جائیں تو پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ تو تم نے پہلے سوچا ہوتا کہ پرائی عورت سے عشق بازی نہیں کرنا چاہئے۔ بھلا یہ کوئی شرافت ہے؟"

پھر میں نے اسے ہر طرح ہلا جلا کر دیکھ لیا۔ وہ فیروزہ کے عشق میں اپنی جان دینے پر بخوشی تیار تھا لیکن اس شرط پر کہ فیروزہ زندہ بچ جائے۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"اچھا میرے پیر تو چھوڑو۔" میں قدرے نرمی سے بولا۔

"نہیں سرکار! میں اس وقت تک آپ کے پیر نہیں چھوڑوں گا جب تک بیگم صاحبہ کی جان بخشی کا وعدہ نہیں کرلیں گے' چاہے آپ مجھے قتل کر دیں۔" وہ اڑ گیا۔

"یار! تم تو بڑے ڈھیٹ قسم کے عاشق ہو۔ سنو تو سہی' اطمینان سے بیٹھ کر بات کرو۔ ابھی تو بیٹی باپ کے گھر ہے' یعنی ہم نے مسمات فیروزہ بیگم کو گولی نہیں ماری نہ اب تک تمہی کو قتل کیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مسمات اور تم نے حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ مطلب یہ کہ اپنے اپنے دامنوں پر گناہ کے دھبے نہیں لگائے۔"

"یااللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے ورنہ میں تو کچھ اور ہی سمجھ رہا تھا۔" اس موقع پر منشی تفضل بیگ چپ نہ رہ سکا۔

"منشی جی! تم اپنی چونچ بند ہی رکھو۔ ہمیں برخوردار سے بات کرنے دو۔" میں نے منشی کو خوش نہ ہونے دیا۔ "تم اگر بلا اجازت بولے تو ہم عفو و درگزر کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ تمہیں صرف یہ اجازت دی جاسکتی ہے کہ اپنے برخوردار کو ہمارے قدموں سے اٹھا کر اپنے پاس بٹھالو۔"

منشی نے فوراً میرے حکم کی تعمیل میں اٹھ کر ارسلان بیگ کا بازو پکڑ لیا اور بولا۔ "سرکار کا حکم مان لے بدبخت!"

"مگر ابا! ابھی سرکار نے وعدہ تو کیا ہی نہیں۔" ارسلان بیگ روہانسی آواز میں کہنے لگا۔

پھر ادھر تو میں نے زور لگایا' ادھر منشی نے جان لڑا دی۔ سو یوں میرے پیر ارسلان بیگ کی آہنی گرفت سے آزاد ہو گئے۔ میں فوراً ہی صوفے سے اٹھا اور دور جا کھڑا ہوا کہ وہ عاشق نامراد دوبارہ میرے پیر جکڑ کر نہ بیٹھ جائے۔ ظالم کی گرفت بہت ہی سخت تھی۔ دونوں باپ بیٹے بھی کھڑے تھے۔ انہیں رعب میں لینے کے لئے میں ڈپٹ کر بولا۔ "بیٹھو۔"

"لل ..... لیکن سر ..... سرکار تو تشریف رکھیں۔" منشی منمنایا۔

"ہم بیٹھ جاتے ہیں مگر اس شرط پر کہ تمہارا برخوردار اب ہمارے قریب آنے کی گستاخی نہیں کرے گا۔"

"ہرگز نہیں۔ اگر اب اس نے یہ ہمت کی تو جوتے مار مار کر ایک بال چاند پر نہیں چھوڑوں گا۔" منشی نے مجھے یقین دلایا اور پھر دوبارہ "تشریف رکھنے" کو کہا۔

میں صوفے پر براجمان ہو گیا اور وہ دونوں بھی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"فرض کرو ارسلان بیگ کہ ہم تمہاری محبوبہ اور اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تو تم اس سے شادی کرلو گے؟" میں نے سوال کیا۔

میرے یہ غیر متوقع الفاظ گولی ہی طرح ان دونوں کے دلوں پر لگے ہوں گے ورنہ وہ اچھل نہ پڑتے۔

"یہ ..... یہ آپ کیا ..... کیا فرما رہے ہیں سرکار!" ارسلان بیگ کی بجائے منشی بول اٹھا۔

"ہم نے تم سے نہیں' تمہارے بیٹے سے کچھ فرمایا ہے' اسے بولنے دو۔"

وہ کچھ بولنے کے قابل ہوتا تو بولتا۔ شاید ہی کوئی عاشق نامراد یوں کبھی بامراد بنا ہو۔ ایسی باتوں پر یوں بھی جھوٹ کا گمان ہوتا ہے۔ ارسلان بیگ کی بولتی شاید اسی لئے بند ہو گئی تھی۔ اسے شاید اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا کہ جو کچھ سنا ہے خواب میں نہیں سنا۔

"بولو ارسلان بیگ! تمہیں مسمات فیروزہ بیگم قبول ہے یا نہیں؟" میں نے اس طرح پوچھا جیسے ...بوقت نکاح قاضی کسی دولہا سے سوال کرتا ہے۔ میں یہ سوال کرتے ہوئے بھول ہی گیا تھا کہ ابھی تو فیروزہ' صمد یار خاں کے نکاح ہی میں ہے۔ دو بچھڑے ہوئے دلوں کے ملن کی گھڑیاں تو ابھی بہت دور ہیں۔ پہلے طلاق ہو گی' پھر عدت کے دن گزریں گے' اس کے بعد دولہا گھوڑے یا گھوڑی پر سوار ہو کر سہرا باندھے شہنائیاں بجواتا' طبلے کھڑکواتا دلہن کے گھر پہنچے گا وغیرہ وغیرہ' تب کہیں جا کے یہ بیل منڈھے چڑھے گی۔

پھر میرے بار بار یقین دلانے پر ارسلان بیگ نے ہامی بھر ہی لی۔ میں دراصل اس عاشق صادق کو دیکھ کر اور پھر فیروزہ کے لئے اس کی تڑپ کو محسوس کر کے ایک بار پھر پلٹو ہو گیا تھا۔ میں نے کسی طرح اپنے بدکار دل کو سمجھا بجھا لیا کہ کارِ خیر میں روڑے نہ اٹکائے۔

کہتے ہیں کہ بن مانگے موتی ملے اور مانگے ملے نہ بھیک۔ یہی مثل ارسلان بیگ پر صادق آگئی تھی۔ اس کا چہرہ مجھے گل و گلزار دکھائی دے رہا تھا۔

پھر میں نے ان دونوں' یعنی منشی تفضل بیگ اور اس کے عاشق بیٹے ارسلان بیگ کو ٹہلا دیا کہ اچھے وقت کا انتظار کریں۔ جاتے جاتے وہ ایسے نظر آرہے تھے جیسے ابھی ابھی انہیں پھانسی کے پھندے سے اتار لیا گیا ہو۔ جن ملزموں یا مجرموں کی سزائے موت معاف کر دی جاتی ہو گی وہ بھی شاید اتنے باغ و بہار نظر نہ آتے ہوں۔ یہاں تو سزا بھی معاف ہوئی تھی اور انعام میں ایک عدد حسین و نوجوان محبوبہ دل نواز بھی مل گئی تھی۔ مجھے ابھی یہ خوشخبری جسے میں نے خود ہی اپنے لئے "بدخبری" بنا لیا تھا' فیروزہ بیگم کو بھی سنانا تھی اس لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

میں حویلی کے اس حصے میں داخل ہوا جو فیروزہ کے لئے مخصوص تھا تو اس مرتبہ کوئی سرگرمی نظر نہ آئی۔ نہ کوئی خادم مجھے دیکھ کر سراسیمہ ہوا' نہ کسی نے متوقع خطرے کی نشاندہی فرض سمجھی۔ غالباً سبھی کو علم ہو گیا تھا کہ میں نے اس جن پر قابو پالیا ہے جو ان کی بیگ صاحبہ کو آ آ کے ستایا کرتا تھا۔

صبح ہی صبح میں نے فیروزہ کو شب خوابی کے لباس میں دیکھا تھا۔ اس پر ستم یہ کہ وہ نڈھال و بدحال تھی۔ اب جو سجا سنورا دیکھا تو وہ مجھے کچھ اور بھی اچھی لگی۔ نہ اس کے چہرے پر تناؤ تھا نہ غزالی آنکھوں میں میرے لئے نفرت تھی۔ کوئی جیسے میرے اندر سے بولا' فیصلہ ہو چکا اے علیالیش! اب نہ پچھتا۔ حسرت انصاف کے پھیر میں آکر میں نے خود اپنے ہی خلاف فیصلہ کر دیا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہونا چاہئے' میں نے اپنے باغی دل کو تسلی دی اور فیروزہ کے سامنے آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ وہ مسہری پر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ چکی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

"کیا بات ہے تم کچھ فکرمند سے لگ رہے ہو؟" گفتگو میں پہل اسی نے کی۔

"نہیں تو۔" میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "دراصل میں تمہیں ایک خوشخبری دینے آیا تھا۔"

"کیسی خوشخبری؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہیں تمہارا پیار مل جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ کچھ بھی سہی' اسے کھو دینے کا مجھے ملال تو تھا۔ پھر میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"تو ..... تو تم مجھے طلاق دے دو گے؟" اس کے لہجے میں بے یقینی جھلک رہی تھی۔

"ہاں اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں کہ تم اور ارسلان بیگ ایک ہو سکو۔"

"لیکن رسوائی ..... اس میں تو تمہاری بہت رسوائی ہو گی۔ لوگ مجھے ..... مجھے بھی رسوا کریں گے۔" وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔

میں نے اسے سمجھایا۔ "عشق کرنے والے رسوائی سے نہیں ڈرتے۔ پھر یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اس طرح تمہاری اور ارسلان کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے گی۔ رہا میری رسوائی کا معاملہ تو میں پہلے ہی کون سا نیک نام ہوں۔ لوگ زبان پر یہ بات لائیں نہ لائیں مگر مجھے ایک آوارہ مزاج جاگیردار ہی سمجھتے ہوں گے۔"

"تم اندر سے اتنے نرم و گداز ہو گے' تمہارے دل میں ایثار و قربانی کا اتنا بڑا حوصلہ ہو گا' یہ تو میرے وہم و گمان میں نہیں تھا۔ میں تو دو سال تک بالکل اندھیرے میں رہی' کبھی تمہارے جذبوں کو محسوس ہی نہیں کیا اور ..... اور نہ تم نے مجھے یہ موقع دیا۔" وہ پُرتاسف آواز میں بولی۔

"جو ہو گیا اسے بھول جاؤ فیروزہ کہ وقت کبھی پلٹ کر نہیں آتا۔ اپنے والدین کے گھر جانے کی تیاری کرو کہ عدت کے دن وہیں گزار سکو۔"

"لیکن میں ..... میں ان سے کیا ..... کیا کہوں گی کہ تم نے مجھے کیوں طلاق دے دی؟"

"کہہ دینا کہ میری بدکرداری کے سبب تم نے خود مجھ سے طلاق کا مطالبہ کیا تھا۔" میں نے اسے راہ سجھائی۔

"یہ ..... یہ تو سراسر ظلم ہو گا تم پر' میں ..... میں تم پر الزام نہیں لگا سکتی ..... بالکل نہیں۔ یہ تو احسان فراموشی ہے۔ تم مجھ پر احسان کرو اور میں الزام لگا دوں۔" اس کے الفاظ گواہ تھے کہ ذہنی طور پر وہ اپنے شوہر سے علیحدگی کے لئے آمادہ ہے۔ مسئلہ صرف اتنا رہ گیا تھا کہ وہ الزام تراشی پر راضی نہیں تھی۔

"دوسری صورت میں مجھے تم پر الزام لگانا پڑے گا جو کسی طرح مناسب نہیں۔ عورت کی نسبت کسی مرد پر بدکرداری کے الزام کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ اوّل تو یہ کہ مجھ پر تم جو الزام لگاؤ گی' وہ الزام نہیں حقیقت ہو گا' دوم یہ کہ اس کے باوجود کسی کو میرے خلاف زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہو گی۔" میری دلیل میں وزن تھا۔

تھوڑی دیر مزید سمجھانے بجھانے کے بعد آخر وہ میری بات مان ہی گئی۔ میں نے یہ سوچ کر کہ کہیں

نیت بدل نہ جائے' فوری طور پر اسے طلاق دے دی۔

"یہ کیا ..... کیا کر دیا تم نے صمد یار خاں!" خلاف توقع وہ تقریباً چیخ اٹھی۔

اس پر مجھے بڑی حیرت ہوئی اور بولا۔ "کیوں؟ یہ بات تو طے ہو چکی تھی۔"

"مگر ..... مگر اتنی بھی کیا جلدی تھی' میں ..... میں نے تو کچھ اور ..... اور ہی سوچا تھا۔ ایثار و قربانی کا کچھ تو بدل مل جاتا۔ چند روز تو میں تمہاری خدمت کر لیتی ..... تمہیں سکھ دے جو ..... جو صرف بیوی ہی سے مل سکتا ہے' کسی داشتہ سے نہیں۔"

"ایثار و قربانی کا کوئی بدل نہیں ہوتا فیروزہ! جن کی قسمت میں ازدواجی سکھ اٹھانا لکھا ہوتا ہے' وہی سکھ اٹھاتے ہیں' مجھ جیسے آوارہ مزاج نہیں۔ شاید میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔" یہ کہتے ہی میں اٹھ گیا کہ کہیں نیکی برباد اور گناہ لازم نہ ہو جائے۔ چلتے چلتے میں نے کہا۔ "خدا حافظ فیروزہ!"

"خدا حافظ!" اس کی لرزتی ہوئی آواز جواب میں ابھری۔

میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے اور پھر تیز قدمی سے خواب گاہ کے دروازے کی طرف گیا۔

☆======☆======☆

اسی شام حویلی کا وہ حصہ خالی ہو گیا جہاں صمد یار خاں کی بیوی فیروزہ رہتی تھی۔ وہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ اس پر جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے کوئی بوجھ میرے سینے سے اتر گیا ہو۔ ایسا کوئی ایثار میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار کیا تھا۔ بااختیار ہو کر اپنے اختیار کو استعمال نہ کرنے والے یا تو بے وقوف ہوتے ہیں یا درویش صفت۔ مجھے درویشی کا دعویٰ تو ہرگز نہیں کہ ایک سیاہ کار جن ہوں البتہ بے وقوف ہونے کے امکانات پر ضرور غور کیا جا سکتا ہے۔ پھر بھی فیروزہ کے معاملے میں اپنی بے وقوفی پر خوشی سی ہوئی۔ لگا جیسے میں نے کسی قیدی پرندے کو آزاد کر دیا ہو۔ معلوم نہیں کیوں اور کیسے اندر ہی اندر مجھ میں تبدیلی سی رونما ہو رہی تھی۔ اپنی بے وقوفی پر خوش ہونا بھی شاید اسی تبدیلی کا حصہ تھا۔

صمد یار خاں کے خادمان خاص میں سے ایک گھاگ قسم کے ادھیڑ عمر خادم لطیف نے کوئی جوان و حسین خادمہ فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ دن ڈھلے وہ مجھ سے آ کر ملا۔ میں نے نشست گاہ میں اس سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا۔ "سرکار! لڑکی کے باپ کو میں نے راضی کر لیا ہے۔ رہنے سہنے' کھانے پینے اور کپڑوں لتوں کے علاوہ پورم پٹ پچاس روپے مہینہ تنخواہ کم نہیں ہوتی۔ مجھے یقین تھا سرکار کہ وہ لالچ میں آ جائے گا اور یہی ہوا۔ میں نے فوراً اسے بیس روپے پیشگی تھما دیئے کہ زبان سے پھر نہ جائے۔" یہ کہتے ہوئے لطیف کے لہجے میں داد طلبی تھی۔

میں نے یہ "کارنامہ" انجام دینے پر اسے خیر داد تو نہیں دی' ہاں یہ ضرور پوچھا۔ "لڑکی کہاں ہے؟"

"اس کے باپ سے میں نے مزید تیس روپے دینے کا وعدہ کیا ہے کہ پوری ایک مہینے کی تنخواہ پیشگی دی جائے۔ سرکار کا حکم ہو تو تیس روپے ادائیگی کر کے لڑکی کو لے آؤں۔"

aazzamm@yahoo.com
aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ لڑکی کی بجائے کوئی سامان خرید کر لانے کی اجازت مانگ رہا ہو۔ یہ بات بھی میرے علم میں آ چکی تھی کہ لطیف ہی صمد یار خاں کا گویا کل وقتی خزانچی تھا۔ "کارہائے خاص" کی مد میں مال خرچ کرنے کے لئے ہر وقت اس کے پاس کچھ رقم رہتی تھی۔ صمد یار خاں کی اجازت کے بعد اسے منشی تفضل بیگ سے پرچی حاصل کرنا پڑتی اور پھر جاگیر کا باقاعدہ خازن رقم ادا کر دیتا۔ آج ہی صبح کی خفیہ میٹنگ میں لطیف نے مجھ سے کچھ رقم اس مد میں منظور کرائی تھی تو مجھے ان باتوں کا علم ہو تھا۔

میں نے نیا نیا ایک زخم کھایا تھا' یعنی فیروزہ بیگم سے دست برداری قبول کر لی تھی اس لئے لطیف کو فوراً اجازت دے دی کہ لڑکی کے باپ کو مزید تیس روپے ادا کر دے۔

لطیف خوشی خوشی واپس چلا گیا۔

پھر اسی شب وہ لڑکی "خدمت گزاری" کے لئے میری خواب گاہ میں بھیج دی گئی۔ وہ میرے سامنے کسی سہمی ہوئی فاختہ کی طرح کھڑی تھی۔ صمد یار خاں کے خادمان خاص نے یقیناً اسے خدمت گزاری کے آداب اچھی طرح سمجھا دیئے تھے۔ میں نے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔ وہ حسین تو نہیں تھی قبول صورت ضرور تھی۔ عمر بھی پچیس سے کم نہ ہو گی۔ جسم پر موجود لباس گواہی دے رہا تھا کہ اس کا تعلق کسی غریب گھرانے سے ہے۔ وہ اگر کسی کھاتے پیتے گھر کی ہوتی تو شاید حسین دکھائی دیتی۔ غربت تو حسن کو بدصورتی میں بھی بدل دیتا ہے۔ وہ تو پھر قبول صورت تھی۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"بن ..... بندی کا نام شمع ہے سرکار!" وہ لرزیدہ سی آواز میں بولی۔

"تم اس قدر ڈری ڈری سی کیوں ہو؟ آؤ' ادھر ہمارے پاس آ کر بیٹھ جاؤ۔"

وہ کانپتے قدموں سے آگے بڑھی اور نیچے فرش پر بچھے قالین پر میرے پیروں کے قریب بیٹھ گئی۔

"اُدھر نہیں اِدھر۔" میں نے یہ کہتے ہوئے جھک کر اس کا بازو تھام لیا۔

وہ میرے قریب مسہری پر بیٹھ گئی تو میں نے اس سے نرمی کے ساتھ خوف کی وجہ پوچھی۔

میری نرم گفتاری نے اثر دکھایا۔ اس کے چہرے سے خاصی حد تک خوف کے سائے چھٹ گئے۔ پھر وہ کہنے لگی۔ "میرے سوتیلے باپ نے آج سے پہلے کبھی مجھے اتنے بڑے گھر میں رات گزارنے کے لئے نہیں بھیجا اور ..... اور نہ اس سے پہلے میں نے کوئی ایسا کمرہ دیکھا۔"

میں اس کا جواب سن کر چونک اٹھا۔ ایک ہی جملے میں جیسے اس نے اپنی روداد زندگی بیان کر دی تھی۔

"لیکن مجھے تو تمہارے بارے میں یہ بتایا گیا تھا کہ کسی سے نکاح کے بعد تمہیں طلاق ہو گئی تھی۔"

"طلاق ہوئی نہیں تھی بلکہ میرے سوتیلے باپ نے لڑکے والوں کو مجبور کر کے رخصتی سے پہلے ہی طلاق لی تھی۔"

"اگر اسے یہی کرنا تھا تو اس نے تمہارا نکاح ہی کیوں کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"میری ماں کے مجبور کرنے پر وہ میری شادی کر دینے پر راضی ہوا تھا۔ ماں بیمار تھی۔ میرے نکاح

کے دس روز بعد ہی وہ چل بسی اور پھر میرے سوتیلے باپ کا ارادہ بدل گیا۔"

"تمہارا سوتیلا باپ کیا کرتا ہے؟"

"شراب پیتا ہے اور جوا کھیلتا ہے۔" شمع نے جواب دیا۔

"اور اس نے تمہیں کمائی کا ذریعہ بنا رکھا ہے؟"

میرے اس سوال کا جواب شمع کا جھکا ہوا سر تھا۔ اس کے بعد میں نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ پوچھنے کو اب رہا بھی کیا تھا۔ خواب گاہ میں اسی لڑکی یا عورت کی آمد سے پہلے میرے دل میں جذبات کا جو طوفان اٹھ رہا تھا' ایک دم جیسے تھم گیا۔ اس کی جگہ غصے نے لے لی۔ غصہ مجھے اس مجبور و بے بس لڑکی پر نہیں' اس کے بے غیرت سوتیلے باپ پر تھا۔

"آج تو پورے پچاس روپے ملنے پر تمہارا سوتیلا باپ بے انتہا خوش ہو گا۔" میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولا۔

"پچاس روپے ..... میرا سودا تو پچیس روپے مہینہ پر ہوا ہے۔ میں بس اتنا ہی سن سکی تھی' باقی باتیں آپ کے کارندے اور میرے سوتیلے باپ صابر نے دھیمی آواز میں کی تھیں۔"

شمع کی اس بات سے ایک اور عقدہ کھلا۔ صمد یار خاں کے خادمان خاص بھی پہنچے ہوئے "فقیر" تھے۔ میرا غصہ دگنا ہو گیا۔

میں غصے کے عالم میں اٹھا تو شمع کچھ اور ہی سمجھی۔ اس نے سہم کر کہا۔ "سرکار! کیا مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں؟"

"نہیں' ہم تم سے خفا نہیں ہیں۔ تم بیٹھو' ہم ابھی آتے ہیں۔" یہ کہتا ہوا میں خواب گاہ سے نکل آیا۔

ابھی رات کا پہلا ہی پہر تھا اور حویلی میں چہل پہل تھی۔ میں نے ایک خادم کو آواز دے کر بلایا اور اس سے لطیف کے بارے میں معلوم کیا۔

"سرکار! ابھی کچھ ہی دیر پہلے انہیں میں نے حویلی کے دوسرے حصے میں جاتے دیکھا تھا جو آج ہی شام خالی ہوا ہے۔" خادم نے بتایا۔

"وہاں وہ اس وقت کیا کرنے گیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم سرکار! حکم ہو تو بلا لاؤں۔"

"ہاں' اس سے جا کر کہو کہ ہم نے اسے فوراً طلب کیا ہے۔ ہم نشست گاہ میں ہیں۔"

اس عرصے میں مجھے دیکھ کر ایک اور خادم بھی وہاں آ پہنچا تھا۔ وہ نشست گاہ کی طرف لپک لیا اور وہاں روشنی کر دی۔

میں نشست گاہ میں داخل ہو کر بحالت اضطراب ٹہلنے لگا۔ یہ موقع صوفے میں دھنسنے کا نہیں تھا۔ لطیف کے آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ اس کا چہرہ فق تھا۔ غالباً اس کا سبب فوری طلبی تھی۔ پہلے میں نے اس سے حویلی کے دوسرے حصے میں جانے کی وجہ پوچھی۔ میرا لہجہ سخت ہی تھا۔

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"صفا ..... سرکار! صفائی ..... وہاں کی صفائی کرا رہا تھا۔" اس نے بات بنانا چاہی مگر بنی نہیں۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

"سچ بتا' اس وقت کیا کر رہا تھا وہاں؟" میں اپنا غصہ ضبط نہ کر سکا۔

"آپ ..... آپ تو جانتے ہیں سرکار کہ ..... کہ مجھے چوسر کھیلنے کا شوق ہے۔ سو وہاں منڈلی جمالی تھی۔" اس نے چاپلوسی کے انداز میں دانت نکال دیئے۔

"اور کون کون سے کھیل کھیلنے کا شوق ہے تجھے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ "تجھے ہاتھ کی صفائی دکھانے کا شوق بھی تو ہے۔"

"نن ..... نہیں تو سرکار.....! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ مم ..... میرے کسی دشمن نے آپ سے لگائی بجھائی کی ہو گی۔" وہ میری بات کا مطلب سمجھ کر سٹپٹا گیا۔ "میں تو ایک ایک پیسے کا حساب....."

"جانتا ہوں میں' تُو کتنا ایماندار ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی' پھر سخت آواز میں پوچھا۔ "لڑکی کے سوتیلے باپ صابر کو تُو نے کتنے روپے دیئے تھے؟"

پہلے تو وہ بدستور جھوٹ بولتا رہا' پھر شاید اسے میری سخت گیری سے اندازہ ہو گیا کہ جھوٹ سے کام نہیں چلے گا تو اس نے میرے پیر پکڑ لئے۔

"غلطی ہو گئی سرکار! آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

استفسار پر معلوم ہوا کہ صابر کو اس نے سانٹ لیا تھا۔ صابر' خازن سے ہر مہینے پچاس روپے ہی وصول کر کے انگوٹھا لگاتا اور لطیف بعد میں اس سے پچیس روپے لے لیتا۔ بندوبست ایسا تھا کہ لطیف کی چوری نہ پکڑی جاتی۔ ایک آدم زاد کا مال تھا جسے دوسرے آدم زاد مل بانٹ کر کھا رہے تھے۔ میری گرہ سے کچھ نہیں جا رہا تھا اس لئے میں نے لطیف کی غلطی معاف کر دی۔ معلوم نہیں وہ ایسی اور کتنی غلطیاں کر چکا تھا' میں نے ان کے بارے میں پوچھنا ضروری نہیں سمجھا' صرف ڈانٹ پھٹکار کر چھوڑ دیا۔ ہاں میں نے اسے یہ حکم ضرور دیا کہ کل صبح شمع کے سوتیلے باپ صابر کو میرے سامنے پیش کرے۔ میرے نزدیک نہ صمد یار خاں شریف تھا' نہ اس کے کارندے۔ سبھی ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ رہے' صابر جیسے بے ضمیر لوگ تو ان کی گرفت ضروری تھی۔

اس معاملے سے نمٹ کر میں خواب گاہ میں لوٹ کر آیا تو شمع کو متفکر پایا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی مسہری سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس پر مجھے بہت رحم آیا۔ اتنی سی عمر میں اس نے نہ جانے کتنے مردوں کے غرض مند چہرے دیکھتے تھے۔ کتنوں کے تصرف میں رہی تھی۔ غرض مند میں بھی تھا مگر میرے ضمیر نے اس کی مجبوریوں کا سودا کرنا گوارہ نہیں کیا۔ میں خود کو پتھر نہ بنا سکا۔ میرے اندر تبدیلی غیر محسوس طور پر پیدا ہو رہی تھی' شاید یہ اسی کا ردعمل تھا۔

"شمع! تم جاؤ اور آرام کرو۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"کیا سرکار! مجھ سے کوئی خدمت نہیں لیں گے؟" اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔ نظریں نیچی

تھیں' اس میں شاید ابھی پیشہ ورانہ بے باکی نہیں آئی تھی۔

"نہیں' ہمیں کسی خدمت کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

"کیا میں' سرکار کے معیار پر پوری نہیں اتری؟ سرکار! مجھے نوکری سے نکال دیں گے؟ اگر..... ایسا ہوا تو وہ ..... وہ میرا سوتیلا باپ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"ڈرو مت' تمہیں نوکری سے نہیں نکالا جائے گا۔ تم اسی حویلی میں رہو گی۔ نہ اب تمہارا سوتیلا باپ تم پر ظلم کر سکے گا۔ تمہاری تنخواہ پچاس روپے مہینہ ہی طے کی گئی ہے۔ یہ تنخواہ اب خود تمہی وصول کیا کرو گی۔ صابر سے اب تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ وہ تمہیں زبردستی یہاں سے نہیں لے جا سکتا۔ ہاں یہ ضرور بتا دو کہ تم اس حویلی میں بخوشی رہنے پر آمادہ بھی ہو یا نہیں؟ اب تک تم پر بہت جبر کیا جا چکا ہے۔ تمہارے حالات کے پیش نظر ہمیں یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم یہیں رہو لیکن اپنی مرضی سے' زبردستی نہیں۔"

تیزی سے پلکیں جھپکاتے ہوئے وہ غیر یقینی سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ کسی خدمت کی انجام دہی کے بغیر سب کچھ حاصل ہو جانا یقیناً اس کے لئے حیران کن ہی رہا ہو گا۔

"میں ..... میں راضی ہوں سرکار!" آخر اس نے کہہ ہی دیا' پھر پوچھا۔ "لیکن میں ..... میں یہاں رہ کر کیا کام کروں گی؟"

"میری خواب گاہ کی دیکھ بھال' صفائی اور دیگر متعلقہ کام تمہارے سپرد ہوں گے۔ تفصیل تمہیں میرے خادم سمجھا دیں گے۔ تم ہماری خادمہ خاص کہلاؤ گی۔" میں نے بتایا۔ جو کام اسے میں نے بتائے تھے' ان کے لئے بہرحال کسی نہ کسی خادمہ کی ضرورت تھی۔ یہ خدمات پہلے جو خادمائیں انجام دیتی تھیں' انہیں پہلے ہی میرے حکم پر وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔

شمع کے چہرے سے میں نے اندازہ لگایا وہ اب کسی قدر مطمئن ہو چکی ہے۔ ایک عورت جو تحفظ چاہتی ہے' اسے مل چکا تھا۔

"اوّل تو اس حویلی میں موجود کسی بھی شخص کی یہ ہمت نہیں ہو سکتی کہ تمہاری طرف میلی نظر اٹھائے' پھر بھی اگر تم کبھی ایسا محسوس کرو تو بلاجھجک مجھے بتا دینا۔"

اس نے اقرار میں سر ہلا دیا' پھر مجھ سے اجازت چاہی۔ "تو میں جاؤں؟"

اسے میں نے جانے کی اجازت دے دی۔ حویلی کا ایک حصہ خادموں اور خادماؤں کے لئے مخصوص تھا۔ لطیف نے اسے بھی وہیں ایک کمرہ دے دیا تھا۔ سو وہ چلی گئی۔

دوسرے روز صبح شمع کے سوتیلے باپ صابر کو میرے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ مدقوق سا ادھیڑ عمر شخص تھا۔ چہرے سے عیاری کی بجائے مظلومیت جھلکتی تھی۔ اس پر مجھے تعجب ہوا۔ لطیف نے غالباً پہلے ہی اسے طلبی کے سبب سے آگاہ کر دیا تھا۔ مظلومیت کے علاوہ اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں بھی تھیں۔

سختی کے ساتھ پوچھ گچھ کرنے پر اس سے شمع کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ سچ بولنے پر میرے دل

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

میں اس کے لئے ایک نرم گوشہ پیدا ہو گیا۔

"تم کوئی کام کیوں نہیں کرتے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی کام ہو سرکار! تو کروں بھی۔ زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جس پر سرکار کے کارندوں نے قبضہ کر لیا۔ تھوڑی بہت کاشت کر کے پیٹ کا دوزخ بھر لیتا تھا' وہ بھی نہ رہا تو....." اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر کسی مجرم کی طرح سر جھکا لیا۔

منشی تفضل بیگ بھی موجود تھا۔ میں نے اس کی طرف سوالیہ نظریں اٹھائیں۔

"سرکار ہی کے حکم پر ایسا کیا گیا تھا۔" منشی بول اٹھا۔ "صابر کی زمین کا وہ ٹکڑا ہماری زمینوں کے درمیان میں تھا۔ اسے زمین کے اس ٹکڑے کی رقم ادا کر دی گئی تھی۔"

مزید چھان بین پر پتا چلا کہ ساری کارروائی محض کاغذی تھی۔ حقیقتاً صابر کو خانہ پری کے لئے تھوڑی سی رقم تھما دی گئی تھی' اتنی رقم کہ وہ دو تین ماہ تک گھریلو اخراجات برداشت کر سکے۔ تمام بات سامنے آنے کے بعد میں نے فیصلہ سنا دیا۔ "آج ہی صابر کو اس کی زمین واپس کر دی جائے۔"

"لیکن سرکار! اس پر تو تیار فصل کھڑی ہے۔ دو چار دن میں فصل کی کٹائی ہونا ہے۔" منشی تفضل بیگ نے اپنی دانست میں مجھے نقصان سے آگاہ کیا۔

"تو کیا ہوا' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم نے جو حکم دیا ہے' اس پر فوراً عمل درآمد ہونا چاہئے۔" میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

"بہتر ہے سرکار!" منشی اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکا۔

کس طرح کچھ لوگ اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کے حقوق غصب کر لیتے ہیں اور مجبوریاں آدم زادوں کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں' مجھے اس کا اندازہ ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس روز بھی جتنے معاملات جاگیر سے متعلق میرے سامنے پیش کئے گئے' میں نے غریبوں کے حق ہی میں فیصلے دے کر صمد یار خاں کا کونڈا کیا۔

اگلے دو روز بھی سکون سے گزرے۔ میں گویا دونوں ہاتھوں سے صمد یار خاں کی جاگیر لٹاتا رہا لیکن تیسرے دن کی صبح میرے لئے ایک ہولناک خبر لے کر آئی۔ صمد یار خان کی مطلقہ بیوی فیروزہ بیگم کو گزشتہ رات قتل کر دیا گیا تھا۔ قاتل نامعلوم تھا۔ اطلاعات کے مطابق ان کے چہرے پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ مجھے اس اطلاع پر بہت رنج ہوا اور پھر میں تحقیق حال کی غرض سے خود وہاں گیا۔ فیروزہ بیگم کے والدین کی کسی سے دشمنی بھی نہیں تھی کہ اس قتل کو دشمنوں کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا۔ ہاں میں نے وہاں موجود لوگوں کے چہروں اور نظروں سے اتنا ضرور محسوس کر لیا کہ فیروزہ بیگم کے قتل میں میرا ہی ہاتھ سمجھا جا رہا تھا۔ نیم پاگل سا ارسلان بیگ بھی مجھے وہیں نظر آیا۔ اس نے بھی زبان سے کچھ نہ کہا لیکن اس کی وحشت زدہ نظریں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ میرے لئے وہاں مزید رکنا دشوار ہو گیا اور میں حویلی واپس چلا آیا۔

فیروزہ کے گھر سے لوٹے مجھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ خلاف توقع صمد یار خاں کا بڑا بھائی احمد یار خاں آن ٹپکا۔ یہ وہی تھا کہ جس کی حویلی سے میں' صمد یار خاں کے جسم میں چھپ کر فرار ہوا تھا۔ اس کی

بیٹی کو دیکھنے عندلیب مجھے ساتھ لے کر گئی تھی۔

اس وقت میں بڑی بے دلی کے ساتھ جاگیر کے ضروری معاملات نمٹانے میں مصروف تھا۔ جاگیر کے تمام ہی متعلقہ کارندے میرے اردگرد موجود تھے۔ احمد یار خاں منہ اٹھائے سیدھا وہیں چلا آیا تھا۔ وہ صمد یار خاں کا بڑا بھائی تھا اس لئے میں نے اپنی نشست سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔

"صمد! ہمیں فوری طور پر خلوت میں تم سے کچھ ضروری گفتگو کرنا ہے۔" احمد یار خاں نے مجھے مخاطب کیا۔

میں نے اس کی تیوریوں پر بل پڑے ہوئے دیکھے تو کچھ کھٹکا کہ آخر بات کیا ہے۔ بہرحال میں اس کے ساتھ نشست گاہ میں آ گیا تھا۔ خادموں کو تاکید کر دی گئی کہ کسی کو اندر نہ آنے دیں۔

"تم نے ہمارے خاندان کی عزت خاک میں ملا دی۔ ہمیں حیرت ہے کہ تم سے ایک عورت نہ سنبھالی گئی۔ تمہاری رسوائی کے قصے صرف ہماری جاگیر تک نہیں' دور دور تک پہنچ چکے ہیں۔ ہمارے دشمن بھی اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ تم اس عورت کی زبان بند نہ کرا سکے جو طلاق لے کر تمہیں بدنام کر رہی تھی۔ کیا ضرورت تھی اسے طلاق دینے کی؟" احمد یار خاں کی آواز میں غصہ بھی تھا' رنج کا عنصر بھی اور جواب طلبی کا انداز بھی۔ وہ ابھی تک بیٹھا نہیں تھا اس لئے مجبوراً مجھے بھی کھڑا رہنا پڑا۔

"آپ تشریف تو رکھئے' بھائی صاحب!" یہ کہتے ہوئے میں معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا خاک بیٹھیں کہ تم نے تو ہمارے دل پر آرے چلا رکھے ہیں۔" نشست گاہ کے طول و عرض کو ناپتے ناپتے وہ ایک صوفے پر بیٹھ ہی گیا اور بولا۔ "ہمیں تم سے کسی ایسی حماقت کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ ہم نے تم سے اس عورت کو طلاق دینے کی وجہ پوچھی ہے' وہ بتاؤ۔"

فیروزہ کو طلاق دینے کا جو سبب تھا' میں نے بیان کر دیا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ عورت بدکردار تھی۔ پھر تم نے یہ بات ظاہر کیوں نہیں کی؟"

"ظاہر تو جب کرتا کہ واقعی وہ بدکردار ہوتی۔ اس کا دامن بے داغ تھا۔"

"تو رسوائی سے بچنے کے لئے تم اسے زہر دے دیتے۔ اس شخص کو قتل کرا دیتے' تم سے شادی کے بعد بھی جسے وہ بھولی نہیں تھی۔"

"یہ سراسر ظلم ہوتا بھائی صاحب!"

"اور ہم پر جو ظلم ہوا ہے' اس کا حساب کون دے گا؟ تمہاری حماقت سے ہمارے خاندان کی جو بدنامی ہوئی ہے' اس کا بدلہ ہم کس سے لیں؟"

"آپ شاید فیروزہ کو قتل کرا کے یہ بدلہ لے چکے ہیں۔" جو بات میرے دل میں تھی' زبان پر آ گئی۔

"ہاں' ہمی نے اس عورت کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کرائی ہے۔ جو قدم تمہیں اٹھانا چاہئے تھا' مجبوراً ہمیں اٹھانا پڑا لیکن اسے بدلہ لینا ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔" احمد یار خاں نے بڑے فخر کے ساتھ فیروزہ

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کو قتل کرانے کا اقرار کیا' پھر کہنے لگا۔ "تمہارے متعلق چند روز میں ہمیں جو اطلاعات ملی ہیں' غلط معلوم نہیں ہوتیں۔ تم یقیناً اب وہ پہلے والے صمد نہیں رہے کہ جس پر ہمیں ناز تھا۔ یہ جاگیر جو ہمارے آباؤ اجداد نے بڑی محنت سے حاصل کی تھی' تم اسے تباہ کر رہے ہو۔ بولو کیا یہ صحیح نہیں؟"

میں اس تصدیق کے بعد کہ احمد یار خاں ہی نے بے گناہ فیروزہ کو قتل کرایا ہے' کھول اٹھا تھا۔ پھر مزید جواب طلبی کے نتیجے میں مجھے اور بھی غصہ آگیا۔

"بھائی صاحب! یہ میری جاگیر ہے' آپ کی نہیں۔ میرے معاملات میں مداخلت کا آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہہ دیا۔

"تُو ..... تُو یقیناً میرا بھائی نہیں ہے۔ کل رات تیرے بارے میں عندلیب بیگم نے جو کچھ کہا تھا' سچ ہی لگتا ہے۔"

عندلیب ..... میرے ذہن میں چھناکا سا ہوا۔ میں نے خطرے کی بو سونگھ لی۔

"وہ اپنے شوہر شہریار کی تلاش میں کل دوبارہ آئی تھیں۔" احمد یار خاں خود ہی بتائے جا رہا تھا۔ "انہی کے سامنے مجھے اپنے آدمیوں سے تیرے متعلق مختلف اطلاعات ملیں۔ عندلیب بیگم نے اس شبے کا اظہار کیا تھا کہ میرے بھائی کے جسم پر شاید کسی جن زاد نے قبضہ کر لیا ہے۔ اب ..... اب مجھے یقین....."

پھر احمد یار خاں نے مزید اور کیا کہا' یہ سننے کے لئے میں وہاں رکا نہیں۔ میں اٹھ کر نشست گاہ کے دروازے کی طرف بھاگا۔ میری مجبوری یہ تھی کہ میں' عندلیب کے کسی متوقع پُراسرار حملے سے بچنے کے لئے فوری طور پر صمد یار خاں کا جسم نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"پکڑو ..... اسے پکڑو' یہ بہروپیا میرا بھائی صمد یار خاں نہیں ہے۔" احمد یار خاں چیختا ہوا میرے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

حویلی کے صدر دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے اچانک عندلیب پر میری نظر پڑی اور جیسے کسی نے میرے پیروں میں زنجیر ڈال دی۔

اب مزید آگے بڑھنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ عندلیب یقیناً اپنے شبے کی تصدیق ہی کے لئے احمد یار خاں کے پیچھے پیچھے آئی تھی کہ اگر اس کا شبہ درست ثابت ہو تو وہ مجھے قابو میں کر لے۔ میں دوبارہ اس کے ہتھے چڑھ جاتا تو پھر رہائی مشکل ہی ہوتی۔ عندلیب کو میں نے صدر دروازے سے داخل ہوتے دیکھا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کی نظر بھی مجھ پر پڑ چکی تھی یا نہیں۔ میرے اور اس کے درمیان بہرحال ابھی خاصا فاصلہ تھا۔ آزادی اور غلامی کے درمیان بھی صرف چند ہی لمحے تھے۔ میں نے ان چند لمحوں سے پورا فائدہ اٹھایا۔

حویلی ہی کی حدود میں صدر دروازے کے قریب دائیں جانب اصطبل تھا۔ میں نے اس طرف دوڑ لگا دی۔ پھر اصطبل کا نگراں یہ کہتا ہی رہ گیا کہ سرکار! میں ابھی گھوڑے پر زین کس کر لاتا ہوں مگر میں اتنی دیر میں ایک گھوڑا کھول کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اس عرصے میں اصطبل کا نگراں صرف اتنا

فراہم کر سکا۔ یہ بھی غنیمت ہوا ورنہ گھوڑے پر سفر کرنا میرے لئے محال ہو جاتا۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سر جھکائے ہوئے اصطبل کے عقبی دروازے سے باہر آگیا کیونکہ اس طرف کے دروازے کی اونچائی زیادہ نہیں تھی۔

اس حویلی کا تفصیلی جائزہ لینا میرے کام آگیا ورنہ شاید میں وہاں سے نکل نہ پاتا۔ اصطبل کے عقب میں ایک تنگ سا راستہ حویلی کے پیچھے چلا گیا تھا۔ تنگی کے باوجود اس راستے پر گھوڑا دوڑانا محال ثابت نہ ہوا۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ احمد یار خاں سے اگر عندلیب کو حقیقت کا علم ہو جاتا تو وہ یقیناً میرا پیچھا کرتی۔ میں اسی لئے جلد از جلد وہاں سے دور نکل جانے کی فکر میں تھا۔ پھر جو ہوتا دیکھا جاتا۔ تھوڑا سا خطرہ مول لے کر میں صمد یار خاں کے جسم کو چھوڑ کے فوراً کسی اور آدم زاد کے جسم میں بھی پناہ لے سکتا تھا۔ اس طرح عندلیب میری تلاش میں کامیاب نہ ہو پاتی۔ اسے میں اپنی خوش قسمتی ہی کہوں گا کہ اس بستی سے نکلتے ہی مجھے دو گھڑ سوار مل گئے۔ وہ اپنے لباس سے ہندو معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھ کسی لڑکی کو بھی بٹھا رکھا تھا۔ میں ان دونوں کے قریب سے تیزی کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا ہوا ذرا آگے نکل گیا۔

جب تک میں' صمد یار خاں کے جسم میں رہتا' میرے لئے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب تک میری تلاش میں گھڑ سوار چل چکے ہوں گے۔ ان کے لئے صمد یار خاں کو پہچان لینا کون سا مشکل ہوتا! گھوڑے کو راستے کی ایک جانب دوڑاتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ دونوں گھڑ سوار بڑی سست رفتاری سے چلے آرہے تھے۔ انہیں شاید اپنی منزل تک پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ انہی کے عقب میں خاصے فاصلے پر مجھے دھول اڑتی دکھائی دی۔

میں نے اس فکر سے بے نیاز ہو کر کہ صمد یار خاں کا کیا ہو گا' ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ صمد یار خاں کے جسم سے نکل کر میں پیچھے کی طرف جھپٹا اور ان میں سے ایک گھڑ سوار کو دبوچ لیا۔ ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں داخل ہونے تک مجھے انتہائی اذیت برداشت کرنا پڑی مگر یہ اذیت گرفتار ہو جانے سے بہرحال بہتر تھی۔

"یہ تجھے کیا ہوا آنند' بیٹھے بیٹھے جھٹکا کیوں کھا گیا؟" دوسرے گھڑ سوار نے مجھے مخاطب کیا۔ اسی نے اپنے آگے ایک جوان لڑکی کو بٹھا رکھا تھا۔

فوری طور پر میں اس کے سوال کا جواب نہیں دے سکا لیکن یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ وہ جسم آنند نام کے کسی شخص کا ہے۔ میں' آنند کے رگ و ریشے میں اتر گیا تو کچھ قرار آیا۔ ساتھی گھڑ سوار نے پھر اپنا سوال دہرایا تو پہلی بار میں' آنند کی آواز میں بولا۔ "بس جھپکی سی آگئی تھی۔"

"رات کو تو پوری نیند سویا تھا' پھر اس وقت کیسے نیند آنے لگی یار!" اس کے انداز گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آنند کا دوست ہو گا۔

"ٹھیک سے سو نہیں سکا' بار بار آنکھ کھل جاتی تھی۔" میں نے یوں ہی بات بنا دی۔

اس وقت تک ہمارے گھوڑے سڑک کے کنارے بے ہوش پڑے ہوئے صمد یار خاں تک پہنچ

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

چکے تھے۔ گھوڑا اسے گرا کر نہ جانے کدھر بھاگ لیا تھا۔

"ارے او آنند' یہ دیکھ کون پڑا ہوا ہے یہاں .....؟ کوئی مار کے نہ ڈال گیا ہو!" ساتھی گھڑ سوار نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "اتر کر دیکھتے ہیں۔"

"کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا تُو! یہاں رکنے کی ضرورت نہیں' تیز چلا چل! کسی چکر میں پھنس گئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے!" یہ کہتے ہی میں نے اپنے گھوڑے کی پسلیوں پر دباؤ بڑھا دیا' اسی کے ساتھ مڑ کر دیکھا۔ گھڑ سواروں کا ایک دستہ ہم سے اب زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ بڑی تیزی سے آ رہے تھے۔

میرا گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگا۔ ساتھی گھڑ سوار پیچھے رہ گیا' لیکن اب مجھے اس کی فکر نہیں تھی۔ میرے نزدیک وہاں سے جلد از جلد دور ہو جانا زیادہ ضروری تھا۔ وہ گھڑ سوار یقیناً صمد یار خاں کی تلاش میں امیر آباد سے چلے تھے۔ صمد یار خاں کو بے ہوش پڑے دیکھ کر وہ ہم سے بھی پوچھ گچھ کرتے۔ یہ امکان بھی تھا کہ شبہے میں مبتلا ہو کر وہ ہمیں بھی پکڑ لیتے۔ میں اسی سبب ساتھی گھڑ سوار سے آگے نکل آیا تھا۔ رک کر اس کے قریب آ جانے کا انتظار حماقت ہوتی اور میں نے یہ حماقت نہیں کی۔

وہ کچا راستہ جس پر میں سفر کر رہا تھا' ایک پختہ سڑک سے آملا۔ میں نے پختہ سڑک کے کنارے گھوڑا دوڑانا شروع کر دیا۔ گھوڑے کو اب سرپٹ دوڑانے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ خطرے کی حدود بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ میں نے اسی لئے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔

ابھی میں نے کچھ ہی فاصلہ طے کیا ہو گا کہ ایک سنگ میل پر نگاہ پڑی۔ اسی کے ساتھ میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ شہر لاہور وہاں سے صرف گیارہ میل کے فاصلے پر تھا۔

پھر پیچھے سے مجھے ایک موٹر کا ہارن سنائی دیا۔ اسی وقت میرے ذہن میں بجلی کے کوندے کی طرح ایک خیال آیا جس پر میں نے فوراً عمل کیا۔ اس موٹر کے قریب آتے ہی میں نے آنند کے جسم کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ ڈرائیور کے علاوہ اس موٹر میں دو افراد پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ میں انہی میں سے ایک کے جسم میں داخل ہو گیا۔ وہ شخص کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھا' عمر چالیس برس کے قریب ہو گی۔ اس کے برابر بیٹھا ہوا آدمی لباس سے ہندو لگتا تھا۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس آدمی نے فوری طور پر مجھے مخاطب نہیں کیا۔ وہ دونوں شاید خاموشی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ دوسرے آدمی کے چہرے سے پتا چل رہا تھا کہ وہ کسی سوچ میں گم ہے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ بول ہی اٹھا۔ اس نے مجھے وکیل صاحب کہا تھا۔

"جی۔" میں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا۔

"موقعہ واردات کا معائنہ کر کے آپ نے کیا اندازہ لگایا؟" اس نے سوال کیا۔

"ابھی تو کوئی خاص اندازہ نہیں لگا سکا۔" میں نے گول مول جواب دیا جو اس کے سوال ہی سے میرے ذہن میں آیا تھا۔

"میں اسی لئے تو آپ کو گاؤں لے کر آیا تھا۔" اس نے کہا۔ پھر وہ نہ جانے کیا کیا ہانکنے لگا۔

"لاہور پہنچ کر اطمینان سے بات ہو گی۔ میں پہلے کسی نتیجے پر خود تو پہنچ جاؤں' تبھی تو آپ کو کچھ بتاؤں گا۔" میں جان چھڑانے کے لئے بولا۔ "ابھی مجھے سوچنے دیں۔"

"ٹھیک ہے وکیل صاحب!" یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔

"بیٹا' لاہور تو آنے دے' پھر دیکھو کہ تجھے اور تیرے اس وکیل کے جسم کو چھوڑ کر میں کس طرح نو دو گیارہ ہوتا ہوں!" میں نے سوچا۔

لاہور کی اپنی ہی ایک کشش اور خوشبو ہے۔ جیسے جیسے شہر قریب آتا گیا میرے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہونے لگا۔ کتنے چہرے تھے جو میری آنکھوں میں گھوم گئے۔ ان میں سب سے نمایاں چہرہ نرگس کا تھا۔ نرگس کے ساتھ ہی میری چشم تصور میں اس کے باپ مولوی کفایت اللہ کا منحوس چہرہ گھوم گیا۔ میں نے لاحول پڑھی اور کار کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

ہر چند کہ عندلیب جو پہلے کبھی للتا تھی' مجھے اسی شہر لاہور سے اغوا کر کے ریاست عظیم پور لے گئی تھی' لیکن اب میں اسے بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اس کی پُراسرار قوتوں کے جال سے بچنے کے لئے اب مجھے کسی آدم زاد کے جسم میں چھپنے کی ضرورت نہ تھی۔ لاہور پہنچ کر مجھے گویا آزادی مل جاتی۔

وہ لمحہ بھی خدا خدا کر کے آ ہی گیا کہ جب موٹر شہر کی حدود میں داخل ہوئی۔ میں نے اس وکیل کے جسم کو چھوڑ دیا۔ ایک آدم زاد کے جسم کی قید سے آزاد ہو کر کچھ دیر تک میں توقع کے مطابق تکلیف کا شکار رہا اور پھر آزادی کے ساتھ کھلی فضا میں پرواز کرنے لگا۔

یہاں فضا میں جال نہیں پھیلے تھے کہ مجھے پر سمیٹ کر کسی آشیانے پر بیٹھنا پڑتا۔ یہ آشیانہ میرے لئے کسی آدم زاد کا جسم ہی تھا۔ خاصی دیر تک میں یونہی بلا مقصد گھومتا پھرتا رہا' پھر ایک طرف چل دیا۔ میرا رخ اس ویران مکان کی طرف تھا کہ جہاں میں اپنے جن زاد دوست یاسف کے ساتھ رہتا تھا۔

ابھی دوپہر نہیں ہوئی تھی۔ میرا یہ خیال درست ہی نکلا کہ رات بھر آوارہ گردی کرنے کے بعد یاسف اب تک سو رہا ہو گا۔ یاسف سے تفریح لینے کی خاطر مجھے شرارت سوجھی۔ میں نے اپنے منہ سے بڑی بھیانک آواز نکالی اور ایک دیوار کی آڑ میں چھپ گیا۔

سوتے سوتے یاسف اچھل پڑا اور پھر حیران پریشان سا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک مرتبہ یاسف نے خود کو عفریت بتا کر مجھے ڈرا دیا تھا۔ میں نے اسی کا بدلہ چکایا اور آواز بدل کر گویا گرجا۔ "بھاگ جا یہاں سے کہ میں ایک عفریت ہوں۔ اس مکان میں اب میں رہوں گا۔"

مجھے پہلے ہی سے اندازہ تھا کہ میرے جسم کی خوشبو سے یاسف کو وہاں میری موجودگی کا پتا چل جائے گا اور یہی ہوا۔ میری گرجدار آواز کے جواب میں وہ زور سے ہنس پڑا' پھر کہنے لگا۔ "اے بے وفا علیالیش! تُو مجھے اکیلا چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا؟ سامنے آ جا کہ میں تجھے پہچان گیا ہوں۔ تیرے جسم کی خوشبو میں کیسے بھول سکتا ہوں!"

میں دیوار کی آڑ سے نکل آیا اور وہ مجھ سے چپٹ گیا۔ گلے شکوے کرنے کے بعد اس نے حقیقت حال جاننے پر اصرار کیا اور بولا۔ "مجھے اب بھی وہ رات یاد ہے کہ جب تُو مجھ سے بچھڑ کر ایک حسین ترین آدم زادی للتا سے ملنے گیا تھا۔"

"کیا تُو یقین کرے گا اے یاسف کہ میں نے اس آدم زادی کو اپنی بیوی بنا لیا تھا!"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

"پھر تو اے میرے یار' تُو بڑا خوش قسمت ہوا۔" وہ خوش ہو گیا۔ "ہمیں اس خوشی کے موقع پر تُو نے بھلا ہی دیا!"

"وہ خوشی کا نہیں زبردستی کا موقع تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"کیا تُو اس کے ساتھ ہی چلا گیا تھا؟ کیونکہ جب میں اگلی رات بہلا سے ملا تو ملتا وہاں نہیں تھی۔"

"میں اپنی مرضی سے نہیں گیا بلکہ وہ مجھے اغوا کر کے لے گئی تھی۔ تجھے یہ سن کر حیرت ہو گی کہ میں آج اسی سے بمشکل جان بچا کر یہاں تک پہنچا ہوں۔"

اس کے بعد یاسف کو میں نے ایک ایک بات تفصیل کے ساتھ بتا دی' کچھ نہیں چھپایا۔ میری روداد کا آخری حصہ سن کر اسے زیادہ حیرت ہوئی۔ یہ حصہ صمد یار خاں سے متعلق تھا۔

"اے علیالیش! میں تیرے اندر ایک بڑی تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔ تُو آخر آدم زادوں کا ہمدرد کب سے ہو گیا؟ تُو پہلے تو ایسا نہ تھا۔" یاسف نے اپنی حیرت کا واضح اظہار کر ہی دیا۔

"ہاں خود مجھے بھی اس پر تعجب ہے اے یاسف! میرے اندر یہ تبدیلی کب اور کیسے آئی' میں نہیں جانتا۔ ہاں' مجھے یہ خبر ہے کہ بے غرض کسی کی مدد کر دینے سے ایک ایسی خوشی حاصل ہوتی ہے کہ جس کا کوئی بدل نہیں۔ گزشتہ دنوں مجھے اس کا تجربہ کئی بار ہوا۔" میں نے اسے بتایا۔

"یہ کوئی خاص بات نہیں' بس اتنا ہے کہ مجھ سے دور رہ کر تُو کچھ خراب ہو گیا ہے۔" یاسف دھیرے سے ہنسا۔ "بھائی دروازے کے دو چار پھیرے لگا کر تُو ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہائے ظالم' تُو نے یہ کیا ذکر چھیڑ دیا!" میں نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ "کچھ خیر خبر سنا ادھر کی' کیا حال احوال ہیں!"

"میں کیا تجھے کوئی پاگل جن زاد نظر آتا ہوں!" یاسف بولا۔

"کیوں' اس میں پاگل ہونے کی کیا بات ہے؟"

"مجھے اپنے دیدہ و دل عزیز ہیں اور جان بھی' تو پھر اس گلی میں کیوں جاتا! ایک بار مرتے مرتے بچ گیا' یہی بہت ہے۔"

"وہ تو خیر میں بھی کڑی آزمائش سے گزر چکا ہوں۔ اے یاسف! عشق میں ایسے مقامات تو آتے ہی ہیں!"

"عشق تُو نے کیا ہے' اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے کبھی یہ روگ نہیں لگا۔ ہاں' وہ جو تجھ سے عشق کرتی ہے' ایک مرتبہ شہر سے باہر رات کے وقت تجھے ڈھونڈتی ضرور مل گئی تھی' مگر اس کو بھی بہت دن ہو گئے۔ تُو سمجھ گیا ہو گا کہ میں کس کا ذکر کر رہا ہوں!"

"ہاں' سمجھ گیا۔" میں نے کہا۔ "تُو عالم باموس کی بیٹی جن زادی وازعہ کی بات کر رہا ہے۔ اس کا ذکر چھوڑ اور یہ بتا کہ میرے ساتھ بھائی دروازے چل رہا ہے؟ کم از کم اس مولوی زادی کی ایک جھلک تو دیکھ ہی لیں کہ جس نے جن زادوں کو بھی دیوانہ بنا رکھا ہے!"

"تجھے اس کی جھلک دیکھنے کا شوق ہے تو خود اکیلا ہی چلا جا۔ ابھی میں کچھ دیر اور سونا چاہتا ہوں۔"

یاسف نے جواب دیا۔ "دن ڈھلے تک لوٹ آئے گا نا؟" جواب دے کر وہ پوچھنے لگا۔

"ہاں۔ امید تو ہے کہ زیادہ دیر نہیں ہو گی۔"

"کسی آدم زادی کے ہاتھوں اغوا ہونے کا تو اب خطرہ نہیں؟" اس کے لہجے میں شوخی تھی۔

یاسف کی اس بات پر مجھے ایک بات یاد آ گئی۔ میں نے یاسف کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا۔ "سن اب کچھ دن کے لئے بہلا سے کنارہ کشی کر لے۔ میں بھی اس کی طرف نہیں جاؤں گا۔ ممکن ہے' میری تلاش میں عندلیب کسی روز وہاں آ جائے۔ ایک جن زاد ہونے کے ناتے وہ تجھے بھی کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"تُو نے اچھا کیا کہ بتا دیا' میں ادھر جانے سے گریز کروں گا اور ہاں' ایک بات مجھے بھی تجھ سے کہنی تھی۔ ممکن ہے خبیث مولوی کفایت اللہ نے ہم دونوں میں سے کسی کو زیر دام لانے کے لئے اب تک کوئی جال پھیلا رکھا ہو۔ تجھے ادھر جاتے ہوئے بہت محتاط رہنا پڑے گا' اے علیالیش!"

"معلوم نہیں تجھے میں نے بتایا تھا یا نہیں کہ وازعہ سے مجھے کیل دیئے جانے والے کسی مکان میں داخل ہونے کا عمل معلوم ہو گیا تھا۔ اس عمل کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ کم از کم تین روز تک پاک صاف رہا جائے اور اس عرصے میں کسی بھی وقت کی نماز قضا نہ ہو۔ اسی کے بعد وہ عمل پڑھ کر اپنے آپ پر دم کیا جائے گا۔ جس روز بھی نے میں نے عمل کی یہ کڑی شرط پوری کر لی' کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ پھر میں جب چاہوں' نرگس سے ملنے اس کی حویلی میں داخل ہو سکتا ہوں۔"

"اے علیالیش! میرا دوستانہ مشورہ تیرے لئے یہی ہے کہ پہلے اس قابل ہو جا' یعنی عمل کر لے۔ پھر میں تجھے وہاں جانے سے نہیں روکوں گا۔"

"عمل کی شرط بھی تو بڑی مشکل ہے' یہ تو سوچ!" میں بولا۔ "پورے تین دن کم ہوتے ہیں کیا!"

"یہ تو ہے۔" یاسف نے میری بات کی تائید میں کہا کہ وہ بھی مجھی جیسا تھا۔

☆======☆======☆

پھر یاسف تو سونے کے لئے لیٹ گیا اور میں بھائی دروازے کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں کچھ ہی دیر میں وہاں جا پہنچا۔ وہ مانوس گلی کوچے عرصہ دراز کے بعد کر عجب سی خوشی ہوئی۔ درِ یار پھر درِ یار ہے! یہ سوچتا ہوا میں نرگس کی حویلی کے اوپر چکر لگانے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ نرگس کا باپ مولوی کفایت اللہ دوپہر کا کھانا گھر ہی آ کر کھاتا ہے۔ کھانے کا وقت گزرے دیر ہو چکی تھی۔ اس وقت حویلی میں مولوی کی موجودگی کا امکان نہیں تھا۔ سو میں بہت احتیاط کے ساتھ دھیرے دھیرے نیچے آیا اور اوپر ہی سے صحن میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ حویلی میں داخل ہونے کا خطرہ مول لینے سے میں نے بہر حال گریز کیا۔ ہر چند کہ اس واقعے کو کافی دن بیت چکے تھے جب میں مولوی کے کھینچے ہوئے نادیدہ حصار میں قید ہو گیا تھا' پھر بھی احتیاط لازمی تھی۔ کیا خبر مولوی کی حویلی کتنے عرصے کے لئے کیل دی گئی ہو!

طلب صادق ہو تو بگڑے کام بھی بن جاتے ہیں۔ نرگس کا دیدار ہو ہی گیا۔ وہ صحن میں ایک طرف رکھی گھڑونچی کی طرف بڑھتی دکھائی دے گئی۔ گھڑے پر رکھے ڈونگے سے اس نے پانی نکالا اور نقشین

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

کٹورے میں پلٹنے لگی۔ اسے دیکھ کر جیسے میرے وجود میں محبت کا ایک الاؤ سا بھڑک اٹھا۔ میرے جذبات بے قابو ہونے لگے۔ اگر وہ اسی وقت پلٹ کر اندر دالان کی طرف نہ چلی گئی ہوتی تو شاید میں ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر اس کے قریب چلا جاتا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی جس کے دیدار کی آرزو مجھے یہاں کھینچ لائی تھی۔ میرا مقصد پورا ہو گیا تو میں وہاں سے لوٹ آیا۔ میں نے واپسی میں اقبال کے متعلق سوچا' وہی جو نرگس کا محبوب تھا۔ اسی کے ساتھ مجھے دیسی عیسائی لڑکی ریٹا بھی یاد آئی اور پھر میرا رخ خود بخود ہی ایل ڈی اے' یعنی ادارہ ترقیات لاہور کی طرف ہو گیا۔ دفتر کا وقت ختم ہونے میں ابھی دیر تھی۔

اقبال کو میری ہی وجہ سے سیکشن انچارج بنایا گیا تھا۔ اس کے افسر شری واستو کی تنزلی ہو گئی تھی۔ متعصب ہندو افسر شری واستو' اقبال کا ماتحت تھا۔ آخری بار جب میں یہاں آیا تھا تو یہی صورت حال تھی۔ مجھے اسی لئے شری واستو کو سیکشن انچارج کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اقبال شاید نااہلی کے سبب اپنا عہدہ برقرار نہ رکھ سکا تھا۔ مجھے اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی کہ اقبال کو عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ مجھے تو اس پر افسوس ہوا کہ شری واستو جیسا متعصب ہندو پھر اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ میں نے اقبال پر نظر ڈالی تو وہ سر جھکائے کام میں مصروف تھا۔ ریٹا بھی اپنی کرسی پر بیٹھی دکھائی دی۔ بلا سبب بات بے بات مسکراتے رہنا ریٹا کی عادت میں شامل تھا' لیکن اس وقت وہ خلاف توقع مجھے اداس لگی۔ معلوم نہیں اس کی اداسی کی وجہ کیا تھی!

اچانک اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے شری واستو نے آواز لگائی۔ "مس ریٹا! ادھر آؤ!" شری واستو کے سامنے کچھ کاغذات رکھے تھے۔ اس نے کاغذات سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

ریٹا اپنی سیٹ سے اٹھ کر شری واستو کے سامنے پہنچ گئی اور بولی۔ "جی سر!"

شری واستو نے تیوریوں پر بل ڈال کر ریٹا کو مخاطب کیا۔ "آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں یہ بات مارک کر رہا ہوں کہ تم بھی اقبال کی طرح دماغ گھر رکھ کر دفتر آتی ہو!"

"میں نے آپ کو بتایا تو تھا سر کہ میری ممی کی طبیعت خراب ہے۔" ریٹا نے جواب دیا۔

"تمہاری ممی کی بیماری کا اس دفتر سے کوئی تعلق نہیں! کام کرنا ہے تو دماغ حاضر رکھو ورنہ میں اوپر والوں سے تمہاری شکایت کر دوں گا!"

شری واستو کا لہجہ توہین آمیز تھا اس لئے مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ ریٹا بہرحال میری محبوب نظر رہ چکی تھی۔ جواباً میں نے ایک عدد طمانچہ شری واستو کے رخسار پر "عرض" کر دیا۔ طمانچہ اتنا زوردار تھا کہ پورا کمرا اس کی آواز سے گونج اٹھا۔ اسی کے ساتھ شری واستو اپنا رخسار سہلانے لگا۔ اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں تھیں کیونکہ طمانچہ مارنے والا اسے نظر نہیں آیا۔ طمانچے کی آواز سن کر سبھی شری واستو کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

"کام کرو تم لوگ اپنا!" شری واستو کے خوف پر غصہ غالب آ گیا تھا۔ اس کا پتا آواز سے لگانا مشکل نہیں تھا۔ پھر اس نے اپنے سامنے رکھے ہوئے سارے کاغذات اٹھائے اور ریٹا کو دیئے۔ "جہاں جہاں میں نے سرخ نشان لگائے ہیں' ان پیراگرافز کو غور سے پڑھ کر دوبارہ لکھو! اس مرتبہ میں تمہیں غلطی کی

اجازت نہیں دوں گا!"

"ابے گھامڑ! غلطی کرتے ہوئے کوئی اجازت بھی لیتا ہے جو تُو ایسی احمقانہ بات کر رہا ہے۔" میں نے شری واستو سے سرگوشی کی۔

وہ ایک دم اچھل پڑا۔ ریٹا اس وقت تک گئی نہیں تھی۔ وہ پوچھ بیٹھی۔ "کیا ہوا سر؟"

"کک ..... کچھ نہیں۔ تم ..... تم اپنی سیٹ پر جا کے بیٹھو۔" شری واستو سٹپٹا کر بولا۔

ریٹا اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئی تو میں نے ایک بار پھر شری واستو کو مخاطب کیا۔ "غرور و تکبر چھوڑ دے ہندو بچے!"

"کون ..... کون ہو تم؟ اور ..... اور مجھے نظر کیوں نہیں آ رہے؟" شری واستو کی خوفزدہ آواز اتنی دھیمی تھی جیسے وہ آپ ہی آپ بڑبڑا رہا ہو۔

"ابے او گاؤدی! کبھی کوئی آتما (روح) بھی کسی کو دکھائی دی ہے جو تجھے ٹپ جائے گی! مجھ سے پوچھ رہا ہے' کون ہوں! کیا منہ پر طمانچہ کھا کر تُو نے کوئی اندازہ نہیں لگایا! تجھے کیا یہ بھی خبر نہیں کہ بزرگ ہی بچوں کی غلطیوں پر انہیں سزا دیتے ہیں۔ تُو نے بلا قصور اپنی افسری چھانٹنے کے لئے اس بے چاری لونڈیا کو ڈانٹ پلا دی حالانکہ پلانے کو اور بہت سی چیزیں بھگوان نے بنائی ہیں۔ مثلاً سوڈا واٹر' شربت اور وغیرہ وغیرہ! تجھے اتنا خیال بھی نہیں آیا کہ اس کی ماتا (ماں) بیمار ہے! انسان بن انسان! دنیا میں کوئی بھلائی کا کام بھی کر لے کہ لوگ تجھے اچھے لفظوں میں یاد کریں ورنہ تو' رام نام ست ہے' کی صدائیں بلند ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے!" میں جان بوجھ کر اس کی زبان' محاوروں اور اصلاحات میں یہ تقریر اسے پلا رہا تھا۔ جب ہندوؤں کا "دی اینڈ" لگ جاتا ہے اور ان کی ارتھی' یعنی جنازہ اٹھا کر لے جاتے ہیں تو "رام نام ست ہے" زور زور سے کہتے ہیں۔ جواب میں دوسرے لوگ ست یعنی سچ بولنے کو عقل مندی بتاتے ہیں۔ کچھ ایسے الفاظ ہیں "ست بولو....." وغیرہ! مسلمانوں میں ایسے مواقع پر "مومنو! یہ آواز بلند کلمۂ شہادت" کہا جاتا ہے۔ اس طرح کے الفاظ کسی ہندو یا مسلمان کے سامنے دہرا دو تو جھٹا جھٹ اس کی آنکھوں میں کسی ارتھی یا جنازے کے اٹھنے کا منظر گھوم جاتا ہے۔ میں نے بطور عبرت اسی غرض سے شری واستو سے یہ الفاظ کہے تھے کہ اگر وہ کچھ اور نہیں تو چشم تصور سے اپنی ارتھی اٹھتے ہوئے دیکھ کر عبرت پکڑ لے۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میں نے مزید کہا۔ "میں تیرے ایک پُرکھے (جدامجد) کی آتما ہوں اور میرا مقصد تجھے نصیحت کرنا ہے کہ اپنا کمینہ پن چھوڑ دے! رام کے بھگت اور رحیم کے بندے سب ایک ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی دھرم (مذہب) آدمی سے آدمی کو نفرت کرنا نہیں سکھاتا۔ اب بھی اگر تُو نہ بدلا تو میں تجھے پچھاڑ کے تیرا گلا دبا دوں گا!"

"نن..... نہیں!" شری واستو بول اٹھا۔ "بھگوان کی سوگند (قسم) اب سے کوئی ہندو ہو کہ مسلمان' سکھ ہو کہ عیسائی میں کسی پر اتیاچار (ظلم) نہیں کروں گا۔"

"تو پھر لا اسی خوشی میں اپنا دوسرا گال ادھر کہ حساب برابر ہو جائے۔ اب تک جو تُو اتیاچار کرتا رہا ہے اس کا ڈنڈ بھی تو بھگتنا پڑے گا!"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

اس نے بڑی شرافت کے ساتھ اپنا بایاں رخسار آگے کر دیا اور میں نے بڑی شقاوت کے ساتھ دوسرا طمانچہ جڑ دیا۔

کمرے میں موجود شری داستو کے ماتحت طمانچے کی گونج سے ایک مرتبہ پھر چونک اٹھے مگر اس بار شری داستو نے انہیں نہیں ڈانٹا۔ اس خبیث روح کو راہِ راست پر لانے کا مجھے یہی راستہ نظر آیا تھا کہ وہ آئندہ اپنے ایک پُرکھے کی آتما سے ڈرتا رہے اور کسی کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ ہی دن کو سہی' وہ سیدھا ہو جائے گا۔

میرا جی تو چاہ رہا تھا کہ ذرا دیر ایک سانولی سلونی لڑکی سے بھی چھیڑا چھاڑی کر لوں لیکن ریٹا ڈر جاتی اسی لئے ارادہ بدل دیا۔ یوں بھی وہ "اداس بلبل" بنی بیٹھی تھی۔ آدم زادیاں مجھے اس حالت میں ایک آنکھ تو کیا دونوں آنکھوں نہیں بھاتیں۔ جب تک وہ نہ ہنسیں اور ان کے منہ سے ایک خاص قسم کی آواز "قل قل" نہ نکلے مزا نہیں آتا۔ ایسی کم ہی ہوں گی کہ ان کی اداسی پر بھی سو جان سے قربان ہو جانے کو جی چاہے۔ ریٹا کی اداسی سے قطع نظر مجھے اس دفتر میں ایک اور کام بھی تھا۔

جنات کو اللہ تعالیٰ نے جو حیرت انگیز صفات عطا کی ہیں' ان میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی آدم زاد کے جسم میں داخل ہوئے بغیر اس کی شکل و صورت بھی اپنا سکتے ہیں۔ وہی صورت' وہی جسم اور وہی آواز! جنات کے علاوہ فرشتوں کو بھی یہ صفت عطا کی گئی ہے کہ وہ کسی بھی شکل میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ فرشتوں اور جنات میں فرق ہے۔ وہ جب کسی شکل میں ظہور کرتے ہیں تو انہیں کوئی زحمت یا اذیت نہیں ہوتی۔ ہاں' جنات کو کسی آدم زاد کی ہو بہو تصویر بنتے ہوئے ایک خاص عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ عمل بہرحال تکلیف دہ ہے۔ اس کا سبب آگ اور مٹی کا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً جنات کسی زندہ یا مردہ آدم زاد کی نقل مطابق اصل بننے سے کتراتے ہیں۔ میں اسی لئے اب تک کسی آدم زاد کی نقل نہیں بنا تھا کہ خدا جانے کس اذیت سے گزرنا پڑے۔ ہاں' فرضی صورتیں کئی دفعہ اختیار کی تھیں۔ اس میں گدھا' گھوڑا' کتا' بلی' سانپ اور شیر بن جانے کی طرح کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ گدھے بن جاؤ کہ آدمی' کسی جن زاد پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گزشتہ دنوں ہی میں خاصے دن انسانی ہیئت میں رہا تھا۔ شہریار بن کر عندلیب کے ساتھ! مجھے ایک آدم زاد کا فرضی قالب اختیار کرتے ہوئے کوئی اذیت نہیں ہوئی تھی۔ ہاں' کسی سچ مچ کے آدم زاد کے جسم میں گھسنا اور نکلنا ضرور تکلیف کا سبب ہوتا ہے۔ یاسف مجھ سے بھی زیادہ کائیاں جن زاد ہے۔ اس نے البتہ ایک مرتبہ کسی آدم زاد کی ہو بہو شکل اختیار کی تھی۔ اسے بھی خبر تھی کہ ایسا کرتے ہوئے بڑی تکلیف اٹھانا پڑے گی لیکن اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ یاسف نے بطور عبرت مجھے یہ پورا قصہ تفصیل کے ساتھ سنایا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ جو کوئی جن زاد کسی آدمی کی نقل بنتا ہے تو قدرت کی طرف سے اسے سزا ملتی ہے۔ سزا یہ ہے کہ خاصی دیر تک اس کے وجود کو جیسے تپتے ہوئے لوہے سے داغا جاتا ہے۔ اس پر ستم یہ کہ منہ سے ایک بار بھی آہ نکل گئی تو وہ نقل نہیں بن سکتا' اصل یعنی جن زاد ہی رہتا ہے۔ یہ سن کر واقعی میں نے عبرت پکڑ لی تھی کہ کبھی کسی آدم زاد کی نقل بننے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اسی کے ساتھ یاسف نے بقیہ جو واقعہ بیان

کیا وہ بہت دلچسپ اور میرے وجود میں سنسنی سی دوڑانے کے لئے کافی تھا۔ عبرت پکڑ لینے کے باوجود میرا بھی دل چاہا تھا' کاش میں بدبخت یاسف کی جگہ ہوتا۔

واقعہ یہ تھا کہ ایک خوبصورت آدم زادی پر یاسف کا دل آ گیا۔ اس سیم تن کی شادی کو چند ہفتے ہوئے تھے۔ ظالم کسی طرح یاسف کو پیچھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دے رہی تھی۔ نرگس ہی کی طرح اسے بھی کچھ ایسے وظائف کا علم تھا کہ ادھر یاسف گھر میں داخل ہوا' ادھر اس نے ریس لگوا دی۔ اب اسے دھوکا دینے اور آرزوئے وصال پوری کرنے کی ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ یاسف اس کے شوہر کی نقل بن جاتا۔ اس طرح وہ یقیناً دھوکا کھا جاتی۔ اسے کوئی شک ہوتا تو وظیفہ وغیرہ پڑھ کر یاسف کو بھگاتی۔ بھلا اپنے شوہر نامدار کو کون بیوی ریس لگواتی ہے۔ اس ماہ وش کا شوہر کوئی ایسا کام کرتا تھا کہ جس کے سبب اکثر دوسرے شہروں میں بھی ہفتے دس دن کبھی کبھار رہ جانا پڑتا۔

یاسف تو تاک میں تھا ہی۔ ادھر شوہر دوسرے شہر سدھارا' ادھر یاسف نے اس کی جگہ لے لی۔ اس ماہ رو سے یہ بہانہ بنا دیا کہ دورہ منسوخ ہو گیا ہے اور کچھ دن تمہارے ساتھ چین سے گزارنے کے لئے میں نے دفتر سے چھٹی لے لی ہے۔ گھر میں شوہر کے سوا کوئی اور تھا نہیں۔ شوہر کے گھر والوں کی مستقل سکونت بمبئی میں تھی۔ وہیں دونوں کی شادی ہوئی تھی اور پھر ملازمت کی مجبوری کے سبب شادی کے پہلے ہی ہفتے میں شوہر اپنی بیوی کو ساتھ لے کر لاہور آ گیا تھا۔ اس کی بدقسمتی سے خوبصورت بیوی پر یاسف کی نظر پڑ گئی۔ تبھی سے یاسف اس کے گھر کے چکر کاٹنے لگا۔ جب کسی طرح بات نہ بنی تو بہ مجبوری یاسف کو انتہائی قدم اٹھانا پڑا۔

پورے پانچ دن تک یاسف نے اس گل بدن کا شوہر بن کر عیش کئے۔ شوہر کا دورہ پورے آٹھ دن کا تھا مگر کام جلدی نمٹ گیا اور وہ چھٹے روز ہی لاہور آ دھمکا۔ یاسف اس وقت بھی شوہر کا "ڈپلیکیٹ" بنا بیوی کو گلے کا ہار بنائے ہوئے تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔

یہ دستک خلاف توقع تھی کیونکہ اب تو لاہور میں ان کے عزیز و اقارب نہیں تھے کہ گھر میں کسی کی آمد و رفت ہوتی' شوہر کے دوست احباب جو تھے وہ شوہر کی غیرموجودگی میں آتے جاتے نہیں تھے۔ اس کے علاوہ وہ آدم زادی بھی لئے دیئے رہتی۔ محلے پڑوس کی عورتوں سے ابھی اس کی اتنی رسم و راہ نہیں ہوئی تھی کہ ایک دوسرے کے گھر آنا جانا شروع ہو جاتا۔ یاسف اسی لئے چین کی بانسری بجا رہا تھا اور "بانسری" کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ نہ کسی کے آنے کا دھڑکا نہ کوئی خوف! ان آئیڈیل قسم کے حالات میں جب اچانک گھر کے دروازے کی کنڈی بجی تو یاسف بنسری یا بانسری بجانا بھول گیا' یوں جیسے ہرن کسی شکاری کو دیکھ کر چوکڑی بھرنا بھول جاتے ہیں۔ وہ جلدی سے یہ کہتا ہوا باہر نکلا کہ میں دیکھتا ہوں' اس وقت کون حرامزادہ کباب میں ہڈی بننے آ گیا!

پھر یاسف نے دروازے کی جھری سے باہر جھانک کر دیکھا تو "اصلی تے وڈا" شوہر سامنے کھڑا تھا۔ دروازہ کھلنے میں دیر ہوئی تو اس نے بیوی کا نام لے کر اسے آواز دی۔

بیوی بے چاری اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ فوراً اندر کمرے سے نکل کر صحن عبور کرتی اور

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

دروازہ کھول دیتی۔ سو یوں اسے کمرے سے نکلنے میں دیر ہوئی۔ معلوم نہیں دروازہ اتنی دیر نہ کھلنے پر شوہر کو کس طرح کسی "گڑبڑ" کا خیال آگیا۔ اس خیال کا اظہار شوہر کے گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے سے ہوا۔ وہ چیخ چیخ کر بیوی کو پکارے جارہا تھا۔

صورت حال سے فائدہ اٹھا کر یاسف نقل سے اصل پر آگیا۔ اس نے دل ہی دل میں شوہر کو برا بھلا کہتے ہوئے کنڈی کھول تو دی مگر وہیں ارد گرد منڈلاتا رہا کہ دیکھے اب کیا ہوتا ہے۔ آئندہ کے لئے ادھر آنے کا چانس باقی بچا ہے یا نہیں!

دروازہ کھلتے ہی "اصلی شوہر" دندناتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ اندر قدم رکھتے ہی اس نے یوں چاروں طرف کا جائزہ لیا جیسے اپنی خوبصورت بیوی کے متوقع عاشق بامراد کو تلاش کر رہا ہو۔ اس پریشانی میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ گھر کا دروازہ کس نے کھولا! اسے کیا خبر تھی کہ اس کا کردار ادا کرنے والا دروازہ کھول کر چمپت ہو چکا ہے اور اس طرح چمپت ہوا ہے کہ وہاں موجود ہو کر بھی گویا ناموجود ہے۔ جن زاد ہونے کا یہ بھی ایک بڑا فائدہ ہے۔

پھر ادھر تو شوہر گھر کا صحن عبور کر کے بکس ہاتھ میں اٹھائے کمرے کے دروازے پر پہنچا' ادھر وہ نازنین کہ جو پہلے باہر آنے کی پوزیشن میں نہیں' بال و کھرائے کمرے سے نکلی۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھ کر حق بق رہ گئے۔ بیوی غالباً اس پر حیران تھی کہ شوہر جو ابھی کسی اور حال میں تھا' مسافر کیسے بن گیا؟ شوہر کو شاید اس پر حیرت تھی کہ بیوی کی آنکھوں کا کجرا کس طرح پھیلا ہوا ہے؟ دراز زلفیں اس طرح کیوں کھلی ہیں جیسے کسی کے شانوں پر پریشاں ہوئی ہیں؟

شوہر نے بتایا کہ وہ کیوں آٹھ دن سے پہلے آگیا! بیوی بولی' تم گئے ہی کب تھے! تم نے چین کی بانسری بجانے کو دفتر سے چھٹی لے لی تھی!

کچھ اسی طرح کے مکالمات کی تبدیلی کے بعد ان دونوں کو حقیقت کا علم ہو گیا کہ کوئی رقیب روسیاہ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر بھاگ لیا ہے۔

مرد بد بخت ایک چھوڑ دس مرتبہ عورت سے بے وفائی کر جائے' اس کی عزت و آبرو کو خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اگر بے چاری عورت کے ساتھ کوئی فراڈ ہو جائے تو وہ مرد کو برداشت نہیں ہوتا۔ وہ ماہ جبیں بہت روئی گائی کہ دھوکے میں کسی نے اس کے ساتھ یہ کام دکھا دیا ہے مگر شوہر نہ پسیجا۔ وہ سارے کام کاج چھوڑ چھاڑ کر بیوی کو بمبئی بھیجنے پر آمادہ ہو گیا اور اسی وقت کھڑے کھڑے طلاق دے دی۔

یاسف "ڈراپ سین" ہوتے ہی وہاں سے پھوٹ لیا' پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کیا کہ وہ تو شہر ہی چھوڑ گئی تھی کہ جس کی گلی کے پھیرے لگاتے یاسف تھکتا نہیں تھا۔

ماضی کے اس دردناک قصے کے بعد کہ جس کی وجہ سے ایک گھر اجڑ گیا' میں پھر حال کی طرف لوٹتا ہوں۔ واقعہ یہ تھا کہ میرے دل میں یہ حسرت تھی کہ میں کبھی کسی آدم زاد کا ڈپلیکیٹ بنوں۔ یہ ذکر میں نے یوں کیا کہ اسی روز اقبال کے دفتر میں اس تلخ تجربے سے پہلی بار گزرا۔

مجھے دراصل یہ جاننے کی بیتابی تھی کہ میری محبوبہ دل نواز یعنی نرگس سے اقبال کا دوسرا نکاح ہوا یا نہیں؟ ایک طرف تو تجربے سے گزرنے کا شوق' دوسری جانب حقیقت حال جاننے کی فوری جستجو دامن گیر تھی۔ سو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اپنے رقیب اقبال کا ڈپلیکیٹ بن گیا۔ اس تجربے سے گزرتے ہوئے بلاشبہ مجھے اذیت ہوئی' لیکن اس قدر نہیں کہ جتنی میرے ہم قوموں یعنی جنات نے مشہور کر رکھی تھی۔ ممکن ہے' اس کا ایک سبب یہ بھی ہو کہ آدم زادوں کے درمیان رہتے ہوئے مجھ پر اتنی مشکلیں پڑ چکی تھیں کہ اب ہر مشکل آسان معلوم ہوتی تھی۔ "مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں۔" مرزا غالب کی طرح میرا بھی کچھ یہی حال تھا۔ میں اس سے کہیں بڑی اذیتیں جھیل چکا تھا۔ آئندہ کے لئے بھی میں نے کچھ ایسی منصوبہ بندی کی تھی کہ وقت پڑنے پر ہر رنگ میں ظاہر ہو سکوں۔ اس کے لئے ظاہر ہے کہ پہلے ریہرسل ضروری تھی۔ ایک جن زاد کو جو جو صفات بھی ودیعت کی گئی ہیں' میرا ارادہ ان سبھی سے فائدہ اٹھانے کا تھا۔

جن دنوں میں نے اقبال کے جسم پر قبضہ کیا تھا' اس کے دفتر آمد و رفت رہتی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ کہاں کسی آدم زاد کی نظر مجھ پر نہیں پڑے گی۔ دفتر کا یہ ایسا ہی ایک گوشہ تھا جسے میں نے گوشۂ عافیت جانا۔ ایک تکلیف دہ عمل سے گزر کر میں' اقبال کی نقل بن گیا۔ یعنی اب ایک اقبال تو اپنے سیکشن میں بیٹھا جھک مار رہا تھا اور دوسرا اقبال اس طرف چل دیا تھا کہ جہاں اس دفتر کا انگریز سربراہ بیٹھتا تھا۔ اسی کے کمرے کے باہر وہ "پاکٹ سائز" شخص ایک اسٹول پر مجھے براجمان ملتا کہ جس کا ذکر میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ عقل کے ساتھ ساتھ اس کی ہر چیز ہی چھوٹی تھی اور نام بھی چھوٹے خاں تھا۔ یہی چھوٹے خاں تھا کہ جو اقبال کو اپنا داماد بنانے کے لئے تڑپ رہا تھا۔

اپنے اغوا سے پہلے میں' چھوٹے خاں سے ملا تھا۔ اسی سے مجھے یہ خبر ملی تھی کہ مولوی کفایت اللہ نرگس کا نکاح دوبارہ اقبال سے کرنے والا ہے۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر چچا چھوٹے خاں نے اپنی ٹانگ درمیان میں اڑا دی تھی کہ لونڈے یعنی اقبال کو وہ اپنی لونڈیا کے لئے لے اڑے۔ اسی سلسلے میں وہ اقبال کے باپ افضل پر دوبارہ جال پھینکنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ مجھے نہ تو اقبال سے کوئی دلچسپی تھی نہ چھوٹے خاں سے۔ میرا مسئلہ تو صرف یہ تھا کہ نرگس کا نکاح ثانی یا نکاح اصلی اقبال سے نہ ہو پائے۔ ایک میں ہی کیا' کوئی بھی عشق پیشہ جن زاد اپنی محبوبہ کو کسی دوسرے کے پہلو میں دیکھنا گوارہ نہیں کرتا۔ اب اگر نکاح ہو جاتا تو ایک نہ ایک روز تو نرگس کی رخصتی بھی ہو جاتی۔ پھر میں ٹاپتا رہ جاتا۔ تازہ ترین صورتِ حال سے باخبر ہونے کی خاطر چھوٹے خاں ہی فی الحال ایک ذریعہ تھا۔ وہ اپنے متوقع داماد کو یقیناً سب کچھ بتا دیتا۔

ایک عرصے پہلے چھوٹے خاں کو میں جس طرح اسٹول پر بیٹھے چھوڑ گیا تھا' اسی طرح بیٹھا ملا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کی باچھیں کھل اٹھیں۔ اسی کے نتیجے میں اس کی چگی داڑھی بھی ہلی۔ حسب عادت وہ لٹک کر بولا۔ "آؤ اقبال بیٹے! تمہارے تو اب درشن ہی نہیں ہوتے۔ یقین جانو میاں کہ آج تمہیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔"

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

مجھے خبر تھی کہ اقبال سر سے پیر تک نرگس کے عشق میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں وہ چھوٹے خاں کو لفٹ کیوں دیتا۔ اقبال کو علم تھا کہ چچا چھوٹے خاں اسے اپنی فرزندی میں لینے کے آرزو مند ہیں۔ چھوٹے خاں نے اسی لئے مجھے اقبال جان کر بڑی خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ اس کے برابر لکڑی کی ایک بینچ اور کبھی کوئی اسٹول پڑا رہتا تھا کہ اپنے ملنے جلنے والوں کو وہاں بٹھا سکے۔ اس وقت اسٹول ہی تھا جس پر مجھے بٹھا دیا۔

اسٹول پر بیٹھتے ہی میں نے اس بڈھے کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کا آغاز کر دیا اور بولا "چھوٹے چچا! آپ یقین کریں یا نہ کریں' میں تو دل سے آپ کی اب بھی اتنی ہی عزت کرتا ہوں جتنی پہلے کرتا تھا۔ بس وقت اور حالات نے مجبور کر رکھا ہے کہ زبان نہیں کھولتا۔"

"تو میاں' وہ خبر کیا غلط تھی کہ تم نے رشتے سے انکار کر دیا ہے؟" چھوٹے خاں حیرت سے بولا۔

میرے کان کھڑے ہو گئے کہ یہ کیا قصہ ہے؟ سو کہا۔ "کس سے چچا؟"

"میری پروین سے اور کس سے!" چھوٹے خاں کی بیٹی کا نام پروین تھا۔

چھوٹے خاں کے جواب سے میں سمجھ گیا کہ اقبال نے اس کی دال نہیں گلنے دی ہو گی۔ وہ نرگس کو کس طرح چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتا اور چھوٹے خاں کی بیٹی سے نکاح پڑھوا لیتا!

"چچا! میں نے تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی۔ آپ خود ہی سوچیں کہ میں ایسا کہہ سکتا ہوں!"

"میرے اور بھائی افضل کے درمیان رشتے کے معاملے میں ایک اور عزیز عبد الحمید صاحب کوشش کر رہے تھے۔ انہی کے ذریعے مجھے تمہارے والد' بھائی افضل کا یہ پیغام ملا کہ لڑکا یعنی تم اس رشتے پر راضی نہیں ہو۔ بس میاں' وہ دن اور آج کا دن' میں نے صبر کر لیا۔ سوچا کہ جہاں اللہ کی مرضی ہو گی بچی کا رشتہ ہو جائے گا۔ اگر یہ بات مجھے تم سے پہلے ہی معلوم ہو جاتی کہ تمہاری طرف سے انکار نہیں گیا تو میں خود بھائی افضل کو منا لیتا۔ میں تو اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ تمام چکر اسی مولوی کفایت کا چلایا ہوا ہے۔ بلی کھائے نہیں تو اوندھا دے۔ مولوی نے کوئی عمل وغیرہ کیا ہو گا کہ اگر بھائی افضل نے اس کی بیٹی کے ساتھ تمہارا دوبارہ نکاح پڑھوانے سے انکار کر دیا ہے تو کہیں اور بھی رشتہ نہ ہو۔" چھوٹے خاں کے الفاظ سے پوری صورتِ حال واضح ہو گئی۔ اقبال سے نرگس کا نکاح کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ دوسری جانب اس نے چھوٹے خاں کی "نیک پروین" کو بھی قبول نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے' یہ اطلاع میرے لئے باعث مسرت ہی تھی۔ محبوب کا کسی دوسرے کے ہتھے نہ چڑھنا ہر عاشق صادق کے لئے خوشی کا پیغام ہے۔ اب میں سمجھا کہ چھوٹے خاں نے مجھے "صبح کا بھولا" کیوں کہا تھا۔

چھوٹے خاں سے گفتگو کرتے ہوئے یہ بات بھی میرے ذہن میں آئی کہ میرا رقیب اقبال اگر کہیں اور ٹھکانے لگ جائے' پروین ہی سے شادی کر لے تو ہمیشہ کے لئے کانٹا نکل جائے۔ ویسے موجودہ صورتِ حال بھی میرے حق میں تھی' اسے برقرار بھی رکھا جا سکتا تھا۔ پھر کوئی چکر چل جاتا یا گڑبڑ ہو جاتی تو اس سے نمٹ لینا مشکل نہ ہوتا۔ ہم جن زادوں کو درمیان سے کانٹے نکالنے کے اور بہت سے طریقے آتے ہیں۔ ان طریقوں کو میں نے نرگس کے معاملے میں دانستہ نہیں اپنایا۔ لیلیٰ پیاری تو اس کا کتا بھی پیارا

اقبال کو میں نے اسی لئے بخش دیا تھا ورنہ کب کا اسے راستے سے ہٹا دیتا۔ نہ ہوتا بانس نہ بجتی بانسری۔ اس سے ہرگز میرا یہ مقصد نہیں کہ اقبال کو بانس اور نرگس کو بانسری کہنا چاہتا ہوں۔ میرا مقصد پورا ہو چکا تھا اس لئے وہاں سے کھسک لینے کے بارے میں سوچا اور چھوٹے خاں سے اجازت چاہی۔

"اچھا تو میاں' میں اب تمہاری طرف سے ہاں سمجھوں؟" چھوٹے خاں نے مجھ سے اقرار کرانا ضروری سمجھا۔

"اور کیا چچا! میں آپ کے حکم سے باہر کب ہوں!" میں نے "گرین سگنل" دے دیا۔

"اللہ' تمہیں خوش رکھے اقبال بیٹے!" چھوٹے خاں نے مجھے دعا دی۔

پھر میں اسٹول سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں اس پر دل ہی دل میں بہت خوش تھا کہ چھوٹے خاں کو اپنے رقیب کے پیچھے لگا دیا ہے۔ اپنے ہونے والے داماد کی رضامندی کے بعد وہ بڈھا سر دھڑ کی بازی لگا دیتا۔ چلتے چلتے میں نے ایک اور پانسا پھینکا۔ "چچا! میں آپ کو ایک اور راز کی بات بتا دوں کہ مولوی صاحب نے واقعی کوئی نہ کوئی عمل ضرور کیا ہے۔ کبھی کبھی تو خود مجھے اپنی زبان پر قابو نہیں رہتا۔ کہنا کچھ چاہتا ہوں' منہ سے کچھ نکل جاتا ہے۔ بعد میں خود مجھے بھی اس پر بڑی حیرت ہوتی ہے۔ یہ بات میں نے آپ کو اس لئے بتائی ہے کہ اگر کبھی میں آپ کے سامنے بھی رشتے سے انکار کر دوں تو ہرگز یقین نہ کریں۔ فوراً یہ سمجھ لیں کہ مجھے مولوی صاحب نے قابو میں کر رکھا ہے۔"

"یہ بتا کر تم نے بہت اچھا کیا۔ مولوی کفایت اللہ اس حد تک سفلے پن پر اتر آئے گا' میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں سمجھ گیا کہ مولوی نے تم پر تعویذ کر رکھا ہے۔ فکر نہ کرو' اس کا بھی کوئی توڑ سوچ لیں گے۔ لاہور میں ایک سے ایک بڑا اللہ والا پڑا ہے' بس تلاش کی ضرورت ہے۔ بھلا بتاؤ' اس مولوی کی اب اتنی ہمت ہو گئی کہ ہمارے گھر کے بچوں پر عمل کرنے لگے۔ تمہیں اب کوئی پروا کرنے کی ضرورت نہیں بیٹے! اب میں جانوں اور مولوی جانے' تم میرے ساتھ ہو تو مجھے کیا غم!"

اسی وقت انگریز صاحب بہادر ولسن نے چھوٹے خاں کو طلب کرنے کے لئے گھنٹی بجائی۔ چھوٹے خاں تھے تو چپراسی مگر اعلیٰ حکام کے چپراسی بھی خود کو کسی تیس مار خاں سے کم نہیں سمجھتے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ انگریز افسران اپنے قریبی اور ذاتی عملے کو ہر طرح خوش رکھتے تھے۔ وقت پڑنے پر یہی نمک خوار ان کے کام آتے تھے۔ ولسن بھی اسی پالیسی پر گامزن تھا۔ چھوٹے آدمی کی سفارش ہی پر اس نے اقبال کو اپنے محکمے میں ملازم رکھ لیا تھا۔

موقع غنیمت جان کر میں نے چھوٹے خاں سے کہا۔ "اچھا چچا' میں چلا۔"

چھوٹے خاں کو صاحب کی گھنٹی پر لپکنا تھا اس لئے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا اور چق اٹھا کر اندر صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔

اب صرف ایک ہی عقدہ کھلنا باقی رہ گیا تھا کہ اپنی پہلی سیٹ تک اقبال نے واپسی کا سفر کیسے طے کیا؟ اس کی جگہ دوبارہ شری واستو کیسے آ بیٹھا؟ یہ عقدہ فی الوقت نہ بھی کھلتا تو میری صحت پر کوئی اثر پڑنے کا خطرہ لاحق نہیں تھا۔ خطرہ تو ایک اور تھا کہ ایک ہی دفتر میں دو عدد اقبالوں کی موجودگی کا کسی کو

aazzamm@yahoo.com

aazzamm@yahoo.com

علم نہ ہو جائے! سو میں فوراً اپنی اصل پر لوٹ آیا۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے راہداری میں دور تک دوڑا لی تھی۔ کوئی مجھے یوں اچانک غائب ہوتے دیکھ لیتا تو غش کھا جاتا۔

اس روز سے میں نے نئی لائن آف ایکشن مقرر کر لی۔ میرے اغوا سے کئی معاملات التواء میں گئے تھے، پہلے ان سے نمٹنا ضروری تھا۔

☆======☆======☆

اس دلچسپ ترین کہانی کے بقیہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں

برصغیر پاک و ہند کے ان نامور پہلوانوں کی داستان جنہوں نے تاریخ میں دیومالائی شہرت حاصل کی، ہندوؤں نے انہیں بھگوان کا درجہ دیا

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

اپنے ہاکر یا اپنے شہر کے ہر اچھے بکسٹال سے طلب فرمائیں

ناشر: علی میاں پبلیکیشنز ۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور ☎7247414

اسٹاکسٹ: علی بکسٹال نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

aazzamm@yahoo.com